والدین کی قدر کیجئے

- والدین سراپا شفقت ------- والدین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیے
- والدین سراپا رحمت ------- والدین کو راحت پہنچائیے
- والدین مضبوط قلعہ ہیں ------- والدین کا نام روشن کیجئے
- والدین قدرت کا انمول تحفہ ------- والدین کی خدمت کیجئے

پسند فرمودہ

حضرت مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب

استاذ حدیث دار العلوم کراچی

حضرت مفتی عاصم زکی صاحب

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

تالیف

محمد حنیف عبد المجید

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

دار الہدیٰ

اردو بازار کراچی

والدین کی قدر کیجیے

- والدین سراپا جنت .... والدین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیے
- والدین سراپا رحمت .... والدین کو راحت پہنچائیے
- والدین مضبوط قلعہ ہیں .... والدین کا نام روشن کیجیے
- والدین قدرت کا انمول تحفہ .... والدین کی خدمت کیجیے

پسند فرمودہ

حضرت مفتی محمد اشرف عثمانی صاحب

استاذ حدیث دار العلوم کراچی

حضرت مفتی عاصم ذکی صاحب

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

تالیف

محمد حنیف عبدالمجید

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

دار الہدیٰ

اردو بازار کراچی

کتاب کا نام ——— والدین کی قدر کیجئے
تاریخ اشاعت ——— جنوری ۲۰۰۵ء
باہتمام ——— احباب دار الھدیٰ
کمپوزنگ ——— فاروق اعظم کمپوزرز کراچی
مطبع ———
ناشر ——— دار الھدیٰ کراچی

روم نمبر 8 پہلی منزل شاہ زیب ٹیرس
نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی۔
فون: 021-2760374

اسٹاکسٹ:
ادارۃ الانور

حاجی توفیق منزل سیکنڈ فلور فلیٹ نمبر ۴
بالمقابل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵
فون و فیکس: 0300-2573575-021-4852043

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری گزارش

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ التماس کی جاتی ہے کہ حتی الامکان ہم نے کتاب میں تصحیح وتخریج کی پوری کوشش کی ہے تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں سُقم وضُعف یا اغلاط نظر آئیں تو اَزراہِ کرم ناشر کو ضرور مطّلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی باقی نہ رہے۔

مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ضرور بتائیں۔

اس کتاب کی تصحیح وکتابت پر اَلحمدُللہ کافی محنت ہوئی ہے، امید ہے قدردان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جزاکم اللہ خیراً

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
٦٠	والدین کے اخراجات کے لئے محنت کا ثواب
٦١	والدین کے لئے دعا کرنا
٦٣	اولاد کی دعا سے والدین کے درجات بلند ہوتے ہیں
٦٥	والدین کی وفات کے بعد حسنِ سلوک کا طریقہ
٧٠	والدین کی طرف سے صدقہ کرنا
٧٣	والدین کی طرف سے حج یا عمرہ کرنا
٧٧	ناکام و نامراد کون؟
٧٩	والدین کی نافرمانی گناہِ کبیرہ ہے
٨٠	والدین کو ستانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا
٨١	والدین کو گھورنا بھی نافرمانی ہے
٨٣	والدین پر لعنت کرنے والا ملعون ہے
٨٦	والدین کو گالی دینا گناہِ کبیرہ ہے
٨٧	والدین کو ستانے کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے
٨٩	والدین کا قاتل سب سے زیادہ سخت عذاب میں ہوگا
٩٠	والدین کی وفات کے بعد فرماں بردار بننے کا طریقہ
٩٣	**والدین کی قدر اکابرین کی نظر میں**
١٠٤	**والدین کی اطاعت و نافرمانی کے متعلق واقعات**
١٠٤	والد کی بات ماننے والا کامیاب
١٠٦	اس قصے میں عبرت کے چند نصیحت آمیز پہلو
١١٠	والدین کی دعا سے دنیا کی تمام نعمتیں میسر آ گئیں
١١٥	والدہ کے ساتھ فرماں برداری کا صلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود اشرف عثمانی
غفر اللہ لہ

Mahmood Ashraf Usmani

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد

برادرِ گرامی قدر جناب مولانا حنیف عبدالمجید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دینی خدمات کے لیے موفق فرمایا ہے، رسمی تدریسی اور تعلیمی خدمات کے ساتھ ماشاء اللہ انہوں نے مفید تصانیف کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے، عام فہم زبان میں انکی کئی تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بحمداللہ ان سے دینی نفع اٹھا رہی ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی "والدین کی قدر کیجیے" کے نام سے انکی نئی تصنیف اس وقت احقر کے سامنے ہے۔ قرآن وحدیث اور دینی واقعات سے مزین یہ کتاب وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی عبادت کے فوراً بعد انسانوں کو جس حکم کی طرف متوجہ کیا ہے وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا ہے (واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا) زیر نظر تصنیف "والدین کی قدر کیجیے" اسی حکم الٰہی کی دلنشین تشریح ہے جس پر مؤلف مبارکباد کے مستحق ہیں۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ جل شانہ اس کتاب کو نافع بنائیں اور مؤلف کے لیے اسکو صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ

Jamia Darul-Uloom, Karachi
Phones: Jamia: 5049774/5/6
Fax Jamia: 92-21-5040234
Darul-Ifta: 5046885
Residence: 5040935

استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی
جامعہ دارالعلوم، ڈاک خانہ دارالعلوم، کراچی نمبر ۱۴ (۷۵۱۸۰)

باسمہ تعالیٰ

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ اما بعد

دینِ اسلام میں اولاد پر والدین کے جو حقوق لازم قرار دیئے گئے ہیں بلاشبہ ان کی بجا آوری موجبِ سعادت اور اس سے روگردانی سببِ شقاوت ہے۔ اس لحاظ سے والدین کے وجودِ مسعود کو ایک سرمایہ بے بدل سمجھ کر ان کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج کل والدین کی بابت بڑی بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ یہ ہے کہ ان کی خدمت اور تعظیم و تکریم تو درکنار، ان کی دل آزاری کی جاتی ہے۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر ایک ایسی جامع کتاب کا اردو زبان میں منظرِ عام پر آنا وقت کی اہم ضرورت تھی جس میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے حقوق کی پاسداری کی ضرورت و اہمیت کو مستند اور تسلی بخش طور پر اجاگر کیا گیا ہو۔

الحمد للہ ہمارے قدیم و عزیز دوست اور ہم درس مولانا مفتی محمد حنیف صاحب نے اسی اہم تقاضہ کا بروقت احساس فرمایا اور اپنے رفقاء کی معاونت سے "والدین کی قدر کیجیے" کے نام سے اس موضوع پر منفرد انداز کی کتاب تحریر فرمائی ہے۔ بندہ نے وقت کی کمی اور دیگر مصروفیات کی بنا پر مسودے کو سرسری دیکھا ہے ماشاء اللہ اچھا کام ہوا ہے۔ اب مناسب ہے کہ یہ کتاب زیادہ سے زیادہ افراد کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ لہٰذا اسکولز اور مدارس کے منتظمین حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ طلباء اور طالبات کو اس کتاب کے مطالعے کی ترغیب و تشویق دیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مؤلف محترم کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو اپنے والدین کا سچا قدردان بنائے۔ والدین کی رضامندی نصیب فرمائے اور ان کی دعائیں حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین وصلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد وآلہ وسلم

۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۳ھ

محمد عالم زئی
استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

پیش لفظ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے مدرسہ اور اسکول کے انتظام و اہتمام کی سعادت نصیب ہوئی تو بچوں کے والد حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں، ان ملاقاتوں کے دوران جو والدین کے لئے شرعی ہدایات و نصائح تھیں، یا جو اپنے اساتذہ واکابر سے سنیں تھیں وہ ''مثالی باپ'' کے نام سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کتاب میں جمع ہوگئیں۔

تو شدت سے احساس ہوا کہ ہمیں تربیت کے دوران والدین کے ادب واحترام پر زیادہ زور دینا چاہیئے۔ اور تجربۃً طلبہ وطالبات میں اس موضوع پر بیانات ہوئے، اساتذہ ومعلمات نے ترغیب دی والدین کی خدمت، والدین کی دعا کی اہمیت و ضرورت، والدین کے ادب واحترام، والدین کی اطاعت پر قصے سنائے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کافی فائدہ ہوا۔

تو خیال ہوا کہ عام مسلمانوں تک یہ باتیں پہنچ جائیں خصوصاً نوجوان بچوں اور بچیوں تک یہ باتیں پہنچ جائیں تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ایسی ہدایت عطا فرمائے کہ ہر بچہ اور بچی اپنے والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائے۔

چونکہ ہمارے معاشرے میں جتنی بھی خرابیاں ہیں اس میں سے ایک اہم سبب والدین کی ناقدری اور نافرمانی بھی ہے۔ لہٰذا اس موضوع پر ائمہ حضرات مساجد میں اساتذہ کرام اسکول اور مدارس میں بار بار سمجھائیں گے، لوگوں کو اس بارے میں باخبر رکھیں گے، تو ان کا باعمل بننا بھی آسان ہو جائے گا سچی بات یہ ہے کہ بندہ کے خیال میں ہماری کوتاہی ہے کہ ہم اپنے بھائی بہنوں کو والدین کی نعمت کی اہمیت کے بارے

میں سمجھا نہیں سکے۔

بعض دوستوں نے جن کے والد یا والدہ یا دونوں دنیا سے چلے گئے ہیں وہ بڑی حسرتوں کے ساتھ تمنا رکھتے ہیں کہ کاش ہمیں کوئی ایسا موقع ملے کہ ہم والد کے پاؤں دبا سکیں ان کے لئے گرم گرم روٹی بنا کر ان کی خدمت میں پیش کرسکیں لیکن اب وقت گزر گیا۔

ان دوستوں کے اس جذبے نے بھی اس کتاب کی تیاری میں تعاون کیا کہ جن کے والدین زندہ ہیں ان تک یہ اسلام کی ہدایات پہنچ جائیں تاکہ وہ ان کی قدر کرلیں اللہ کی ناراضگی کو دور کرسکیں تاکہ ہم سب کی دنیا اور آخرت اچھی ہو جائے۔

عاجزانہ گزارش!

نہایت ہی ادب سے عاجزانہ گزارش ہے کہ ائمہ حضرات اپنے درس اور بیانات میں ان آیات اور احادیث اور واقعات کو بیان کریں اور محلے کے نوجوان بچوں کو یہ احادیث زبانی یاد کروائیں، اور واقعات ان کو کاپیوں میں لکھوائیں کہ لکھوانے سے چیز ذہن میں محفوظ رہ جاتی ہے اور پھر ان کو دین کا داعی بنائیں کہ وہ دوسروں کو سکھائیں۔

اسی طرح اسکول اور مدارس کے اساتذہ کرام بھی اپنی اپنی درسگاہوں میں ان احادیث کو یاد کروائیں اور ان واقعات کو لکھوائیں یا اردو سے عربی اور یا اردو سے انگلش میں ترجمہ کروائیں، ہفتے میں ایک دن تربیت کا گھنٹہ رکھ دیا جائے اور اس میں ایک حدیث اور ایک واقعہ بیان کیا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ اس سے فائدہ ہوگا اور سیکنڈری کے بچوں کو ہر ہفتہ دس دس صفحات مطالعے کے لئے دے دیئے جائیں۔

آخری نہیں بلکہ آخر میں گزارش ہے کہ اپنی دعاؤں میں ان تمام بزرگوں کو، مصنفین اور مؤلفین کو جن کی کتب سے یہ کتاب تیار کی گئی ہے (جن کے مآخذ اور مراجع آخر کتاب میں ہیں) ان کے لئے دعا کریں اور اس کتاب کی تیاری میں

بیت العلم کے اساتذہ کرام نے جو تعاون فرمایا ان سب کے لئے بھی دعا کیجیے اور بندہ کے لئے بھی فرض نماز کے بعد ضرور دعا کیجیے اس سے آپ کو بھی فائدہ ہوگا اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُوْ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ.﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی مسلمان اپنے بھائی کے پیٹھ پیچھے اس کے لئے دعا کرے تو ایک فرشتہ کہتا ہے، تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو“

آخر میں نہایت ہی ادب سے اہل علم اور اہل قلم، اور تمام قارئین سے عاجزانہ گذارش ہے کہ اغلاط کی ضرور نشاندہی کریں، اور ہر ایک تک یہ کتاب پہنچانے کی کوشش فرمائیں۔

اصلاح و دعا کا محتاج

محمد حنیف عبد المجید

۱۱ر جمادی الاول ۱۴۲۵ھ ۳۰ جون ۲۰۰۴ء

---

[1] مسلم، كِتَابُ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ، بَابُ فَضْلِ الدُّعَاءِ لِلْمُسْلِمِيْنَ بِظَهْرِ الْغَيْبِ: ۲/۳۵۱

والدین کی اطاعت قرآن کی روشنی میں

اولاد والدین کے لئے یہ دعائیں کرے

قرآن کریم اور احادیث میں بعض ایسی دعائیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی ہمیں سکھلائی گئیں ہیں، جو خود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والدین کے لئے یا اولاد کے لئے مانگی ہیں، ہم بھی ان دعاؤں کو مانگ کر اپنے والدین کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کر سکتے ہیں، اور اپنی اولاد کو یہ دعائیں سکھلا کر اپنے معصوم بچوں اور بچیوں کی زبانی اپنے لئے دعائیں کروا سکتے ہیں مثلاً:

❶ ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝﴾[1]

تَرجَمَہ: "اے میرے پروردگار! مجھے اس پر مداومت دیجئے کہ میں ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے والدین کو عطا فرمائیں اور (اس کی توفیق دیجئے کہ) میں ایسے نیک کام کیا کروں جن سے آپ راضی ہو جائیں اور آپ میری اولاد کو بھی صالح بنا دیں۔ میں (اپنے سارے گناہوں سے) توبہ کرتا ہوں، اور میں آپ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں (آگے حق تعالیٰ شانہ ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ) یہی لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم قبول کر لیں

[1] سورۂ احقاف، آیت: ١٥، ١٦

گے اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے اس طرح پر کہ یہ جنت والوں میں سے ہوں گے یہ اس وعدہ کی وجہ سے جس کا ان سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا (کہ نیک اعمال کا صلہ جنت ہے)۔"

اس دعا میں اللہ رب العزت سے تین چیزیں مانگی گئی ہیں۔

(الف) اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کے شکر کی توفیق عطا فرمائے، وہ انعامات جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر کیے ہیں اور ہمارے والدین پر کیے ہیں۔

(ب) ایسے عمل کی توفیق سے نوازدے جو اسے پسند ہو، اور اس عمل سے وہ راضی ہو جائے۔

(ج) اولاد کو نیک اور صالح بنادے، یہی تین چیزیں درحقیقت سعادتِ بشریہ ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ تین نعمتیں نصیب فرمادے آمین۔

۲ ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾[۱]

ترجمہ: "اے ہمارے رب مجھ کو بخش دے اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور سب ایمان والوں کو اس دن جب کہ حساب ہو۔"

یہ اپنے اور والدین کے لئے گناہوں کی معافی کی دعا ہے۔ اپنی اولاد کو نواسے، نواسیوں، پوتے، پوتیوں سب کو وصیت کر جائیں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا تین مرتبہ ضرور مانگ لیا کریں۔

۳ ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾[۲]

ترجمہ: "اے میرے رب ان پر رحم فرما جیسا کہ پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔"

---

[۱] سورۂ ابراهیم، آیت: ٤١

[۲] سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ٢٤

یہ والدین کے لئے رحمت کی دعا ہے۔ ہر اولاد اللہ تعالیٰ سے یہ مانگے کہ اے اللہ! جیسے والدین نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا ویسے ان پر رحم فرما، یہ حکم اللہ تعالیٰ نے اولاد کو والدین کے ادب کی رعایت کے بارے میں دیا ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس حکم کا والدین کی خدمت واطاعت والدین ہونے کی حیثیت سے کسی زمانے اور کسی عمر کے ساتھ مقید نہیں ہر حال میں...... ہر عمر میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک واجب ہے۔

والدین کے بڑھاپے کا زمانہ جب کہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں ان کی زندگی اولاد کے رحم وکرم پر رہ جائے، اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بے رخی بھی محسوس ہو تو ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے۔

دوسری طرف بڑھاپے کے آخری دور میں جب عقل وفہم بھی جواب دینے لگتے ہیں تو ان کی خواہشات ومطالبات کچھ ایسے بھی ہو جاتے ہیں جن کا پورا کرنا اولاد کے لئے مشکل ہوتا ہے۔

قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دل جوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا بچپن یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں، تو جس طرح انہوں نے اپنی راحت وخواہشات کو اس وقت تم پر قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا، اب جب کہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا تو عقل وشرافت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے اس احسان کا بدلہ ادا کرو۔

اس آیت میں ﴿كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا﴾ سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس دعا کا حاصل یہ ہے کہ والدین کو ہر طرح سے راحت پہنچانا تو انسان کے بس کی بات نہیں، البتہ جتنی طاقت ہو اتنی راحت پہنچانے کی فکر کے ساتھ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی سب مشکلات کو آسان

اور تکلیفوں کو دور فرمائے۔ یہ آخری حکم ایسا وسیع اور عام ہے کہ والدین کی وفات کے بعد بھی جاری ہے جس کے ذریعہ وہ ہمیشہ والدین کی خدمت کرسکتا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح بخاری میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ یہ دعا مانگے:

۴ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَبِّ السَّمٰوَاتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ لِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوَاتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ لَهُ الْعَظْمَةُ فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ هُوَ الْمَلِكُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَهُ النُّوْرُ فِی السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾[1]

ترجمہ: ”ساری تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے جو دونوں جہانوں کا پالنے والا ہے آسمان کا رب اور زمین کا رب دونوں جہان کا رب ہے۔ اور اسی کے لئے بڑائی آسمان میں اور زمین میں وہی زبردست حکمت والی ذات ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تعریف ہے، آسمان کا رب ہے اور زمین کا رب اور دونوں جہانوں کا رب ہے۔

اسی کے لئے بڑائی آسمان میں اور زمین میں وہ زبردست حکمت والا ہے، وہی بادشاہ ہے آسمان کا رب اور زمین کا رب اور دونوں جہانوں کا رب ہے، اسی کے لئے روشنی ہے آسمان میں اور زمین میں اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔“

اور اس کے بعد یہ دعا کرے کہ یا اللہ اس کا ثواب میرے والدین کو پہنچادے تو

[1] فضائل صدقات: حصہ اول صفحہ ۲۶۸

اس نے والدین کا حق ادا کر دیا۔

ارشاد الساری کے آخر میں یہ دعا ہے:

۵ ﴿ أَللّٰهُمَّ افْعَلْ بِيْ وَ بِهِمَا عَاجِلاً وَّاٰجِلاً فِي الدِّيْنِ وَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ مَآ أَنْتَ لَهُ أَهْلٌ. وَلَا تَفْعَلْ بِيْ وَبِهِمَا عَاجِلاً وَّاٰجِلاً فِي الدِّيْنِ وَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مَا نَحْنُ لَهُ أَهْلٌ يَّا مَوْلَانَا ﴾[1]

ترجمہ: ''اے اللہ! میرے ساتھ اور میرے والدین کے ساتھ جلدی ہو یا دیر سے دین و دنیا اور آخرت کے تمام مراحل میں وہ معاملہ فرما جو آپ کے شایانِ شان ہو، اور میرے اور میرے والدین کے ساتھ جلدی ہو یا دیر سے دین و دنیا اور آخرت کے تمام مراحل میں وہ معاملہ نہ فرما جس کے ہم اہل ہیں، اے میرے آقا (یعنی اے اللہ ہمارے ساتھ اپنے خاص فضل و کرم والا معاملہ فرما)۔''

والدین کے حقوق کے بارے میں چند آیات

ا ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ ﴾[2]

ترجمہ: ''اگر وہ (یعنی ماں باپ) تیرے سامنے (یعنی تیری زندگی میں) بڑھاپے کو پہنچ جائیں، چاہے ایک ان میں سے پہنچے یا دونوں،

---

[1] ارشاد الساری کتاب الادعیة الحج و العمرة: ص۸

[2] سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۲۳، ۲۴، ۲۵

(اور بڑھاپے کی بعض باتیں جوانوں کو گراں ہونے لگتی ہیں اور اس وجہ سے ان کی کوئی بات تجھے گراں ہونے لگے) تب بھی ان سے کبھی ''ہوں'' بھی مت کرنا اور نہ ان سے جھڑک کر بولنا، ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے ہمارے پروردگار! تو ان پر رحمت کر جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے (اور صرف ظاہرداری ہی نہیں بلکہ دل سے ان کا احترام کرنا) تمہارا رب تمہارے دل کی بات خوب جانتا ہے اگر تم سعادت مند ہو (اور غلطی سے کوئی بات خلاف ادب سرزد ہو جائے اور تم توبہ کرلو) تو وہ توبہ کرنے والے کی خطائیں بڑی کثرت سے معاف کرنے والا ہے۔''

فَائِدَة: حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے کہ اگر وہ بوڑھے ہو جائیں اور تمہیں ان کا پیشاب پاخانہ دھونا پڑ جائے تو کبھی اف بھی نہ کرو، جیسا کہ وہ بچپن میں تمہارا پیشاب پاخانہ دھوتے رہے ہیں۔[1]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر بے ادبی میں اف کہنے سے کوئی ادنی درجہ ہوتا، تو اللہ جل شانہ اس کو بھی حرام فرما دیتے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ نافرمانی کی مقدار کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا: ''کہ اپنے مال سے ان کو محروم رکھے اور ملنا چھوڑ دے، اور ان کی طرف تیز نگاہ سے دیکھے۔''

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ ''قَوْلًا کَرِیْمًا'' کا کیا مطلب ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ان کو ''اماں، ابا'' کرکے خطاب کرے ان کا نام نہ لے۔

---

[1] درمنثور ۲۵۸/۵

حضرت زبیر بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ پکاریں تو ''حاضر ہوں حاضر ہوں'' سے جواب دے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا گیا کہ نرمی سے بات کرے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے عرض کیا کہ قرآن پاک میں حسن سلوک کا حکم تو بہت جگہ ہے اور میں اس کو سمجھ گیا لیکن ''قَوْلًا كَرِيمًا'' کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔

تو انہوں نے فرمایا: ''جیسا کہ بہت سخت مجرم غلام، سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے۔''

حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ قرآن پاک میں ان کے سامنے جھکنے کا حکم فرمایا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

انہوں نے فرمایا: ''اگر وہ کوئی بات تیری ناگواری کی کہیں تو ترچھی نگاہ سے ان کو مت دیکھ کہ آدمی کی ناگواری اوّل اس کی آنکھ سے ہی پہچانی جاتی ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ جس نے باپ کی طرف تیز نگاہ کر کے دیکھا، وہ فرماں بردار نہیں ہے۔[1]

کسی نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز کا اپنے وقت پر پڑھنا'' میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا'' میں نے عرض کیا اس کے بعد؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جہاد''

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہے۔ ''اللہ تعالیٰ کی رضا

---

[1] در منثور: ٥/٢٦٠ سورۂ بنی اسرائیل، آیت:٢٤

والد کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔[۱]"

ماں باپ کے حقوق میں سے ہے کہ ایسی تواضع عاجزی اور ادائے خدمت کرے کہ وہ راضی ہو جائیں۔ جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرے...... بے ادبی نہ کرے ...... تکبر سے پیش نہ آئے، اگر چہ وہ کافر ہی ہوں۔ اپنی آواز کو ان کی آواز سے بلند نہ کرے...... ان کو نام لے کر نہ پکارے...... کسی کام میں ان سے پہل نہ کرے۔ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" میں نرمی کرے...... ایک بار کہے اگر وہ قبول نہ کریں تو خود حسن سلوک کرتا رہے اور ان کے لئے دعا واستغفار کرتا رہے، اور یہ بات قرآن کریم میں موجود ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ نصیحت کرنے کے بعد کہہ دیا تھا کہ اچھا اب میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے دعا کرتا ہوں، جیسا کہ سورۂ مریم کے تیسرے رکوع میں آیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: "کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے والدین زندہ ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو اس کے لئے جنت کے دروازے نہ کھل جاتے ہوں۔ اگر وہ ان کو ناراض کر دے تو اللہ جل شانہ اس وقت تک راضی نہیں ہوتے جب تک ان کو راضی نہ کر لے۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر وہ ظلم کرتے ہوں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اگر چہ وہ ظلم کرتے ہوں۔"

سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دے کر اُن کے ساتھ تعظیم وتکریم سے پیش آنے کے لئے چند نصیحتیں فرمائی گئی ہیں۔

اوّل: یہ کہ ماں باپ دونوں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو جائے تو اُن کو اُف بھی نہ کہو، مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا کلمہ اُن کی شان میں زبان سے نہ نکالو جس سے ان کی تعظیم میں فرق آتا ہو، یا جس کلمہ سے اُن کے دل کو رنج پہنچتا ہو۔

---

[۱] ایضاً

لفظ اُف بطور مثال کے فرمایا ہے، بیان القرآن میں اردو کے محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ۔ ''ان کو ہوں بھی مت کہو۔'' دوسری زبانوں میں اُن کے مطابق ترجمہ ہوگا۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے علم میں کلمۂ اُف سے نیچے بھی کوئی درجہ ماں باپ کے تکلیف دینے کا ہوتا تو اللہ جل شانہ اُس کو بھی ضرور حرام قرار دیدیتے۔[1]

ماں باپ کی تعظیم و تکریم اور فرمانبرداری ہمیشہ واجب ہے، بوڑھے ہوں یا جوان۔ جیسا کہ آیات اور احادیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے، لیکن بڑھاپے کا ذکر خصوصیت سے اس لئے فرمایا کہ اس عمر میں جا کر ماں باپ بھی بعض مرتبہ چڑچڑے ہو جاتے ہیں، اور ان کو بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں، اولاد کو ان کا اُگالدان صاف کرنا پڑتا ہے، میلے اور ناپاک کپڑے دھونے پڑتے ہیں، جس سے طبیعت بیزار ہونے لگتی ہے اور تنگ دل ہو کر زبان سے اُلٹے سیدھے الفاظ بھی نکلنے لگتے ہیں، اس موقع پر صبر اور برداشت سے کام لینا اور ماں باپ کا دل خوش رکھنا اور رنج دینے والے ذرا سے لفظ سے بھی پرہیز کرنا بہت بڑی سعادت ہوتی ہے۔

اُف کہنے کی ممانعت کے بعد یہ بھی فرمایا کہ اُن کو مت جھڑکو، جھڑکنا اُف کہنے سے بھی زیادہ بُرا ہے، جب اُف کہنا منع ہے تو جھڑکنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پھر بھی واضح فرمانے کے لئے خاص طور سے جھڑکنے کی صاف اور صریح لفظوں میں ممانعت فرمادی۔

دوم: یہ حکم فرمایا:

﴿وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾

صاحب تفسیر ابن کثیر ''قَوْلًا کریماً'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

[1] درمنثور عن الدیلمی: ۵/۲۵۸، سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۲۳

﴿أَيْ لَيِّناً طَيِّباً حَسَناً بِتَأَدُّبٍ وَتَوْقِيْرٍ وَتَعْظِيْمٍ﴾

تَرجَمَہ: ”یعنی ماں باپ سے خوب ادب سے بات کرنا، اچھی باتیں کرنا، لب ولہجہ میں نرمی اور الفاظ میں توقیر وتکریم کا خیال رکھنا، یہ سب قَوْلاً کَرِیْمًا میں داخل ہے۔“[1]

حضرت زہیر بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے قَوْلاً کَرِیْماً کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”اِذَا دَعَوَاكَ فَقُلْ لَبَّيْكُمَا وَسَعْدَيْكُمَا.“

تَرجَمَہ: ”یعنی جب ماں باپ تجھے بلائیں تو کہنا کہ میں حاضر ہوں اور تعمیلِ ارشاد کے لئے موجود ہوں۔“

حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”قَوْلاً کَرِیْماً“ کی تفسیر میں فرمایا:

”قَوْلاً لَيِّناً سَهْلاً“

تَرجَمَہ: ”کہ نرم لب ولہجہ میں سہل طریقہ پر بات کرو۔“

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”هُوَ قَوْلُ العَبْدِ الْمُذْنِبِ لِسَيِّدِ الفَظِّ“[2]

تَرجَمَہ: ”خطا کار، زرخرید غلام جس کا آقا بہت سخت مزاج ہو، جس طرح اُس غلام کی گفتگو اُس کے آقا کے ساتھ ہوگی (اسی طرح ماں باپ سے بات کی جائے، تو قولاً کریماً پر عمل ہوسکتا ہے)۔“[3]

سَوُم: یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾

---

[1] ابن کثیر ۳۶۹/۲

[2] التفسیر المنار ۵۵/۱۵

[3] ان اکابر کے یہ اقوال در منثور ۲۵۹/۵ سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۲۳، پر لکھے ہوئے ہیں۔

ترجمہ: ''یعنی ماں باپ کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا۔''

اس کی تفسیر میں حضرت عُروہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اُن کے سامنے ایسی روش اختیار کر کہ ان کی جو دلی رغبت ہو اُس کے پورا ہونے میں تیری وجہ سے فرق نہ آئے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ماں باپ سے بات کرتے وقت نیچے اوپر ہاتھ مت اُٹھانا (جیسے برابر والوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے اُٹھاتے ہیں)۔

اور حضرت زُہیر بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ماں باپ اگر تجھے گالیاں دیں اور بُرا بھلا کہیں تو جواب میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔[1]

ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد صاحب سے آیت:

﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾

کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا:

''لَا تَمْنَعْ مِنْ شَيْءٍ اَحَبَّاهُ.''[2]

ترجمہ: ''جس چیز کو والدین پسند کرتے ہوں اس کو ان کی خدمت میں پیش کرنے میں کنجوسی مت کرو۔''

چہارم: نصیحت فرمائی کہ ماں باپ کے لئے یہ دعا کرتے رہا کرو۔

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝﴾

ترجمہ: ''اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا اور پرورش فرمائی۔''

---

[1] دُر منثور: ٥/٢٦٠، سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ٢٤

[2] بر الوالدین: ٤٠

بات یہ ہے کہ کبھی اولاد حاجت مند تھی، جو بالکل ناسمجھ اور ناتواں تھی، اس وقت ماں باپ نے ہر طرح کی تکلیف سہی اور دُکھ سکھ میں خدمت کر کے اولاد کی پرورش کی، اب پچاس ساٹھ سال کے بعد صورت حال بدل گئی کہ ماں باپ خرچ اور خدمت کے محتاج ہیں اور اولاد کمانے والی، روپیہ پیسہ، گھر بار اور کاروبار والی ہے، اولاد کو چاہیے کہ ماں باپ کی خدمت سے نہ گھبرائے اور ان پر خرچ کرنے سے تنگ دل نہ ہو، دل کھول کر جان و مال سے ان کی خدمت کرے اور اپنے بچپن کا وقت یاد کرے، اور اس وقت انہوں نے جو تکلیفیں اُٹھائیں اُن کو سامنے رکھے اور بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کرے اے میرے رب! ان پر رحم فرما، جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹے پن میں پالا اور پرورش فرمائی۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو کمر پر اُٹھائے ہوئے طواف کرا رہا تھا، اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا میں نے اس طرح خدمت کر کے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا، وَلَا بِزَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ"

تَرجَمَہ: "ایک سانس کا حق بھی ادا نہیں ہوا۔"[1]

تَنبِیہ: اگر ماں باپ کے اکرام و احترام میں کبھی کوئی لغزش اور کوتاہی ہو جائے تو فوراً معافی مانگ کر اور کوتاہی کی تلافی کر کے اُن کو راضی کر لے، نیز اللہ جل شانہ سے بھی مغفرت طلب کرے تفسیر درمنثور میں آیت:

﴿رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ﴾[2]

کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ

---

[1] مختصر تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۷۰

[2] سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۲۵

اولاد کی جانب سے ماں باپ کے حق میں غفلت سے کوتاہی ہوجائے اور دل سے فرمانبردار ہوتو اللہ جل شانہ توبہ کرنے والوں کو معاف فرمانے والا ہے۔

سورۂ لقمان میں ارشاد ہے:

❷ ﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ ﴾[1]

ترجمہ: ”ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے (کہ ان کی اطاعت اور خدمت کرے، کیونکہ انھوں نے اس کے لئے بڑی مشقتیں جھیلی ہیں بالخصوص ماں نے چنانچہ) اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اُٹھا کر اُس کو پیٹ میں رکھا (کیونکہ جوں جوں حمل بڑھتا جاتا ہے حاملہ کا ضعف بڑھتا جاتا ہے) اور (پھر) دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے (ان دنوں میں بھی وہ ہر طرح خدمت کرتی ہے، اسی طرح اپنی حالت کے موافق باپ بھی مشقت اُٹھاتا ہے، اس لئے ہم نے اپنے حقوق کے ساتھ ماں باپ کے بھی حقوق ادا کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ یہ ارشاد کیا) کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہوتو، تو ان کا کہنا نہ ماننا، اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا، اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو،

[1] سورۂ لقمان، آیت: ۱۴، ۱۵

پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے، پھر میں تم کو جتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔''[۱]

سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہے:

۳ ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝﴾[۲]

تَرْجَمَہ: ''اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور (اس کے ساتھ یہ بھی جتا دیا ہے کہ) اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس (کے معبود ہونے) کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں، تو اُن کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، سو میں تم کو تمہارے سب کام جتلا دوں گا۔''

فَائِدَہ: اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان کی اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسانوں کو ماں باپ کے متعلق تاکید کی، اور ساتھ ہی ماں باپ کے دُکھ اور تکلیف کا تذکرہ بھی فرمایا جو وہ اولاد کے لئے برداشت کرتے ہیں، سب سے زیادہ محنت و مشقت ماں پر پڑتی ہے جو زمانۂ حمل میں کمزور ہوتی چلی جاتی ہے، اور ضعف پر ضعف برداشت کرتی ہے، پھر پیدائش کا وقت بھی بہت کٹھن ہوتا ہے، اور اس وقت ماں کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ احقاف میں ذکر فرمایا ہے:

﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾

حمل اور وضع حمل کے بعد پرورش کا مسئلہ سامنے آتا ہے، باپ کما کر لاتا ہے،

---

[۱] از بیان القرآن: جلد۹ صفحہ۲۰

[۲] سورۂ عنکبوت، آیت: ۸

ماں گھر کے اندر پرورش میں لگی رہتی ہے، دودھ پلاتی ہے، گرمی سردی اور دُکھ درد میں کلیجہ سے لگائے رہتی ہے، بچہ جب بیمار ہوجاتا ہے تو ماں باپ کی نیندیں حرام ہوجاتی ہے، گود میں لئے بیٹھے رہتے ہیں، ڈاکٹروں اور حکیموں کے یہاں چکر لگاتے ہیں، مُنّے جان ماں باپ کی گود میں پیشاب کر رہے ہیں اور وہ بشاشت سے برداشت کرتے ہیں، صاحبزادے کو دست ہوگئے ہیں بستر پر پاخانہ کررہے ہیں ماں باپ کے کپڑے ناپاکی سے بھرے ہوئے ہیں، بیچارے دھوتے ہیں، سب کچھ برداشت کرتے ہیں اس محنت اور مشقت کا صلہ ظاہر ہے شکر گذاری ہونا چاہیے۔

سب سے بڑا شکر اللہ جل شانہ کا جس نے وجود بخشا، اس کے بعد شکر ماں باپ کا جنھوں نے پرورش کے لئے مصیبتیں جھیلیں اور تکلیفیں اٹھائیں، اسی کو فرمایا:

﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾

تَرجَمَۃ: "کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کر۔"

جس طرح اللہ جل شانہ کا شکر صرف زبان سے شکر کے کلمات نکالنے سے ادا نہیں ہوجاتا، بلکہ پوری زندگی میں ظاہر و باطن سے احکام کی تعمیل کا نام شکر ہے۔ اسی طرح ماں باپ کی شکر گذاری ان کے حق میں اچھے بول بول دینے سے اور ان کی تعریف کر دینے سے اور ان کی تکلیفوں کا اقرار کر لینے سے ادا نہیں ہوتی، بلکہ ماں باپ کی فرماں برداری اور جان و مال سے ان کی خدمت گذاری اور ان کی نافرمانی سے بچنے سے ان کی شکر گذاری ہوتی ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کس طرح کیا جائے؟

انھوں نے فرمایا کہ: "تو ان پر اپنا مال خرچ کر اور تجھے جو حکم دیں اس کی تعمیل کر، ہاں اگر گناہ کا حکم دیں تو اس کو مت مان۔[1]"

---

[1] در منثور ۵/۲۵۹، سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۲۳

ماں باپ کی شکر گذاری کا حکم دے کر ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کیسے ہی محسن سہی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر نہیں ہیں، اگر ماں باپ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنانے کا حکم دیں اور نہ صرف معمولی حکم دیں بلکہ اس پر زور ڈالیں تب بھی اس بارے میں ان کی اطاعت اور فرماں برداری مت کرنا، سورۂ لقمان میں اس امر کو واضح فرمایا، پھر سورۂ عنکبوت میں بھی اس کو دُہرایا۔

اگر ماں باپ کفر و شرک کے لئے نہ کہیں بلکہ اللہ جل شانہ کی کسی اور نافرمانی کا حکم دیں، مثلاً فرض نماز، روزہ سے یا فرض حج کے ادا کرنے سے روکیں، یا شادی میں باجے گاجے لانے کا حکم دیں، یا حرام کمانے کے لئے کہیں، تو ان کا حکم ماننے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ.﴾[1]

ترجمہ: ''یعنی کسی مخلوق کی کوئی فرماں برداری پیدا کرنے والے کی نافرمانی میں نہیں ہے۔''

ماں باپ ہوں یا پیر و مرشد، استاد ہو یا کسی بھی درجہ کا کوئی حاکم ہو، ان کی فرماں برداری صرف اسی صورت میں ہے جس صورت میں خالقِ کائنات جلّ مَجْدُهٗ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو، کسی بھی مخلوق کا وہ حکم ماننا جس کے ماننے میں اللہ جل شانہ کی نافرمانی ہوتی ہو کسی حال میں درست نہیں ہے۔

سورۂ لقمان میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾

ترجمہ: ''یعنی دنیا میں ماں باپ کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا۔''

مطلب یہ ہے کہ ماں باپ صحیح راستہ پر نہ ہوں، کافر ہوں یا فاسق ہوں، اور تجھ کو بھی اپنے راستہ پر ڈالنا چاہتے ہوں تو ان کی فرماں برداری اور موافقت تو نہ کرنا،

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب الامارۃ والقضاء: ص۳۲۱

لیکن ان سے قطع تعلق بھی نہ کرنا، بلکہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہنا، ان کی خدمت کرتے رہنا، اور خدمت میں فرق نہ آنے دینا، آخرت میں ہر ایک اپنے عمل اور عقیدہ کا پھل پالے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی اور خدمت گذاری میں کوتاہی نہ کرے اگرچہ ماں باپ مشرک ہوں، البتہ ان کی غلط راہ اور باطل مذہب اُن کے کہنے سے یا کہے بغیر اختیار نہ کرے۔

۴ ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں، جن میں سے کسی شخص کو کوئی گنجائش نہیں۔

١ والدین کے ساتھ احسان کرنا، چاہے والدین مسلمان ہوں یا کافر۔

٢ جس سے عہد کرلیا جائے اس کو پورا کرنا چاہیے، مسلمان سے عہد کیا ہو یا کافر سے۔

٣ امانت کو واپس کرنا، چاہے مسلمان کی ہو یا کافر کی۔[1]

---

[1] جامع الصغیر

والدین کی اطاعت ونافرمانی کے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضا میں ہے

حدیث نمبر ①: ﴿وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رِضَى اللّٰهِ فِيْ رِضَى الْوَالِدَيْنِ وَسَخَطُ اللّٰهِ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدَيْنِ.﴾[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے، اور اللہ کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے۔"

فائدہ: یعنی ماں باپ کو راضی رکھا تو اللہ پاک بھی راضی ہے اور ماں باپ کو ناراض کیا تو اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوگا، کیونکہ اللہ جل شانہ نے ماں باپ کو راضی رکھنے کا حکم فرمایا ہے، جب ماں باپ کو ناراض رکھا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہوئی جو اللہ جل شانہ کی ناراضگی کا باعث ہوئی۔

﴿وَعَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَا مُوْسٰى وَقِّرْ وَالِدَيْكَ، فَإِنَّهُ مَنْ وَقَّرَ وَالِدَيْهِ مَدَدْتُ فِيْ عُمْرِهٖ، وَ

[1] مشکوٰۃ، باب البر والصلۃ: ص۴۱۹

وَهَبْتُ لَهُ وَلَدًا يَبَرُّهُ، وَمَنْ عَقَّ وَالِدَيْهِ قَصَّرْتُ عُمْرَهُ، وَ وَهَبْتُ لَهُ وَلَدًا يَعُقُّهُ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ اپنے والدین کی عزت کرو، بیشک جو اپنے والدین کی عزت کرتا ہے۔ (۱) میں اس کی عمر بڑھا دیتا ہوں۔ (۲) اور اس کو ایسا بیٹا عطا کرتا ہوں جو اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے۔

اور جو اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے، میں اس کی عمر گھٹا دیتا ہوں، اور اس کو ایسا بیٹا دیتا ہوں جو اس کی نافرمانی کرتا ہے۔“

واضح رہے کہ یہ اُسی صورت میں ہے جبکہ ماں باپ کسی ایسے امر کے نہ کرنے سے ناراض ہوں جو خلافِ شرع نہ ہو، اگر خلاف شرع کسی کام کا حکم دیں تو ان کی فرماں برداری جائز نہیں ہے، اگر اس پر وہ ناراض ہو جائیں تو ناراض ہونے کی پرواہ نہ کرے، کیونکہ اُن کی ناراضگی سے اللہ جل شانہ ناراض نہ ہوں گے بلکہ راضی ہوں گے، خوب سمجھ لیں۔[2]

ہاں ان کی بے ادبی نہ کرے، خود اپنے دین پر پکا رہے، اُن کے ساتھ گناہوں میں شریک نہ ہوں، اُن سے خود بحث مباحثہ کرنے کے بجائے والد صاحب کے دوستوں کے ذریعہ اور خالہ کے ذریعہ والدہ صاحبہ کو سمجھائیں۔

والدین جنت یا جہنم کا ذریعہ ہیں

حَدِیْثُ نَمْبَر (۲): ﴿عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ إِنَّ رَجُلًا قَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! مَا حَقُّ الْوَالِدَيْنِ عَلٰى وَلَدِهِمَا؟ قَالَ:

---

[1] نزهة الناظرين: ص١٨٦، نقلاً بر الوالدين: ص٢٤

[2] حقوق الوالدین: صفحہ۱۴

هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ.﴾[1]

تَرْجَمَۃ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) والدین کا ان کی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دونوں تیری جنت یا تیری جہنم ہیں۔"

فَائِدَة: مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کرتے رہو، زندگی بھر ان کے آرام و راحت کا دھیان رکھو، جان و مال سے ان کی فرمانبرداری میں لگے رہو، تمہارا یہ عمل جنت میں جانے کا سبب بنے گا اور اگر تم نے ان کی نافرمانی کی، ان کو ستایا، دُکھ دیا، تو تمہارے لئے وہ دوزخ کے داخلہ کا سبب بنیں گے۔[2]

والدین اولاد کے لئے جنت یا جہنم کے دروازے ہیں

حَدِیْث نمبر ③: ﴿وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ اَصْبَحَ مُطِيْعًا لِلّٰهِ فِيْ وَالِدَيْهِ اَصْبَحَ لَهٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ الْجَنَّةِ وَ إِنْ كَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدٌ، وَمَنْ اَصْبَحَ عَاصِيًا لِلّٰهِ فِيْ وَالِدَيْهِ اَصْبَحَ لَهٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ النَّارِ إِنْ كَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدٌ، قَالَ رَجُلٌ وَ إِنْ ظَلَمَاهُ، قَالَ: وَإِنْ ظَلَمَاهُ وَإِنْ ظَلَمَاهُ وَإِنْ ظَلَمَاهُ.﴾[3]

تَرْجَمَۃ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اس حال

---

[1] ابن ماجه، ابواب الأدب، باب برّ الوالدين: ص۲۶۹

[2] حقوق الوالدین: صفحہ۴۰

[3] مشکوٰۃ، باب البر والصلة: ص۴۲۱

میں صبح کی کہ وہ اپنے والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہے (یعنی حکمِ شریعت کے مطابق ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے) تو اس کی اس حال میں صبح ہوئی کہ اس کے لئے جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں، اور اگر ماں باپ میں سے ایک موجود ہو، اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے صبح کی ہو تو اس کی اس حال میں صبح ہوتی ہے کہ اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے، اور جس شخص کی اس حال میں صبح ہوئی کہ وہ اپنے والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے (یعنی ماں باپ کے حقوقِ واجبہ کی ادائیگی نہیں کرتا) تو اس کے لئے اس حال میں صبح ہوئی کہ اس کے لئے دوزخ کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں، اور اگر ماں باپ میں سے ایک موجود ہو، اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے صبح کی ہو تو اس کی اس حال میں صبح ہوتی ہے کہ اس کے لئے دوزخ کا ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے، ایک شخص نے سوال کیا اگرچہ ماں باپ نے اس پر ظلم کیا ہو (تب بھی یہی حکم ہے) اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (تین بار فرمایا) اگرچہ ماں باپ نے اس پر ظلم کیا ہو، اگرچہ ماں باپ نے اس پر ظلم کیا ہو، اگرچہ ماں باپ نے اس پر ظلم کیا ہو۔“

فائدہ: اس حدیث پاک میں ماں باپ کی خدمت اور فرماں برداری اور حسنِ سلوک کی فضیلت پوری اہمیت کے ساتھ بتائی ہے، اور ماں باپ کے ستانے اور اُن کی نافرمانی کا وبال خوب واضح کر کے بیان فرمایا ہے، یہ جو آخر میں فرمایا کہ ماں باپ اگرچہ ظلم کریں تب بھی ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی کی وجہ سے دوزخ کے دروازے کھلے رہیں گے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ماں باپ کو ظلم کرنے کی اجازت

دیدی، ماں باپ ظلم کریں گے تو ظلم کا وبال ان پر پڑے گا اور ان سے اس کا مواخذہ ہوگا۔

اولاد کو چاہیئے کہ وہ یہ دیکھے کہ میری ذمہ داری کیا ہے، اگر ماں باپ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے تو وہ جانیں، درحقیقت اجتماعی زندگی گزارنے کے لئے یہ بہت بڑی وصیت ہے، اور بہت کام کی نصیحت ہے کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی فکر کرے، یہ نہ دیکھے کہ دوسرے نے میرے ساتھ کیا کیا ہے، اگر ہر فریق اور ہر چھوٹا بڑا اس پر عمل کرلے تو ان شاء اللہ تعالیٰ سب کی زندگی آرام سے گزرے گی۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔[1]

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا درجہ

حدیث نمبر ④: ﴿عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْاَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا" قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: بِرُّ الْوَالِدَيْنِ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنِيْ بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّهٗ لَزَادَنِيْ.﴾[2]

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب کاموں میں اللہ جلّ شانہ کو کون سا کام زیادہ پیارا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بر وقت نماز پڑھنا، (جو اس کا وقت مستحب ہے) میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ

---

[1] حقوق الوالدین: صفحہ ٦٧

[2] بخاری، كتاب الأدب، باب قوله ووصينا الانسان: ٨٨٢/٢

محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، میں عرض کیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، (سوال وجواب نقل کرکے) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (میرے سوالات کے جوابات میں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ باتیں بیان فرمائیں، اور اگر میں اور زیادہ دریافت کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر جواب دیتے رہتے۔"

فائدہ: اس حدیثِ پاک میں یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل بروقت نماز پڑھنا ہے، اور اس کے بعد سب سے زیادہ محبوب عمل یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرے، پھر تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ کو فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

بِرّ: احادیث شریفہ میں ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے کو "بِرّ" سے اور برے برتاؤ کو "عُقُوق" سے تعبیر فرمایا ہے، اور دونوں لفظ والدین کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں سے تعلق رکھنے کے بارے میں بھی وارد ہوئے ہیں، "بِر" حسنِ سلوک کو اور "عُقُوق" بدسلوکی اور ایذا رسانی کے لئے بولا جاتا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ "مرقاۃ" شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں "بِر" احسان (یعنی اچھی طرح سے پیش آنے) کو کہتے ہیں، جو والدین اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ برتاؤ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور اس کی ضد عُقُوق ہے، والدین اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ بُری طرح پیش آنے اور اُن کے حقوق ضائع کرنے کو عقوق کہا جاتا ہے۔[1]

---

[1] مرقاۃ ۹/۱۸۹

بر اور عقوق کے علاوہ دو لفظ اور ہیں، اوّل، صِلَةُ الرَّحْمِ اور دوسرا قَطِیْعَةُ الرَّحْمِ صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ نسب اور سُسرالی رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے، اُن کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ ہو، اور اُن کے احوال کی رعایت ہو اور قطع رحمی اس کی ضد ہے، جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے وہ اس تعلق کو جوڑتا ہے، جو اس کے اور رشتہ داروں کے درمیان ہے (اس لئے اس کے واسطے لفظ صلہ استعمال کیا گیا، جو وصل سے لیا گیا ہے) اور جو شخص بدسلوکی کرتا ہے وہ اس تعلق کو کاٹ دیتا ہے جو اس کے اور رشتہ داروں کے درمیان ہے، اس لئے اس کو قطع رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[1]

مرحوم والدین کی مغفرت کے لئے دعا کا شمار بھی حسن سلوک میں ہوتا ہے کیونکہ اولاد کی ہر طرح کی عبادت کا اجر والدین کو پہنچ جاتا ہے۔

مثلاً اولاد والدین کی طرف سے حج وعمرہ ادا کرے یا مالی عبادت جیسے کہ غریبوں اور ضرورت مندوں کو یا مساجد، دینی مدارس یا دیگر فلاحی اداروں کو مالی امداد دے کر حاصل کرے۔ ایسی صورت میں ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے ان نیک اعمال کا ثواب ملے گا۔

مختصراً یہ کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی تعظیم وتکریم سے متعلق اللہ جل شانہ کے بڑے سخت احکامات ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سلسلہ میں بار بار تاکید فرمائی ہے۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

﴿لَو أَدْرَكْتُ وَالِدَيَّ أَو أَحَدَهُمَا وَقَدِ افْتَتَحْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَقَرَأْتُ الْفَاتِحَةَ فَدَعَتْنِي أُمِّي: يَامُحَمَّدُ! لَأَجَبْتُهُمَا﴾[2]

---

[1] حقوق الوالدین: ص۳٦ [2] کنز العمال، ١٩٦/١٦ رقم الحدیث: ٤٥٤٩٢

ترجمہ: ''اگر میں اپنے والدین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو اس حال میں پاؤں کہ میں نے عشاء کی نماز شروع کر رکھی ہو اور سورۂ فاتحہ بھی پڑھ چکا ہوں، پھر جب وہ مجھے پکاریں اے محمد! تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔''

ان احکامات کی پابندی ہر مسلمان پر ضروری ہے جو لوگ اپنے والدین کی فرماں برداری نہیں کرتے اور ان کے ساتھ نازیبا اور غیر اسلامی سلوک کرتے ہیں وہ اللہ جل جلالہ کے احکامات کی حکم عدولی کر رہے ہیں اور گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہو رہے ہیں، اور ایسا عمل کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ایسے لوگ یہ بھی بھولے ہوئے ہیں کہ کل وہ بھی والدین کے درجہ میں آئیں گے اور اُن ہی حقوق کے طالب ہوں گے جو وہ خود آج ادا نہیں کر رہے ہیں۔ غور کریں کہ اگر اُن کی اولاد ان کے ساتھ ان جیسا ہی سلوک کرے تو اُن کی کیا کیفیت ہوگی۔

ربّ کریم سے پرخلوص دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنے والدین کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن سلوک کرنے اور ان کو خوش رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کو آخرت میں ذریعہ نجات بنائے۔ (آمین)

حسنِ سلوک میں والدہ کو مقدم رکھا جائے

حدیث نمبر ⑤: ﴿وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ. قَالَ: "أُمُّكَ" قَالَ: ثُمَّ مَنْ. قَالَ: "أُمُّكَ" قَالَ ثُمَّ مَنْ. قَالَ: "أُمُّكَ" قَالَ: ثُمَّ مَنْ. قَالَ: أَبُوكَ. وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ: أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ.﴾ [1]

---

[1] مسلم، کتاب البر و الصلة، باب بر الوالدین و انهما احق به: ۳۱۲/۲

تَرجَمَہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ (رشتہ داروں میں) میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ اس کے جواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری والدہ حسنِ سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہیں، سائل نے پوچھا پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری والدہ، اس نے دریافت کیا پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری والدہ، سوال کرنے والے نے عرض کیا، پھر کون؟ فرمایا تمہارے والد۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ کے بارے میں تین بار فرمایا کہ تیرے حسنِ سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہے، پھر باپ کا ذکر فرمایا کہ وہ ماں کے بعد حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق ہے، پھر فرمایا کہ باپ کے بعد رشتہ داروں میں سب سے زیادہ جو قریب تر ہو اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، اور اس قریب تر رشتہ والے کے بعد جو رشتہ میں سب سے زیادہ قریب تر ہو، اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔''

فَائِدَہ: اس حدیث پاک میں حسنِ سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ماں کو بتایا ہے، کیونکہ وہ حمل اور وضع حمل اور پرورش کرنے اور بچہ کی خدمت میں لگی رہتی ہے۔ سب سے زیادہ مشقت برداشت کرتی ہے، اور ضعیف ہونے کی وجہ سے بھی حسنِ سلوک کی زیادہ مستحق ہے، کیونکہ اپنی حاجتوں کے لئے وہ کسبِ معاش نہیں کرسکتی، باپ تو باہر نکل کر کچھ نہ کچھ کر بھی سکتا ہے لہٰذا حسنِ سلوک میں ماں کا حق باپ سے مقدم رکھا گیا، ماں کے بعد باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا درجہ بتایا اور باپ کے بعد باقی رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا، اور اس میں رشتہ داری کی

حیثیت کو معیار بنایا کہ جس سے رشتہ داری جس قدر قریب تر ہو اس کے ساتھ حسنِ سلوک کا اسی قدر اہتمام کیا جائے۔[1]

خداش بن سلامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بس میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں (چوتھی مرتبہ فرمایا): میں آدمی کو اس کے والد کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔[2]

فضائلِ صدقات میں ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ حسنِ سلوک اور احسان میں ماں کا حق تین حصّہ ہے اور باپ کا ایک حصّہ، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ماں کو بتا کر چوتھی مرتبہ باپ کو بتایا، اس کی وجہ علماء یہ بتاتے ہیں کہ اولاد کے لئے ماں تین مشقتیں برداشت کرتی ہے، حمل کی، جننے کی، دودھ پلانے کی۔

اسی وجہ سے علماء نے تصریح کی ہے کہ احسان اور سلوک میں ماں کا حق باپ پر مقدم ہے، اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ اپنی ناداری کی وجہ سے دونوں کے ساتھ سلوک نہیں کر سکتا تو ماں کے ساتھ سلوک کرنا مقدم ہے، البتہ اعزاز اور ادب و تعظیم میں باپ کا حق ماں پر مقدم ہے۔[3]

امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مکحول رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں:

"اِذَا دَعَتْكَ وَالِدَتُكَ وَ اَنْتَ فِي الصَّلَاةِ فَأَجِبْهَا وَ اِنْ دَعَاكَ أَبُوْكَ فَلَا تُجِبْهُ حَتّٰى تَفْرُغَ"[4]

---

[1] حقوق الوالدین: صفحہ ۳۹
[2] كنز العمال، ج١٦: رقم:٤٥٤٣٨
[3] مظاہر حق: جلد ۴ صفحہ ۵۰۸
[4] بر الوالدين لابن الجوزي: ص ٤٣

ترجمہ: ''جب تمہارے والد تمہیں بلائیں اور تم نماز میں ہو تو نماز فوراً مکمل کر کے ان کو جواب دو، لیکن والدہ محترمہ بلائیں تو نماز توڑ کر فوراً ان کو جواب دو (شاید اس وقت ان کو شدید مدد کی ضرورت ہو، اور والد تو مرد ہوتے ہیں باہر بھی کسی کو مدد کے لئے بلا سکتے ہیں آواز بھی زور سے دے سکتے ہیں، الّا یہ کہ والد معذور ہوں)۔''

حدیث نمبر ⑥: ﴿عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَتْ: قَدِمَتْ أُمِّيْ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِيْ عَهْدِ قُرَيْشٍ وَمُدَّتِهِمْ إِذْ عَاهَدُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَبِيْهَا، فَاسْتَفْتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقُلْتُ: إِنَّ أُمِّيْ قَدِمَتْ وَهِيَ رَاغِبَةٌ قَالَ: "نَعَمْ صِلِيْ أُمَّكِ﴾[1]

ترجمہ: ''حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش سے معاہدہ ہو رہا تھا، اس وقت میری کافر والدہ (مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ) اپنے والد کے ساتھ آئیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری والدہ (میری مدد کی) طالب بن کر آئی ہیں، ان کی مدد کر دوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، ان کی مدد کر دو۔''

فائدہ: ابتدا زمانہ میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر جس قدر مظالم ہوئے وہ بیان سے باہر ہیں۔ تواریخ کی کتب ان سے پُر ہیں۔ حتی کہ مسلمانوں کو مجبور ہو کر مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بھی مشرکین کی طرف سے ہر طریقہ سے بُرائی اور ایذا رسانی کا سلسلہ رہا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ محض عمرہ کرنے کی نیت سے مکہ مکرمہ تشریف

[1] بخاری: ۲/۸۸٤، باب صلة المرأة أمها

لائے تو کافروں نے مکہ میں داخل بھی نہ ہونے دیا، باہر ہی سے واپس ہونا پڑا۔ لیکن اس وقت آپس میں ایک معاہدہ چند سال کے لئے ہوگیا تھا جس میں چند سال کے لئے کچھ شرائط پر آپس میں لڑائی نہ ہونے کا فیصلہ ہوا تھا۔ مشہور قصہ ہے۔

اسی معاہدہ کی طرف حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا کہ جس زمانہ میں قریش سے معاہدہ ہو رہا تھا، اس معاہدہ کے زمانہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بیوی جو حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ تھیں اور مسلمان نہیں ہوئی تھیں، اپنی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کچھ اعانت کی خواہش لے کر گئیں۔ چونکہ وہ مشرکہ تھیں، اس لئے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اشکال پیش آیا کہ ان کی اعانت کی جائے یا نہیں؟ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعانت کا حکم فرمایا۔

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ کافر رشتہ داروں کی صلہ رحمی بھی مال سے ضروری ہے، جیسا کہ مسلمان رشتہ داروں کی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی قصہ میں قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾[۱]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے انہوں نے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔“

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

[۱] سورۂ ممتحنہ، آیت: ۸

"مراد وہ کافر ہیں جو ذمی یا مصالح ہوں۔ یعنی محسنانہ برتاؤ ان سے جائز ہے، اور اسی کو منصفانہ برتاؤ فرما دیا۔ پس انصاف سے مراد خاص انصاف ہے یعنی خاص ان کی ذمیت یا مصالحت کے اعتبار سے انصاف مقتضیٰ اس کو ہے کہ ان کے ساتھ احسان سے بھی دریغ نہ کیا جائے، ورنہ مطلق انصاف تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے۔[1]"

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ والدہ جن کا نام قیلہ یا قتیلہ بنت عبد العزیٰ ہے، چونکہ مسلمان نہ ہوئی تھیں اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ کچھ گھی پنیر وغیرہ ہدیہ کے طور پر لے کر اپنی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئیں۔ انہوں نے ان کو اپنے گھر میں داخل نہ ہونے دیا اور اپنی علاتی (سوتیلی) ہمشیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آدمی بھیجا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے اطلاع دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرما دی یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی۔[2]

والدین کے ادب کی چند صورتیں

حدیث نمبر ⑦: ﴿وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: أَتٰى رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَعَهُ شَيْخٌ فَقَالَ: مَنْ هٰذَا مَعَكَ قَالَ أَبِيْ، قَالَ: لَا تَمْشِيَنَّ أَمَامَهُ وَلَا تَقْعُدْ قَبْلَهُ وَلَا تَدْعُهُ بِاسْمِهِ وَلَا تَسْتَبَّ لَهُ.﴾[3]

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک

---

[1] بیان القرآن

[2] درمنثور: ۱۳۰/۸، سورۂ ممتحنہ، آیت: ۲۴

[3] درمنثور: ۲۵۹/۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۲۳

شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے ساتھ ایک بڑے میاں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تیرے ساتھ یہ کون ہیں؟ عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں، فرمایا کہ (باپ کے اکرام واحترام کا خیال رکھ) ہرگز اُن کے آگے مت چلنا، اور ان سے پہلے مت بیٹھنا، اور ان کا نام لے کر مت بلانا، اور ان کی وجہ سے (کسی کو) گالی مت دینا۔‘‘

فَائِدَۃ: ماں باپ کا احترام واکرام دل سے بھی کرے اور زبان سے بھی، عمل سے بھی اور برتاؤ سے بھی، اس حدیث پاک میں اکرام واحترام کی چند جزئیات ارشاد فرمائی ہیں:

اوّل تو یہ فرمایا کہ باپ کے آگے مت چلنا۔

دوسرے یہ فرمایا کہ جب کسی جگہ بیٹھنا ہوتو باپ سے پہلے مت بیٹھنا۔

تیسرے یہ فرمایا کہ باپ کا نام لے کر مت پکارنا۔

چوتھے یہ کہ باپ کی وجہ سے کسی کو گالی مت دینا، مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے باپ کو کوئی ناگوار بات کہہ دے، تو اس کو یا اُس کے باپ کو گالی مت دینا، کیونکہ اُس کے جواب میں وہ پھر تمہارے باپ کو گالی دے گا، اور اس طرح سے تم اپنے باپ کو گالی دلانے کا سبب بن جاؤ گے۔

واضح رہے کہ یہ نصیحتیں باپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں والدہ کے حق میں بھی ان کا خیال رکھنا لازم ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ باپ کے آگے مت چلنا، اس سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جس میں باپ کی خدمت کی وجہ سے آگے چلنا پڑے، مثلاً راستہ دکھانا ہو یا اور کوئی ضرورت درپیش ہو[1]

---

[1] حقوق الوالدین: صفحہ ۵۰

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک رزق وعمر بڑھنے کا ذریعہ ہے

حدیث نمبر ⑧: ﴿وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَمُدَّ اللّٰهُ فِيْ عُمُرِهٖ وَيَزِيْدَ فِيْ رِزْقِهٖ فَلْيَبَرَّ وَالِدَيْهِ وَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ.﴾[1]

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے اور اس کا رزق بڑھائے، اس کو چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرے، اور (رشتہ داروں) کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔“

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے سے اور اُن کی خدمت میں لگے رہنے سے عمر دراز ہوتی ہے، اور رزق بڑھتا ہے، بلکہ ماں باپ کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے بھی دراز عمر اور وسیع رزق نصیب ہوتا ہے۔[2]

حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”دُعَاءُ الْوَالِدَيْنِ يُنْبِتُ الْمَالَ وَالْوَلَدَ.“[3]

ترجمہ: ”والدین کی دعا سے مال اور اولاد میں زیادتی ہوتی ہے۔“

---

[1] درمنثور: ۱۷۳/٤

[2] حقوق الوالدین: صفحہ ۵۱

[3] بر الوالدین: ص٦٤

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے سے اولاد آپ سے حسنِ سلوک کرے گی

حَدِیْث نمبر ⑨: ﴿وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَسَلَّمَ: عِفُّوْا عَنْ نِسَآءِ النَّاسِ تَعِفَّ نِسَاءُ كُمْ وَبَرُّوْا آبَاءَ كُمْ تَبَرُّكُمْ أَبْنَاءُ كُمْ وَمَنْ أَتَاهُ أَخُوْهُ مُتَنَصِّلًا فَلْيَقْبَلْ ذٰلِكَ مِنْهُ مُحِقًّا كَانَ اَوْمُبْطِلًا فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلْ لَمْ يَرِدْ عَلَيَّ الْحَوْضَ.﴾[1]

تَرْجَمَہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دوسروں کی عورتوں سے پرہیز کرکے پاک دامن رہو، ایسا کرنے سے تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں گی، اور اپنے باپوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، ایسا کرنے سے تمہارے بیٹے تمہارے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کریں گے۔ اور جس شخص کے پاس اس کا مسلمان بھائی معذرت خواہی کے لئے آئے تو اس کی معذرت قبول کرے خواہ وہ حق پر ہو یا ناحق، اگر ایسا نہ کیا (یعنی معذرت قبول نہ کی) تو میرے حوض (کوثر) پر نہ آئے گا۔"

فَائِدَہ: اس حدیث پاک میں تین اہم باتیں ارشاد فرمائیں:

پہلی: یہ کہ اگر تم پاک دامن رہو گے اور دوسروں کی عورتوں کی طرف نفس اور نظر کو متوجہ نہ کرو گے، تو چونکہ تم نے دوسروں کی عورتوں سے اپنی حفاظت کی، اس لئے اللہ جل شانہٗ کی جانب سے اس کا یہ انعام ملے گا کہ تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں گی، ان کی طرف نفسانی ہوس رکھنے والے متوجہ نہ ہوں گے، اور نہ وہ شوہروں کے

[1] مستدرك حاكم، كتاب البرّ والصّلة: ۲/۲۱۳

علاوہ کسی پر نظر ڈالیں گی۔

دوسری: بات یہ بتائی کہ اگر تم اپنے باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرو گے تو تمہاری اولاد تمہارے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے گی، ظاہری سبب کے اعتبار سے تو یہ بات بالکل واضح ہے، کیونکہ جب تم کو اولاد دیکھے گی کہ ماں باپ کے ساتھ اکرام و احترام کے ساتھ پیش آتے ہو اور جان و مال کے ساتھ خدمت کرتے ہو تو تمہارے عمل سے بچے بھی سبق سیکھیں گے، اور سمجھیں گے کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک ہمارے معاشرے کا جزو ہے، ہم کو بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ یہی کرنا چاہیے جیسے ہمارے ماں باپ نے اپنے والدین کے ساتھ کیا ہے۔

اور باطنی طور پر اس کو اس طرح سمجھ لو کہ یہ "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے" کے مطابق ہے، جب تم نے اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، تو اس صلہ میں اللہ جل شانہ تمہاری اولاد کو تمہاری خدمت کی طرف متوجہ فرمائے گا، اور اولاد کے قلوب میں تمہاری عزت و وقعت ڈال دے گا۔

نیز اس کے ساتھ اس کا برعکس بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اگر تم نے ماں باپ کے ساتھ بُرا سلوک کیا تو تمہاری اولاد تم سے یہی سیکھے گی، اور جب اس کا نمبر آئے گا تو تمہارے ساتھ وہی سلوک کرے گی جو تم نے اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا تھا۔

تیسری: بات یہ بتائی کہ جب کسی مسلمان سے کوئی ناراضگی کی بات ہو جائے اور اس کے بعد وہ معافی مانگنے لگے اور عذر خواہی کرے، تو اس کی معذرت قبول کر کے دل صاف کر لو، یہ نہ دیکھو کہ غلطی کس کی تھی؟

وہ غلطی پر تھا یا تم غلطی پر تھے، اُس کو جانے دو، جب معافی مانگنے لگا تو معاف کر دو، بلکہ اگر تمہاری غلطی تھی تو تم بھی معافی مانگ لو، اور اس کی کوئی حق تلفی کر چکے ہو تو اس کی تلافی کر دو۔[1]

---

[1] حقوق الوالدین: صفحہ ۴۵

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

﴿مَنِ اعْتَذَرَ إِلٰی أَخِیْهِ فَلَمْ یَعْذُرْهُ، أَوْ لَمْ یَقْبَلْ عُذْرَهٗ. کَانَ عَلَیْهِ مِثْلُ خَطِیْئَةِ صَاحِبِ مَکْسٍ.﴾[۱]

تَرْجَمَہ: ”جس نے اپنے بھائی کے سامنے عذر خواہی کی پھر اس نے عذر قبول نہ کیا تو اس کو ایسا (بڑا) گناہ ہوگا جیسا کہ ظلماً ٹیکس وصول کرنے والے کو ہوتا ہے۔“

والدین کو نظرِ رحمت سے دیکھنا مقبول حج کے برابر ہے

حَدِیْث نمبر ⑩: ﴿وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ یَنْظُرُ اِلٰی وَالِدَیْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ اِلَّا کَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِکُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُوْرَةً قَالُوْا: وَ اِنْ نَظَرَ کُلَّ یَوْمٍ مِأَةَ مَرَّةٍ قَالَ: اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَاَطْیَبُ.﴾[۲]

تَرْجَمَہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کرنے والی اولاد جب بھی رحمت کی نظر سے ماں باپ کو دیکھے تو ہر نظر کے عوض اللہ جل شانہ اس کے لئے مقبول حج کا ثواب لکھ دیتے ہیں، حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، اگر چہ روزانہ سو مرتبہ نظر کرے (تب بھی یہی بات ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے (جو کسی کو دینا چاہے دے سکتا ہے،

---

[۱] مشکوٰة، باب ما ینهی عنه من التهاجر: ص۴۲۹

[۲] مشکوٰة، باب البرّ والصّلة: ص۴۲۱

اُسے کوئی روکنے والا نہیں) اور وہ بہت زیادہ پاک ہے (اس کی طرف نقصان اور کمی کی نسبت کسی طرح درست نہیں)۔"

فَائِدَہ: تفسیر درمنثور میں بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ جب اولاد اپنے باپ کی طرف نظر ڈالے جس سے وہ خوش ہو تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا، عرض کیا گیا کہ اگرچہ ۳۶۰ مرتبہ دیکھے؟ فرمایا اللہ (اس سے) بہت بڑا ہے (کہ اس کی طرف کسی طرح کے نقصان یا عیب کی نسبت کی جائے، یعنی وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہر نظر پر اس کو اتنا بڑا ثواب عنایت فرمادینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ والد کی طرف دیکھنا عبادت ہے، کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے، قرآن کی طرف دیکھنا عبادت ہے، جس بھائی سے اللہ کے لئے محبت ہو اس پر نظر ڈالنا عبادت ہے۔[1]

والدین کے سامنے ہنسنے اور ان کو ہنسانے کی فضیلت

حَدِیْث نمبر ⑪: ﴿وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَنَوْمُكَ عَلَى السَّرِيْرِ بَيْنَ وَالِدَيْكَ تُضْحِكُهُمَا وَ يُضْحِكَانِكَ أَفْضَلُ مِنْ جِهَادِكَ بِالسَّيْفِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.﴾[2]

تَرْجَمَہ: "حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ والدین کے درمیان تیرا تخت پر سو جانا اس طرح کہ تو اُن کو ہنساتا ہو اور وہ تجھے ہنساتے ہوں اس کام

---

[1] درمنثور: ٤/١٧٣

[2] درمنثور: ص٢٦٣، سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ٢٤

سے افضل ہے کہ تو فی سبیل اللہ تلوار سے جہاد کرے۔"

فائدہ: ماں باپ کی نظروں کے سامنے خوش وخرم رہنا اور ان کو خوش وخرم رکھنا، ان کے سامنے مسکرانا، ہنسنا اور ان سے ایسی باتیں کرنا جن سے ان کا دل خوش ہو اور ہنسی مسکراہٹ آجائے یہ سب ثواب ہے اور یہ بھی ایک طرح کی خدمت ہے، اور جہاد سے افضل ہے، مفت میں اتنا بڑا ثواب لینے والے کہاں ہیں؟[۱]

والدین کی خدمت نفلی حج اور عمرہ کے برابر ہے

حدیث نمبر ⑫: ﴿وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ أَتٰی رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اِنِّی أَشْتَهِی الْجِهَادَ وَلَا أَقْدِرُ عَلَیْهِ فَقَالَ: هَلْ بَقِیَ أَحَدٌ مِّنْ وَالِدَیْكَ قَالَ: أُمِّیْ قَالَ: فَاتَّقِ اللّٰهَ فِیْهَا فَاِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَأَنْتَ حَاجٌّ وَ مُعْتَمِرٌ وَمُجَاهِدٌ فَإِذَا دَعَتْكَ أُمُّكَ فَاتَّقِ اللّٰهَ وَبِرَّهَا.﴾[۲]

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اور اس پر قادر نہیں (ممکن ہے کہ یہ صاحب بہت کمزور ہوں یا بعض اعضاء صحیح سالم نہ ہوں جس کی وجہ سے یہ کہا کہ جہاد پر قادر نہیں) ان کی بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کہ کیا تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟

عرض کیا والدہ زندہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس تو اپنی والدہ (کی خدمت اور فرماں برداری) کے بارے میں اللہ تعالیٰ

---

[۱] حقوق الوالدین: صفحہ ۵۷

[۲] مجمع الزوائد: ۸/۱۳۸

سے ڈر، جب تو اس پر عمل کرے گا تو تو حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا اور جہاد کرنے والا ہوگا، پس جب تیری ماں تجھے بلائے تو (اس کی فرماں برداری کے بارے میں) اللہ سے ڈرنا (یعنی نافرمانی مت کرنا) اور والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کرنا۔"[1]

فَائِدَۃ: اس حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے، کہ والدہ تم کو بلائے تو اس کی اطاعت کرو، عام حالات میں جب بھی ماں باپ بلائیں اُن کے پکارنے پر حاضرِ خدمت ہو جائے اور جو خدمت بتائے انجام دیدے، اگر نماز میں مشغول ہو اور اس وقت والدین میں سے کوئی آواز دے تو اس کے بارے میں یہ تفصیل ہے:

"وَالحَاصِلُ اَنّ الْمُصَلِّیَ مَتٰی سَمِعَ اَحَدًا یَسْتَغِیْثُ وَاِنْ لَمْ یَقْصُدْهُ بِالنِّدَاءِ، اَوْكَانَ أَجْنَبِیًّا وَ اِنْ لَمْ یَعْلَمْ مَاحَلَّ بِهٖ أَوْ عَلِمَ وَ كَانَ لَهٗ قُدْرَةٌ عَلٰی اِغَاثَتِهٖ وَ تَخْلِیْصِهٖ وَجَبَ عَلَیْهِ اِغَاثَتُهٗ وَقَطْعُ الصَّلَاةِ فَرْضًا كَانَتْ أَوْغَیْرَهٗ."[2]

ماں باپ اگر کسی مصیبت کی وجہ سے پکاریں، مثلاً قضائے حاجت وغیرہ کی ضرورت سے آتے جاتے پاؤں پھسل جائے، اگر دونوں میں سے کوئی گر گیا، یا گر جانے کا اندیشہ ہے، اور کوئی دوسرا اٹھانے والا اور سنبھالنے والا نہیں ہے تو اُن کو اُٹھانے اور سنبھالنے کے لئے فرض نماز کا توڑ دینا واجب ہے، اور اگر انھوں نے کسی ایسی ضرورت کے لئے نہیں پکارا جس کا اوپر ذکر ہوا بلکہ یونہی پکار لیا تو فرض نماز توڑنا درست نہیں۔

اور اگر کسی نے سُنّت یا نفل نماز شروع کر رکھی ہے اور ماں باپ نے آواز دی، لیکن اُن کو معلوم نہیں ہے کہ فلاں لڑکا یا لڑکی نماز میں ہے تو اس صورت میں نماز توڑ

---

[1] درمنثور: ۱۷۳/٤

[2] فتاویٰ شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب ادراك الفریضة: ۵۱/۲

کر جواب دینا واجب ہے، خواہ کسی ضرورت سے پکاریں خواہ بلا ضرورت یونہی پکار لیں، اس صورت میں اگر نماز نہ توڑی اور اُن کا جواب نہ دیا تو گناہ ہوگا۔ البتہ اگر ان کو معلوم ہے کہ نماز میں ہے اور یونہی بلا ضرورت پکارا ہے تو نماز نہ توڑے۔

اور اگر کسی ضرورت سے پکاریں یا کسی مصیبت میں پڑ جانے کا خطرہ ہو جس کی وجہ سے پکارا ہو تو ہر حال میں نماز توڑ کر اُن کی ضرورت پوری کرے، اُن کو نماز پڑھنے کا علم ہو یا نہ ہو۔[1]

والدین کی خدمت نفلی جہاد سے افضل ہے

حدیث نمبر ⑬: ﴿وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ: جَآءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَاذَنَهٗ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ: أَحَيٌّ وَالِدَاكَ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ.﴾[2]

"وَفِيْ رِوَايَةٍ فَارْجِعْ إِلٰى وَالِدَيْكَ فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا."

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں زندہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہی میں جہاد کر (یعنی ان کی خدمت میں جو محنت اور کوشش اور مال خرچ کرے گا یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہوگا) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واپس جا اور

[1] حقوق الوالدین: صفحہ ۶۰

[2] بخاری، کتاب الجهاد، باب الجهاد باذن الابوین: ۱/۴۲۱

ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا رہ۔"

حدیث نمبر ⑭: ﴿وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ جَاهِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ جَآءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَدْتُّ اَنْ اَغْزُوَ وَ قَدْجِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ فَقَالَ: هَلْ لَّكَ مِنْ أُمٍّ فَقَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَالْزِمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلَيْهَا.﴾[1]

ترجمہ: "حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا: میرے والد، حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ میں نے جہاد کرنے کا ارادہ کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تیری ماں زندہ ہے؟

انھوں نے عرض کیا: جی ہاں زندہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس تو اسی کی خدمت میں لگا رہ، کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔"

فائدہ: ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں (جبکہ جہاد فرض عین نہ ہو) جہاد کی شرکت کے بجائے ماں باپ کی خدمت کرنا زیادہ افضل ہے، اگر دوسرا بھائی بہن اُن کی خدمت کے لئے موجود نہ ہو تو ان کی خدمت میں رہنے کی اہمیت اور زیادہ ہو جائے گی۔[2]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص یمن سے ہجرت کرکے آیا، آپ صلی اللہ علیہ

---

[1] نسائی، کتاب الجهاد، الرخصة في التخلف لمن له والدة: ۵۳/۲

[2] حقوق الوالدین: صفحہ ۵۵

وسلم نے اس سے فرمایا: تم نے سرزمینِ شرک سے تو ہجرت کرلی، لیکن جہاد باقی ہے، تو کیا یمن میں تمہارا کوئی (قریبی) عزیز ہے؟

عرض کیا کہ والدین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا: انھوں نے تم کو اجازت دی ہے؟

عرض کیا نہیں، فرمایا: بس تم واپس جاؤ، اور ان سے اجازت لو، اگر وہ اجازت دیں تو جہاد میں شرکت کرلینا، ورنہ اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہنا۔[1]

حدیث نمبر ⑮: ﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عنهما قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُجَاهِدُ قَالَ: اَلَكَ اَبَوَانِ؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَفِیْهِمَا فَجَاهِدْ.﴾[2]

ترجمہ: "عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر ان کی خدمت اور راحت رسانی میں جدوجہد کرو۔ (یہی تمہارا جہاد ہے)۔"

تشریح: غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف ہوگئی تھی یا کسی وجہ سے اس کے بارے میں شبہ ہوگیا تھا کہ اس آدمی کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج ہیں، اور یہ ان کو چھوڑ کے ان کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے آگیا ہے اس لئے آپ نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ گھر واپس جاکر ماں باپ کی خدمت کرے کیونکہ ایسی

---

[1] درمنثور: ۷۵/۱

[2] ابوداؤد، کتاب الجهاد، باب فی الرجل یغزو وابواه کارهان: ۳۴۲/۱

حالت میں اس کے لئے ماں باپ کی خدمت مقدم ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت اپنے بیٹے کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی وہ بیٹا جہاد میں جانا چاہتا تھا لیکن اس کی ماں اس کو اجازت نہیں دیتی تھی۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے پاس کھڑا رہ (یعنی خدمت کر) بے شک تیرے لئے اس میں ایسا ہی اجر ہے جیسا تو چاہتا ہے۔[1]

والدین کو روتا چھوڑ کر ہجرت کی بیعت کے لئے آنے والے کو نصیحت

حدیث نمبر ⑯: ﴿وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ يُبَايِعُهٗ عَلَى الْهِجْرَةِ فَقَالَ: إِنِّي جِئْتُ أُبَايِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَتَرَكْتُ أَبَوَيَّ يَبْكِيَانِ فَقَالَ: اِرْجِعْ إِلَيْهِمَا فَأَضْحِكْهُمَا كَمَا أَبْكَيْتَهُمَا.﴾[2]

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں، اور میں نے اپنے والدین کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ دونوں (میری جدائی کی وجہ سے) رو رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے پاس واپس جا اور

---

[1] مصنف عبدالرزاق: ٤٦٢/٨

[2] ادب المفرد، باب جزاء الوالدین: ص ١٧

اُن کو ہنسا، جیسا کہ تو نے اُن کو رلایا۔"

فَائِدَہ: یہ شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نیک نیت سے حاضر ہوا، یعنی ہجرت پر بیعت ہونے کے لئے سفر کر کے آیا تھا، اوّل ہجرت کی نیت، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عمل پر بیعت ہونا، یہ سب مبارک اور نیک عمل ہیں، جس میں کوئی شک نہیں، لیکن ماں باپ اس پر راضی نہ تھے کہ ان کو چھوڑ کر جائے، وہ اس شخص کے سفر میں جانے سے بہت بے چین ہوئے اور جدائی کے صدمہ سے رونے لگے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا کہ واپس جا اور والدین کو ہنسا جیسا کہ تو نے اُن کو رلایا ہے۔

اس سے ماں باپ کی دل داری کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی، یہ اُس زمانہ کی بات ہے جب ہجرت کرنا فرض نہ تھا اسلام خطۂ عرب میں پھیل چکا تھا، مسلمان ہر جگہ امن و امان کے ساتھ اسلام کے مطابق زندگی گزار سکتے تھے۔

اور یہ معلوم ہوا کہ ایسا کام کرنا جس سے ماں باپ رنج اور صدمہ کی وجہ سے روئیں گناہ ہے، اور ایسا کام کرنا جس سے ماں باپ خوش ہوں اور جس سے ان کو ہنسی آئے ثواب کا کام ہے۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

"بُكَاءُ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْعُقُوقِ وَالْكَبَائِرِ"

تَرجَمَہ: "یعنی ماں باپ کا رونا عقوق اور کبائر میں سے ہے (جب کہ اولاد ایسا کام کرے جس سے اُن کو ایذا پہنچے اور جس سے وہ رونے لگیں)۔"[2]

---

[1] حقوق الوالدین: صفحہ ۵۶

[2] الادب المفرد، باب بكاء الوالدين: صفحه ۲۳

والدین کے اخراجات کے لئے محنت کا ثواب

حدیث نمبر ⑰: ﴿وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ لَهٗ جِسْمٌ يَعْنِيْ خَلِقًا فَقَالُوْا: لَوْ كَانَ هٰذَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَعَلَّهٗ يَكُدُّ عَلٰى اَبَوَيْنِ شَيْخَيْنِ كَبِيْرَيْنِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَعَلَّهٗ يَكُدُّ عَلٰى صِبْيَةٍ صِغَارٍ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَعَلَّهٗ يَكُدُّ عَلٰى نَفْسِهٖ لِيُغْنِيَهَا عَنِ النَّاسِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.﴾ [1]

ترجمہ: ”حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک ایسے شخص کا (مجلسِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے) گذر ہوا جس کا جسم دُبلا پتلا تھا، اس کو دیکھ کر حاضرین نے کہا: کہ کاش! یہ جسم اللہ تعالیٰ کی راہ میں (یعنی جہاد میں دبلا ہوا) ہوتا یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ شاید وہ اپنے بوڑھے ماں باپ پر محنت کرتا ہو (اور اُن کی خدمت میں لگنے اور ان کے لئے روزی کمانے کی وجہ سے دُبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو وہ فی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا کہ) شاید وہ چھوٹے بچوں پر محنت کرتا ہو (یعنی ان کی خدمت اور پرورش اور ان کے لئے رزق مہیّا کرنے میں دُبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو وہ فی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا کہ) شاید وہ اپنے نفس پر محنت کرتا ہو (اور اپنی جان کے لئے محنت کر کے روزی کماتا ہو) تاکہ اپنے نفس کو لوگوں سے بے نیاز کردے (اور مخلوق سے سوال نہ کرنا پڑے) اگر ایسا ہے تو وہ فی سبیل اللہ ہے۔“

[1] اخرجه البيهقي، كذا في الدر المنثور: ج٥ ص٢٦٤، سورة بني اسرائيل، آيت: ٢٤

فائدہ: معلوم ہوا کہ ماں باپ اور آل اولاد بلکہ اپنے نفس کے لئے حلال روزی کمانا بھی فی سبیل اللہ میں شمار ہے۔[1]

والدین کے لئے دعا کرنا

حدیث نمبر (١٨): ﴿وَعَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْا لَهٗ﴾[2]

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے سب اعمال ختم ہو جاتے ہیں، لیکن تین چیزوں کا نفع پہنچتا رہتا ہے۔ (١) صدقہ جاریہ (٢) ایسا علم جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہوں (٣) نیک اولاد جو اس کے لئے دُعا کرتی ہو۔"

فائدہ: جب تک آدمی زندہ رہتا ہے خود نیکیاں کماتا ہے، اور اپنے لئے آخرت میں ذخیرہ جمع کرتا رہتا ہے، لیکن جب موت آجاتی ہے تو اعمال ختم ہو جاتے ہیں اور ثواب جاری رہنے کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے، البتہ تین چیزیں ایسی ہیں جو اس کے عمل کا نتیجہ ہیں، اور ان کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

اوّل: صدقہ جاریہ کا ثواب برابر جاری رہتا ہے، صدقہ جاریہ اُس کو کہتے ہیں جس کا نفع وقتی طور پر ختم نہ ہو جائے، بلکہ اس سے لوگ منتفع (فائدہ اٹھاتے) رہیں، اور صدقہ کرنے والے کو ثواب ملتا رہے، مثلاً کوئی مسجد بنوادی، دینی مدرسہ کی تعمیر میں

---

[1] حقوق الوالدین: صفحہ ٥٣
[2] مشکوٰۃ، کتاب العلم: ص٣٢

حصہ لے لیا، کسی دارالعلوم میں تفسیر و حدیث اور فقہ و فتاویٰ کی کتابیں وقف کر دیں، کہیں کنواں کھدوا دیا، مسافر خانہ بنوا دیا یا کوئی ایسا کام کر دیا جس سے عوام و خواص کو نفع ہوتا رہے، ایک آدمی اس طرح کے کسی کام میں پیسہ خرچ کر کے جن کا ذکر اوپر ہوا قبر میں چلا گیا، لوگ اس کے صدقہ و خیرات سے منتفع ہو رہے ہیں، اور اس کے نامۂ اعمال میں برابر ثواب لکھا جا رہا ہے، اور درجات بلند ہو رہے ہیں، جہاں تک ہو زندگی میں کوئی ایسا کام ضرور کر دینا چاہیئے۔

دوم: وہ علم جس سے نفع اُٹھایا جاتا ہو، یہ بھی وہ چیز ہے جس کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے، کسی کو قرآن مجید حفظ یا ناظرہ پڑھا دیا، کسی کو نماز سکھا دی، کسی کو مولوی صاحب بنا دیا، کوئی دینی کتاب لکھ دی یا اپنے پیسہ سے شائع کر دی۔ یہ علمی صدقۂ جاریہ ہے، قرآن پڑھنے والا جب تک قرآن مجید پڑھے گا یا پڑھائے گا پھر اس کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد پڑھائیں گے۔ مولوی صاحب تفسیر و حدیث پڑھائیں گے، مسئلہ بتائیں گے، لوگ اُن سے مستفید ہوں گے اور آگے اُن کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد علم پھیلائیں گے۔ جس کو نماز سکھا دی وہ نماز پڑھتا رہے گا، اور دوسروں کو سکھائے گا، تو اس کا ثواب صدیوں تک اُس شخص کو ملتا رہے گا جس نے دینی علم کو آگے بڑھایا، یا آگے بڑھانے کا ذریعہ بن گیا، جتنے لوگ اس کا ذریعہ اور واسطہ بنتے جائیں گے اُن سب کو ثواب ملتا رہے گا اور کسی کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔

سوم: نیک اولاد جو دعا کرتی ہو، اس کی دعا کا فائدہ بھی والدین کو پہنچتا رہتا ہے، دعا میں تو کچھ جان و مال خرچ نہیں ہوتا۔ وقتاً فوقتاً اگر والدین کے لئے دعائے مغفرت اور دعائے رفع درجات کر دی جائے تو والدین کو بہت بڑا نفع پہنچتا رہے گا اور اولاد کا کچھ بھی خرچ نہ ہوگا، اولاد کی پیدائش کا ذریعہ بننا اور اس کو پالنا پوسنا چونکہ والدین کا عمل ہے اور والدین کی پرورش کے بعد اولاد دعا کے قابل ہوئی، اس لئے

اولاد کی دعا کو بھی مرنے والے کے اعمال میں شمار کرلیا گیا اور صدقۂ جاریہ قرار دے دیا گیا۔ اگر اولاد کو محنت اور کوشش کر کے نیکی پر ڈال دے تو وہ جو نیک اعمال کرے گی ان کا ثواب بھی ماں باپ کو ملے گا اور اولاد کے ثواب میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی، اولاد کے علاوہ جو بھی کوئی شخص کسی کے لئے دعا کرے گا اس کا نفع پہنچے گا، لیکن اولاد کا خصوصی ذکر اس لئے فرمایا کہ اولاد کو اس قابل بنانے میں ماں باپ کی محنت اور کوشش کو دخل ہے، اس لئے اولاد کی دعا اُنہی کے اعمال میں شمار کی گئی۔[1]

اولاد کی دعا سے والدین کے درجات بلند ہوتے ہیں

حدیث نمبر ⑲: ﴿وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ أَنّٰى لِيْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ.﴾[2]

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ جل شانہ جنت میں نیک بندہ کا درجہ بلند فرما دیتے ہیں، وہ عرض کرتا ہے کہ اے رب! یہ درجہ مجھے کہاں سے ملا ہے؟ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوتا ہے: تیری اولاد نے جو تیرے لئے مغفرت کی دُعا کی یہ اس کی وجہ سے ہے۔''

فائدہ: ان روایات سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کے لئے دُعا کرنا بہت بڑا حسنِ سلوک ہے، اور یہ حسنِ سلوک ایسا ہے کہ جو موت کے بعد بھی جاری رکھا جا سکتا ہے، کم سے کم ہر فرض نماز کے بعد ماں باپ کے لئے دُعا کر دیا کرے اس میں کچھ خرچ

[1] حقوق الوالدین: صفحہ ۸۸

[2] مشکوٰۃ المصابیح، باب الاستغفار والتوبۃ: ص ۲۰۵

بھی نہیں ہوتا اور ان کو بہت فائدہ پہنچ جاتا ہے۔

''استغفار'' یعنی گناہوں کی بخشش کی دُعا بہت مبارک اور مفید عمل ہے اس سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور عبادات میں جو کوتاہی ہو جائے اس کی بھی تلافی ہوتی رہتی ہے، دینی و دنیاوی مشکلات حل ہوتی ہیں اور پریشانیاں دُور ہوتی ہیں، والدین، اساتذہ اور مشائخ جو دنیا سے چلے گئے ہیں ان کے لئے استغفار کیا جائے تو ان کے لئے نفعِ عظیم کا باعث ہے۔

حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ نیک بندہ کا جنت میں درجہ بلند فرما دیتے ہیں، وہ تعجب سے پوچھتا ہے کہ اے ربّ یہ درجہ مجھے کہاں سے ملا ہے؟ جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ تیری اولاد نے جو تیرے لئے استغفار کیا اس کی وجہ سے تیرا یہ درجہ بلند ہوا۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بلا شبہ اللہ جل شانہ قبر والوں پر زمین والوں کی دُعا کی وجہ سے پہاڑوں کے برابر (رحمت ومغفرت) داخل فرماتے ہیں، اور بے شک مُردوں کے لئے زندوں کا ہدیہ یہ ہے کہ اُن کے لئے استغفار کریں۔[1]

ماں باپ کے لئے استغفار کرتے رہنے کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر زندگی میں اُن کو ستاتا رہا تو استغفار کرتے رہنے کی وجہ سے حسنِ سلوک کرنے والوں میں لکھ دیا جائے گا، اور اگر اُن کے حقوق میں کوتاہی اور غفلت ہوگئی ہوگی تو اس کی تلافی ہو جائے گی۔

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَاب ۞ ﴾

تنبیہ: ماں باپ کی قبر پر بھی جاتے رہنا چاہیئے، وہاں جاکر عبرت حاصل کرے اور موت کو یاد کرے، اور قبر کے حالات کا مراقبہ کرے، اور والدین کے لئے کچھ نہ کچھ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرے۔ البتہ عورت کو قبرستان میں جانے سے روکنا چاہیئے،

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب الاستغفار والتوبۃ: ص۲۰۶

اور مروجہ بدعتوں سے اور شرکیہ کاموں سے بالکل پرہیز کریں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے ہر جمعہ کو اپنے والدین کی یا دونوں میں سے ایک کی قبر کی زیارت کی تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی، اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والوں میں لکھ دیا جائے گا۔[1]

اور واضح رہے کہ زیارتِ قبور مستقل ایک عمل ہے، اور ایصالِ ثواب علیحدہ چیز ہے، یعنی ایک دوسرے پر موقوف نہیں ایصالِ ثواب گھر سے بھی کیا جاسکتا ہے۔[2]

والدین کی وفات کے بعد حسنِ سلوک کا طریقہ

حدیث نمبر ⑳: ﴿وَعَنْ أَبِيْ أُسَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَآءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ سَلَمَةَ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ بَقِيَ مِنْ بِرِّ اَبَوَيَّ شَيْءٌ أَبَرُّهُمَا بِهِ بَعْدَ مَوْتِهِمَا قَالَ: نَعَمْ اَلصَّلٰوةُ عَلَيْهِمَا وَا لْإِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَ إِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِ هِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِيْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِهِمَا وَ اِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا﴾[3]

ترجمہ: ''حضرت ابو اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، قبیلہ بنی سلمہ کا ایک شخص آیا اور اُس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا میرے ماں باپ کی وفات کے بعد (بھی) کوئی ایسی چیز باقی ہے جس کے ذریعہ میں اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] کنز العمال: ۱۶/۱۹۵، رقم ۴۵۴۷۹
[2] حقوق الوالدین: صفحہ ۹۲
[3] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی بر الوالدین: ج۲ ص۳۴۴

نے فرمایا ہاں! (یہ چیزیں باقی ہیں) ① اُن کے لئے رحمت کی دُعا کرنا (جس میں نماز جنازہ بھی شامل ہے) ② اُن کے لئے مغفرت کی دعا کرنا ③ ان کے بعد اس عہد کو نافذ کرنا جس کو وہ انجام دینا چاہتے تھے ④ وہ صلۂ رحمی کرنا جو صرف ماں باپ کے تعلق سے ہو، اوران کی رضا کے لئے ہو ⑤ اُن سے محبت اور میل جول رکھنے والوں کا اکرام کرنا۔"

فَائِدَہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی موت کے بعد بھی اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہنا چاہیے، یعنی ایسے کام کرے جن سے ان کو نفع پہنچے، اور اطلاع ہو تو ان کی روح خوش ہو۔

سائل کے سوال پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ کام ایسے بتائے جن کو ماں باپ کے بعد انجام دیا جائے تو اُن کے ساتھ حسنِ سلوک میں شمار ہوں گے۔

اوّل: یہ کہ ان کے لئے رحمت کی دعا کی جائے۔

دوم: اُن کے لئے مغفرت کی دعا کی جائے، مثلاً یہ دُعا کیا کرے:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ﴾

سوم: اُن کے عہد کو نافذ کرے جس کو وہ انجام دینا چاہتے تھے، اس کا مفہوم وسیع ہے، خصوصیت کے ساتھ اُن کی وصیت نافذ کی جائے جو انھوں نے موافقِ شریعت اپنے ترکہ سے حجِ بدل یا صدقہ خیرات کے لئے کی ہو، یا کسی غیر وارث کو کچھ دینے کو کہا ہو، اس میں ہرگز کوتاہی نہ کی جائے، مرنے والے کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے مصارف اور ادائے قرضہ جات کے بعد جو مال بچے اُس کے ۱/۳ میں میّت کو وصیت کرنے کا پورا پورا حق ہے، اگر کسی نے وصیت کی ہو تو وارثوں پر واجب ہے کہ اس کو پورا کریں، البتہ اگر کسی گناہ میں مال خرچ کرنے کی وصیت کی ہو تو اس کا پورا کرنا گناہ ہے۔

بہت سے لوگ ماں باپ کی وصیت پوری نہیں کرتے۔ اُن کی وصیت کے مطابق جس قدر مال خرچ کرنا چاہیئے یا تو اس پورے مال کو دبا لیتے ہیں، یا تھوڑا بہت خرچ کرکے دکھلاوا کرتے ہیں کہ ہم نے وصیت پوری کر دی، یہ سراسر ظلم اور زیادتی ہے، وصیت کے مال کو دبانا حرام ہے، اور اُس کو اپنے کام میں لانا بھی حرام ہے، جب شریعت مطہرہ نے ۲/۳ وارثوں کو دلا دیا تو ۱/۳ میں وصیت نافذ کرتے ہوئے دل چھوٹا کرنا اور کنجوسی کا مظاہرہ کرنا وصیت کرنے والے پر بھی ظلم ہے اور اپنی ذات پر بھی، چاہیئے تو یہ تھا کہ اگر ماں باپ وصیت نہ کرتے اور ترکہ میں کچھ بھی نہ چھوڑتے تب بھی شریعت کے مطابق ان کے لئے اپنے پیسہ سے ایصالِ ثواب کرتے، لیکن جب انہوں نے مال چھوڑا اور وصیت بھی کی تو اس صورت میں وصیت نافذ نہ کرنا، یا وصیت کے مطابق پورا مال خرچ نہ کرنا بہت بڑی قطع رحمی ہے۔

حدیث میں الفاظ "اِنْفَاذُ عَهْدِ هِمَا" وارد ہوا ہے۔ "عہد" وصیتِ مالی کے علاوہ دوسری وصیتوں کو بھی شامل ہے، مثلاً انہوں نے کہا کہ میرے فلاں بچہ کو حفظِ قرآن کرا دینا، اور فلاں بچہ جس نے حفظ کر لیا ہے اُس کو عالم دین بنا دینا، یا فلاں لڑکی کی شادی فلاں دیندار سے کر دینا، یا یہ وصیت کی کہ ہمارے فلاں بہن یا بھائی کے لڑکے یا لڑکی سے شادی کر لینا، یا چھوٹے بہن بھائی کو ان کے یہاں بیاہ دینا، ان سب کے مطابق عمل کیا جائے، بلکہ اگر کسی بات کی وصیت نہیں کی، مگر اندازہ ہے کہ ان کی خواہش تھی یہ کام اس طرح ہو جائے تب بھی کر دینا چاہیئے، البتہ خلافِ شرع کوئی کام جائز نہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چند کام ایسے بتائے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے ماں باپ کی موت کے بعد حسنِ سلوک کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔

چہارم: فرمایا: کہ "وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِيْ لَا تُوْصَلُ إِلَّا بِهِمَا" یعنی وہ صلہ رحمی کرنا جو صرف ماں باپ کے تعلق کی وجہ سے ہو، اور اُن کی رضا کے لئے ہو، اس کا

مطلب یہ ہے کہ انسان کے اصل رشتہ دار تو ماں باپ ہی ہیں، جن سے وہ پیدا ہوا ہے، اور دوسری رشتہ داریاں انہی کے رشتہ کی وجہ سے پیدا ہوئیں، ماں کا بھائی ماموں ہے، اور اس کی بہن خالہ ہے، اور باپ کا بھائی چچا ہے اور اس کی بہن پھوپھی، اور باپ کے ماں باپ، دادا، دادی اور ماں کے ماں باپ نانی، نانا ہیں، اور ان رشتہ داروں کے ذریعہ قریب اور دُور تک بہت سے رشتے نکلتے چلے جاتے ہیں، ان سب رشتوں کا واسطہ ماں باپ ہی ہیں، ان سب رشتہ داروں کے ساتھ درجہ بدرجہ اور حسب قوت و قدرت حسنِ سلوک کرنا دینی کاموں میں بہت اہم کام اور افضل عمل ہے، رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کرے، اس میں والدین کے تعلق کا خیال رکھے، کہ یہ لوگ میرے ماں باپ کے رشتہ دار ہیں، میں اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کروں گا تو اُن کو خوشی ہوگی اور وہ مجھ سے راضی ہوں گے، حسنِ سلوک تو انسان بہت سی مخلوق کے ساتھ کرتا ہے، لیکن ماں باپ کے رشتہ داروں سے خصوصیت کے ساتھ ماں باپ کے رشتہ کے پیش نظر حسنِ سلوک کرے۔

پنجم: فرمایا "وَاِکْرَامُ صَدِیْقِھِمَا" یعنی ماں باپ سے میل جول رکھنے والوں کا اکرام کیا جائے، یعنی حسبِ توفیق اُن کی مالی مدد کرے، اُن سے ملا جلا کرے، مالی مدد کے علاوہ اُن کو کسی دوسری خدمت کی ضرورت ہو، جو شرعاً جائز ہو تو وہ بھی انجام دے، اور یہ نیت کرے کہ یہ میرے ماں باپ سے میل محبت رکھتے تھے، ان کے تعلقات کو برقرار رکھنا اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کرنا، میرے ماں باپ کی خوشی کا باعث ہوگا۔[1]

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ بَعْدَ أَنْ يُّوَلِّيَ﴾

ترجمہ: "یعنی سب سے بڑے حسنِ سلوک میں سے ایک یہ بات بھی

---

[1] حقوق الوالدین: صفحہ ۸۲

ہے کہ باپ کی غیر حاضری میں (خواہ وہ وفات پا گیا ہو یا کہیں سفر میں چلا گیا ہو) اس کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔"[1]

رشتہ داروں کی صلۂ رحمی کا ذکر فرمانے کے بعد جو "اِکْرَامُ صَدِیْقِهِمَا" فرمایا اس میں یہ بتایا ہے کہ رشتہ داروں کے علاوہ جو لوگ ماں باپ سے میل محبت رکھتے تھے ان کے ساتھ اکرام و احترام کا معاملہ کیا جائے، اور خدمت و حسنِ سلوک کا برتاؤ کیا جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو یہاں تک خیال فرماتے تھے کہ جب کوئی بکری ذبح فرماتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کو پورے پورے اعضاء مثلاً پوری ران، پوری دستی بھجوایا کرتے تھے۔ (جبکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کو برسوں گزر چکے تھے)۔[2]

چونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بہت ہی غمگساری کی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا بہت خیال رہتا تھا، اگر وہ نہیں ہیں تو اُن کی سہیلیوں ہی کے ساتھ حسنِ سلوک کر دیا، یہ محبت کے نباہ اور وفاداری کی بہت بڑی مثال ہے کہ موت کے بعد بھی دل داری کا خیال رکھا۔

ایک سفر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قریب سے ایک اعرابی یعنی دیہات کے رہنے والے گزرے، ان اعرابی کے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوست تھے، ان کو پہچان کر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو سواری کا ایک گدھا دے دیا، اور سر سے پگڑی اُتار کر عنایت فرما دی، بعض ساتھیوں نے عرض کیا:

"اَصْلَحَكَ اللّٰهُ اِنَّهُمُ الْاَعْرَابُ وَهُمْ يَرْضَوْنَ بِالْيَسِيْرِ"[3]

تَرْجَمَۃ: "اللہ آپ کی رہنمائی کرے، بے شک وہ دیہاتی لوگ ہیں اور

---

[1] مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل صلة اصدقاء الاب: ۳۱۴/۲

[2] بخاری، كتاب المناقب، باب تزويج النبی صلى الله عليه وسلم خديجة وفضلها: ۵۳۹/۱

[3] الترغيب والترهيب، كتاب البر والصلة، الترغيب في بر الوالدين: ۲۲۲/۳

تھوڑے پر راضی ہو جاتے ہیں۔"
ان کو دو درہم دے دینا کافی نہ تھا؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا (اعرابی کی حیثیت نہیں دیکھنی ہے، اپنے والد کی پاسداری منظور ہے) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اپنے والد کی دوستی کا خیال رکھنا، اس کو مت کاٹنا، ورنہ اللہ تعالیٰ تیرا نور بجھا دے گا۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مجھ سے ملنے تشریف لائے، اور یہ فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے، میں کیوں آیا؟

میں نے عرض کیا: نہیں! تو انہوں نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

﴿مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّصِلَ أَبَاهُ فِيْ قَبْرِهٖ فَلْيَصِلْ إِخْوَانَ أَبِيْهِ بَعْدَهٗ﴾

تَرجَمَہ: "جو شخص یہ چاہے کہ اپنے باپ کے ساتھ اس کی قبر میں صلہ رحمی کرے، اس کو چاہیئے کہ اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔"

چونکہ میرے باپ عمر اور تمہارے والد میں دوستی اور بھائی چارگی تھی، اس لئے آیا ہوں کہ اس دوستی اور بھائی چارگی کو نبھاؤں (کہ دوست کی اولاد بھی دوست ہوتی ہے)۔[1]

والدین کی طرف سے صدقہ کرنا

حدیث نمبر (۲۱): ﴿وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ أُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَلَمْ تُوْصِ

[1] الترغیب والترهیب، کتاب البر والصلة، الترغیب فی بر الوالدین: ۲۲۲/۳

اَفَيَنْفَعُهَا أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهَا قَالَ: "نَعَمْ"﴾[1]

تَرْجَمَہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری والدہ کی وفات ہوگئی ہے اور اُس نے (صدقہ و خیرات کی) وصیت نہیں کی، اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا اس کو نفع دے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔"

فَائِدَہ: مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری والدہ کی وفات ہوگئی (اُن کی طرف سے صدقہ کرنا چاہتا ہوں تو ارشاد فرمائیے) کون سا صدقہ افضل ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی (کا صدقہ کردینا افضل ہے) لہٰذا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کنواں کھود دیا اور ایصالِ ثواب کے لئے وقف کرکے فرمایا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہوگیا، اور میرا خیال ہے کہ اگر (اس کو بولنے کا موقع ملتا اور) بات کرتی تو صدقہ کردیتی، تو کیا اُس کو ثواب ملے گا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں (اس کو ثواب ملے گا)۔[3]

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ والدین کی طرف سے صدقہ کرکے ثواب پہنچاتے رہنا چاہیے، اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم

[1] اخرجه البخاری فی الادب المفرد باب بر الوالدین بعد موتهما، ص۲۵
[2] مشکوٰۃ، باب فضل الصدقة: ص۱۶۹
[3] مشکوٰۃ، باب صدقة المرأة: ص۱۷۲

ہوا کہ مستقل طور پر پانی کا انتظام کر دینا افضل ہے، کیونکہ پانی ساری مخلوق کے کام آتا ہے، اور اس سے طرح طرح کی دنیاوی حاجتیں اور دینی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، اس لئے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنواں کھود کر والدہ کے ایصالِ ثواب کے لئے وقف کر دیا، اور اپنی والدہ کے صدقۂ جاریہ کا مستقل انتظام کر کے ثوابِ عظیم کا ذریعہ بن گئے۔

پہلے زمانہ میں کنویں کی اہمیت بہت تھی، اور دیہات وقصبات اور جنگلوں میں اب بھی اس کی بہت ضرورت رہتی ہے، اور شہروں میں سرکاری نلوں سے پانی ملتا ہے پس اگر کوئی شخص کسی مسجد یا مدرسہ یا مسافر خانہ میں پانی کی ٹنکی بنوادے، یا نل لگوادے، یا پانی کا بل ادا کرنے کا انتظام کردے، تو یہ بھی پانی کے صدقہ میں شمار ہوگا اور بہت بڑے ثواب کا باعث ہوگا، بلکہ شہروں میں بھی خصوصاً مساجد و مدارس میں اب بھی کنواں کھدوادینا مناسب ہے، سرکاری نل خراب ہو جاتے ہیں، یا پانی کی قلت ہو جاتی ہے تو ان کنوؤں سے کام چلتا ہے۔

اگر مساجد و مدارس اور عام گزرگاہوں پر ہاتھ سے پانی نکالنے والا نل لگوا دیا جائے تو یہ بہت بہتر ہے، اس سے پانی لینے کیلئے ڈول رسّی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

تنبیہ: اگر ماں باپ پر قرض ہو اور انہوں نے اس کے لئے مال و جائیداد چھوڑی ہو تو ان کا قرضہ ادا کرنا فرض ہے، اگرچہ وارثوں کے لئے ایک پیسہ بھی نہ بچے، قرضدار نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، اگر وصیت کی ہو تو اس کی فرضیت اور زیادہ مؤکد ہو جائے گی، اگر ماں باپ نے مال نہ چھوڑا ہو تب بھی اولاد کو چاہیئے کہ ماں باپ کا قرضہ ادا کردے، یہ بہت بڑا حسنِ سلوک ہے کہ آخرت کے مواخذہ سے ان کی جان چھڑادی جائے، بلکہ اُن کی طرف سے قرضہ ادا کر دینا ان کی طرف سے صدقہ کر دینے سے افضل ہے۔[۱]

---

[۱] حقوق الوالدین: صفحہ ۹۵

حضرت امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جس نے زندگی میں اپنے ماں باپ کو ستایا، پھر ان کی طرف سے قرضہ ادا کر دیا جو اُن کے ذمہ تھا، اور اُن کے لئے مغفرت کی دُعا کی اور اُن کی طرفداری کرتے ہوئے کسی کو گالی نہ دی، تو اُس کو حسنِ سلوک کرنے والوں میں لکھ دیا جائے گا۔ اور جس نے زندگی میں ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا پھر وہ قرض ادا نہ کیا جو اُن کے ذمہ تھا، اور اُن کے لئے استغفار نہ کیا اور اُن کی طرفداری میں گالی گلوچ کا کام کیا تو والدین کو ستانے والا لکھ دیا جائے گا۔[1]

والدین کی طرف سے حج یا عمرہ کرنا

حدیث نمبر (۲۲): ﴿وَعَنْ أَبِیْ رَزِیْنٍ الْعُقَیْلِیِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ أَنَّهٗ أَتَی النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ أَبِیْ شَیْخٌ کَبِیْرٌ لَایَسْتَطِیْعُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ: حُجَّ عَنْ أَبِیْكَ وَاعْتَمِرْ.﴾[2]

ترجمہ: حضرت ابورزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں، جو حج یا عمرہ کرنے کی طاقت اور قوت نہیں رکھتے، اور نہ سفر کر سکتے ہیں، (اگر میں اُن کی جانب سے حج کر لوں تو اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو۔"

---

[1] در منثور: ۱۷٤/٤

[2] ترمذی باب ماجاءَ فی الحج عن الشیخ الکبیر والمیّت: ۱۸٦/۱

حدیث نمبر (۲۳): ﴿وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ تْ اِمْرَأَةٌ مِّنْ خَثْعَمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِيْ شَيْخاً كَبِيْرًا لَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَّسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ فَهَلْ يَقْضِيْ عَنْهُ أَنْ اَحُجَّ عَنْهُ؟ قَالَ! "نَعَمْ"﴾[1]

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کا فریضہ جو اُس کے بندوں پر حج سے متعلق ہے اُس نے میرے والدصاحب کو اس حال میں پایا ہے کہ وہ بہت بوڑھے ہیں، جو سواری پر پوری طرح نہیں بیٹھ سکتے تو کیا میں اُن کی طرف سے حج کرلوں تو ان کا حج ہو جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔"

فائدہ: ان دونوں حدیثوں سے ماں باپ کی طرف سے حج بدل کرنے کی اہمیت اورفضیلت معلوم ہوئی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح دوسرے کی جانب سے حج بدل کرسکتا ہے اسی طرح عمرہ بھی بدلہ میں ادا کیا جاسکتا ہے۔

نیز حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ عورت مرد کی طرف سے حج کرسکتی ہے (اور جب عورت مرد کی طرف سے حج کرسکتی ہے جوضعیف ہے، تو مرد بطریق اولیٰ عورت کی طرف سے حج کرسکتا ہے) ان دونوں حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کی طرف سے حج یا عمرہ کیا جائے اس کا میت ہونا ضروری نہیں، بلکہ زندہ کی طرف سے بھی حج اور عمرہ ہوسکتا ہے، بدلہ میں جو حج یا عمرہ کیا جائے اس میں صرف اتنی بات زیادہ ہوتی ہے کہ احرام باندھتے وقت اس کی جانب سے حج یا عمرہ ادا کرنے کی نیت کرلیتے ہیں، جس کی طرف سے حج یا عمرہ ادا کرنا ہے، باقی سب اعمال اسی طرح ادا

[1] بخاری باب الحج عمن لا یستطیع الثبوت علی الراحلة: ۱/۲۵۰

کئے جاتے ہیں جیسے اپنی طرف سے حج یا عمرہ ادا کرنے میں ادا ہوتے ہیں۔

جن حضرات کو بار بار سرزمینِ حجاز میں آنا ہوتا ہے، یا مستقل طور پر یہاں مقیم ہیں اُن کے لئے تو بہت آسانی ہے، کہ اپنا حجِ فرض ادا کرکے والدین کی طرف سے حج کریں بلکہ متعدد بار اُن کی طرف سے بہت سے عمرے بھی ادا کر سکتے ہیں، نفلی طور پر کسی کی طرف سے حج یا عمرہ کرنے کے لئے نہ وکیل بنانے کی ضرورت ہے، نہ اجازت لینے کی، نہ ان کو اطلاع دینے کی۔ البتہ اگر زندہ ہوں تو اُن کو اطلاع دینا بہتر ہے تاکہ ان کا دل خوش ہو اور دُعائیں دیں۔

اگر ماں باپ میں سے کسی پر حج فرض ہوا تھا جو کسی وجہ سے زندگی میں ادا نہ کر سکے اور اولاد کو وصیت کی کہ ہمارے مال سے ہماری طرف سے حج کر لینا، یا کسی سے حج کرا دینا، تو اولاد پر یا جس کے قبضہ میں مال ہو اُس پر فرض ہوگا کہ ان کے فریضہ ادائیگی کے لئے حجِ بدل کرا دیں، لیکن یہ وصیت میّت کے کفن دفن کے اخراجات اور ادائے قرضہ جات کے بعد جو مال بچے اُس کے تہائی حصہ میں نافذ ہوگی، باقی دو تہائی وارثوں پر تقسیم ہوگا، اگر تہائی حصہ میں اخراجات پورے نہ ہو سکیں، اور بالغ وارث اپنے میراث کے حصہ سے مزید دے کر حج بدل کرا دیں تو بہت بڑی سعادت کی بات ہے، اگر یہ لوگ مزید مال نہ ملائیں تو اصول کے مطابق وصیت نافذ کرنے کے لئے جس قدر رقم میت کے مال سے علیحدہ کی جا سکتی ہے (جس کا اوپر ذکر ہوا) اس رقم کو خرچ کرنے سے جہاں آدمی بھیج کر حج ہو سکتا ہو وہاں سے حج کرا دیں، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ وصیت صرف ترکہ کے ۱/۳ حصّہ میں نافذ ہو سکتی ہے۔ حجِ بدل کی وصیت ہو، یا صدقہ خیرات کرنے کی، یا کسی غیر وارث کو کچھ مال و جائداد دینے کی، یا مختلف مواقع میں خرچ کرنے کی، بہر حال ۱/۳ میں نافذ کی جائے گی، میراث پانے والے رشتہ دار، یا وہ لوگ جن کے قبضہ میں وصیت کرنے والے کا مال ہو، اگر اس کا ۱/۳ وصیت کے مطابق خرچ نہ کریں گے اور مال خود دبا لیں گے یا

وصیت کے خلاف کسی کام میں خرچ کر دیں گے، تو ان کا یہ فعل حرام ہوگا اور حرام کھانے اور حرام مال اپنے کام میں لانے کے گنہگار ہوں گے۔

جس شخص پر حج فرض ہوا اور وہ زندگی میں حج نہ کر سکا، اور اُس نے حجِ بدل کی وصیت کی تو اس کی جانب سے اس کے شہر یا بستی سے جس میں وہ رہتا تھا کسی کو حجِ بدل کے لئے روانہ کرنا ضروری ہے، یعنی سفر کی ابتدا وہیں سے ہو جہاں سے مرحوم حج کے لئے روانہ ہوتا، اور اسی میقات سے حج کرایا جائے جو مرحوم کے سفر کی میقات ہوتی، جب کہ ترکہ کا ۲/۳ شریعت نے وارثوں کے لئے اس طرح مخصوص کر دیا کہ ۱/۳ سے زائد کی وصیت بھی مرحوم کی نافذ نہیں ہوسکتی (اِلّا یہ کہ ورثہ اجازت دیں) تو انصاف کا تقاضا ہے کہ جس نے ترکہ میں مال چھوڑا ہے اس کی وصیت سے زیادہ خرچ نہیں کرتے، تو ۱/۳ کے اندر تو اس کی وصیت نافذ کر ہی دیں۔

اگر ماں باپ پر حج فرض تھا لیکن کسی وجہ سے انہوں نے حج نہیں کیا اور حجِ بدل کی وصیت بھی نہیں کی، تب بھی اُن کی طرف سے اولاد کو اپنا حجِ فرض ادا کرنے کے بعد خود حج کر لینا چاہیئے یا کسی دوسرے کو بھیج کر حج کرادیں، اللہ جل شانہ سے امید ہے کہ ایسا کرنے سے ان کا حجِ فرض قبول فرمالیں گے، اور یہ اولاد کا ماں باپ کے ساتھ بہت بڑا حسنِ سلوک ہوگا۔ اور بہترین صلۂ رحمی ہوگی، اگر ماں باپ پر حج فرض نہ ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اولاد کو مال دے دیا تب بھی اپنا حجِ فرض ادا کر کے ماں باپ کی طرف سے حجِ بدل کر لینا یا کسی دوسرے سے حج کرا دینا افضل ہے، دنیا چند روزہ ہے، اور مال بھی ہمیشہ پاس نہیں رہتا، نیکی کا جو موقعہ ہاتھ آئے کر گزریں، آخرت کے معاملہ میں کنجوسی کرنا بڑی بیوقوفی ہے۔[۱]

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ایک حج (بدل) کی وجہ سے تین شخصوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں۔ ① میّت (جس کی طرف سے حج کرایا

---

[۱] حقوق الوالدین: صفحہ ۹۹

جائے) (۲) میّت کی طرف سے حج کرنے والا (۳) حج کرانے والا (جو میّت کے مال سے اس کی وصیت کے مطابق یا اپنے مال سے اس کی طرف سے حج کرارہا ہے)۔[۱]

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی طرف سے ان کی موت کے بعد حج کرے اس کے لئے جہنم کی آگ سے خلاصی ہے، اور والدین کے لئے پورا حج لکھا جاتا ہے، اور اُس کے ثواب میں کمی نہیں آتی، اور کسی اپنے قریبی رشتہ دار کے لئے اس سے بڑھ کر صلہ رحمی نہیں کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے حج کرکے اس کی قبر میں ثواب پہنچائے۔[۲]

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص کسی کی طرف سے حج کرے اس حج کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اس شخص کو ملتا ہے جس کی طرف سے حج کیا جاتا ہے۔[۳]

ناکام ونامراد کون؟

حدیث نمبر (۲۴): ﴿وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَغِمَ اَنْفُهٗ ثُمَّ رَغِمَ اَنْفُهٗ ثُمَّ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِيْلَ: مَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَهُ الْكِبَرُ أَحَدَهُمَا اَوْ كِلَيْهِمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ.﴾[۴]

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) ارشاد فرمایا کہ وہ ذلیل ہو، وہ

---

[۱] کنز العمال، کتاب الحج، رقم الحدیث: ۱۱۷۸۷
[۲] کنز العمّال، کتاب الحج، رقم الحدیث: ۱۲۳۳۵
[۳] کنز العمال، کتاب الحج، رقم الحدیث: ۱۲۳۳۷
[۴] مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضلة صلة اصدقاء الاب: ۲/۳۱۴

ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، عرض کیا گیا: کون یا رسول اللہ؟ فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کے وقت میں پایا پھر (ان کی خدمت کرکے) جنت میں داخل نہ ہوا۔"

فَائِدَة: پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا جنت میں داخل ہونے کا بہترین ذریعہ ہے، اور عُقُوقُ الْوَالِدَیْن یعنی ماں باپ کی نافرمانی اور ایذا رسانی دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہے۔

زندگی میں خصوصاً نوجوانی میں انسان سے بہت سے صغیرہ کبیرہ گناہ سرزد ہوجاتے ہیں، اور ماں باپ کی نافرمانی بھی ہو جاتی ہے، اگر کسی گناہ گار بندہ کو بوڑھے ماں باپ میسر آجائیں یعنی اس کی موجودگی میں بوڑھے ہو جائیں، تو گذشتہ گناہوں کے کفارہ کے لئے اور دوزخ سے آزاد ہوکر جنتی بننے کے لئے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کو ہاتھ سے نہ جانے دے، اس کو داخلۂ جنت کے لئے اکسیر (ذریعہ) جانے۔

جس شخص نے ماں باپ کو بوڑھا پایا لیکن ان کی خدمت نہ کی، ان کی دعائیں نہ لیں، بلکہ ان کا دل دُکھاتا رہا، اور جوشِ جوانی میں ان کی طرف سے غفلت برتتا رہا، جس کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہوگیا، ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین مرتبہ بددعا دی۔ اور فرمایا کہ یہ شخص دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہو۔

"أَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ"

تَرْجَمَة: "اے اللہ آپ ہماری حفاظت فرمائیں۔"

جس کے ماں باپ زندہ ہیں اُن کی زندگی کی قدر کرے، اور اُن کو راضی رکھ کر جنت کمالے[1]

---

[1] حقوق الوالدین: صفحہ ۶۵

والدین کی نافرمانی گناہِ کبیرہ ہے

حدیث نمبر ۲۵: ﴿وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْكَبَائِرُ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ﴾[1]

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا (۳) کسی جان کو قتل کر دینا (جس کا قتل کرنا شرعاً قاتل کے لئے حلال نہ ہو) (۴) جھوٹی قسم کھانا۔“

فائدہ: کبیرہ گناہوں کی فہرست طویل ہے اس حدیث میں اُن گناہوں کا ذکر ہے جو بہت بڑے ہیں، ان میں شرک کے بعد ہی عقوق الوالدین کا ذکر فرمایا ہے، لفظ عقوق میں بہت عموم ہے، ماں باپ کو کسی بھی طرح ستانا، قول سے یا فعل سے ان کو ایذا دینا دل دکھانا، نافرمانی کرنا، حاجت ہوتے ہوئے اُن پر خرچ نہ کرنا یہ سب عقوق میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو محبوب ترین اعمال ہیں ان میں بروقت نماز پڑھنے کے بعد ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا درجہ بتایا ہے۔ بالکل اسی طرح بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کی فہرست میں شرک کے بعد ماں باپ کے ستانے اور ان کی نافرمانی کرنے کو شمار فرمایا ہے، ماں باپ کی نافرمانی اور ایذا رسانی کس درجہ کا گناہ ہے اس حدیث سے صاف واضح ہے۔[2]

---

[1] بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب الیمین الغموس: ۹۸۷/۲

[2] حقوق الوالدین: صفحہ ۶۳

والدین کو ستانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا

حدیث نمبر ۲۶: ﴿وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ وَّلَا عَاقٌّ وَّ لَا مُدْمِنُ خَمْرٍ﴾[1]

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں احسان جتانے والا اور (ماں باپ) کو ستانے والا اور شراب کی عادت رکھنے والا داخل نہ ہوگا۔''

فائدہ: کسی کو کچھ دے کر یا کسی کے ساتھ کچھ اچھا سلوک کرکے احسان جتلانا گناہ ہے، اگر کسی کو صدقہ دے دیا پھر احسان جتا دیا تو اس سے صدقہ کا ثواب ختم ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾[2]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتلا کر اور ایذا پہنچا کر برباد مت کرو۔''

بہت سے لوگوں کو احسان جتانے کی عادت ہوتی ہے، ذرا سا کسی کے ساتھ کچھ سلوک کر دیا اور ہزاروں من کے احسان کے پہاڑ رکھ دیے، جس کے ساتھ کچھ سلوک کر دیا تھا وہ پانی پانی ہو جاتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ کاش اس کم ظرف سے میں کچھ کام ہی نہ لیتا، جو آج احسان کے بوجھ سے دبتا، غریب کو اس قدر فائدہ نہ پہنچا جس قدر احسان جتانے سے ایذا پہنچی، اور احسان جتانے والے کی باتوں سے

---

[1] نسائی، کتاب الاشربة، الروایة فی المدمنین فی الخمر: ۳۳۱/۲

[2] سورۂ بقرہ، آیت: ۲۶٤

سینہ چھلنی ہوا۔

اس حدیث مبارک میں فرمایا کہ احسان جتانے والا، اور ماں باپ کو ستانے والا، اور شراب کی عادت رکھنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

احسان جتانے کے عموم میں سب آ گئے، رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کر کے احسان جتائے یا غیر رشتہ داروں کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرے، بہر حال یہ حرکتِ بد ہے اور گناہ ہے، جو جنت کے داخلہ سے روکنے والا ہے۔ جو لوگ اس گناہ میں مبتلا ہیں توبہ کریں۔ ماں باپ سے معافی مانگیں اور آئندہ کے لئے عمل درست کریں، اور حسنِ سلوک کا برتاؤ رکھیں۔[۱]

والدین کو گھورنا بھی نافرمانی ہے

حدیث نمبر ۲۷: ﴿وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا بَرَّ أَبَاهُ مَنْ حَدَّ إِلَيْهِ الطَّرَفَ.﴾[۲]

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص نے اپنے والد کے ساتھ حسنِ سلوک نہیں کیا جس نے والد کو تیز نظروں سے دیکھا۔"

فائدہ: اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کو تیز نظر سے دیکھنا بھی اُن کے ستانے میں داخل ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ عقوق یعنی ماں باپ کے ستانے کی کیا حد ہے؟

انہوں نے جواب میں فرمایا: (۱) کہ ان کو (خدمت سے اور مال سے) محروم

---

[۱] حقوق الوالدین: صفحہ ۷۸

[۲] درمنثور: ٥/٢٦٠، سورة بنی اسرائیل، آیت: ٢٤

کرنا (۲) ان سے ملنا جلنا چھوڑ دینا (۳) اُن کے چہرے کی طرف تیز نظر سے دیکھنا یہ سب عقوق ہے۔

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: اگر ماں باپ تجھے ناراض کردیں یعنی ایسی بات کہہ دیں جس سے تجھے ناگواری ہو تو ان کی طرف ترچھی نظر سے بھی مت دیکھنا، کیونکہ انسان جب کسی پر غصہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے تیز نظر سے ہی اُس کا پتہ چلتا ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ دل سے ماں باپ کی تعظیم وتکریم کرتے ہوئے اعضا و جوارح سے بھی فرماں برداری اور انکساری ظاہر کرنا چاہیے، رفتار و گفتار اور نظر سے کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے اُن کو ایذا پہنچے۔[2]

﴿وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: اِبْكَاءُ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْعُقُوْقِ.﴾[3]

تَرْجَمَہ: ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ والدین کو رلانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔“

مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ شَدَّ النَّظَرَ إِلٰى وَالِدَيْهِ لَمْ يَبَرَّهُمَا، وَمَنْ أَدْخَلَ عَلَيْهِمَا مَا يَحْزُنُهُمَا فَقَدْ عَقَّهُمَا.﴾[4]

تَرْجَمَہ: ”جس نے اپنے والدین کو تیز نگاہ سے دیکھا اس نے ان کے ساتھ نیک سلوک نہیں کیا اور جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس سے والدین کو غم پہنچا تو اس نے ان کی حق تلفی کی۔“

---

[1] درمنثور عن ابن ابی حاتم

[2] حقوق الوالدین: صفحہ ۲۹

[3] بر الوالدین: ص ٤١

[4] بر الوالدین: ص ٦٦

کعب بن احبار رحمہ اللہ تعالیٰ سے عقوق کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

﴿إِذَا أَمَرَكَ وَالِدَاكَ بِشَيْءٍ فَلَمْ تُطِعْهُمَا فَقَدْ عَقَقْتَهُمَا الْعُقُوقَ كُلَّهُ.﴾[1]

ترجمہ: ''جب تیرے والدین کسی چیز کا حکم فرمائیں اور تو ان کی اطاعت نہ کرے تو یہ ان دونوں کی پوری حق تلفی ہے۔''

یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں:

﴿إِيْجَابُ الْحُجَّةِ عَلَى الْوَالِدَيْنِ عُقُوقٌ يَعْنِيْ الْإِنْتِصَارُ عَلَيْهِمَا فِي الْكَلَامِ.﴾[2]

ترجمہ: ''اپنے ماں باپ پر باتوں میں غالب آنا ان کی حق تلفی ہے۔''

والدین پر لعنت کرنے والا ملعون ہے

حدیث نمبر ۲۸: ﴿وَعَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ: سُئِلَ عَلِيٌّ: هَلْ خَصَّكُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ يَخُصَّ بِهِ النَّاسَ كَافَّةً؟ قَالَ: مَا خَصَّنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ يَخُصَّ بِهِ النَّاسَ إِلَّا مَا فِي قِرَابِ سَيْفِيْ ثُمَّ أَخْرَجَ صَحِيْفَةً فَإِذَا فِيْهَا مَكْتُوْبٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ، لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اٰوٰى مُحْدِثًا.﴾[3]

ترجمہ: ''حضرت ابوطفیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے آپ نے فرمایا: حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے پوچھا گیا، کیا کوئی چیز

---

[1] برالوالدین: ص ٦٧

[2] برالوالدین: ص ٦٧

[3] الادب المفرد، باب لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لعن والديه: ص١٨، رقم الحديث: ١٧

ایسی ہے کہ جس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مخصوص کیا ہو کہ وہ چیز سب لوگوں کو نہ دی گئی ہو؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مخصوص کیا ہو، سوائے اس چیز کے جو میری تلوار کی نیام میں ہے، پھر (تلوار کی نیام سے) ایک نوشتہ نکالا جس میں یہ لکھا تھا کہ جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، جو زمین کی نشانی چرائے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، جو اپنے والدین پر لعنت کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، جو کسی ایسے شخص کو ٹھکانا دے جس نے دینِ اسلام میں (عمل یا عقیدہ کے اعتبار سے) کوئی چیز نکالی ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔"

فَائِدَة: اس حدیث پاک میں چند لوگوں پر لعنت کی گئی ہے۔

اوّل: وہ شخص جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے، یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے قربانی کرتے ہیں یا حج میں جانور ذبح کرتے ہیں، اسی طرح بُت یا قبر یا پیر، فقیر کے نام ذبح کرنا تاکہ وہ خوش ہو، یہ لعنت والا عمل اور شرکِ جلی ہے۔

دوم: ایسے شخص پر لعنت بھیجی جو زمین کی نشانی چرا لے، صحیح مسلم میں لفظ "غَیَّرَ" بھی وارد ہوا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو زمین کی نشانی کو بدل دے، یہ کام زیادہ تر دیہاتی کاشت کار کیا کرتے ہیں۔ کھیتوں کے درمیان جو منڈیر بنا دی جاتی ہے، اُس کو کاٹ کر دوسرے کھیت کو اپنے کھیت میں ملانے کی کوشش کرتے ہیں، اور کھیتوں اور زمینوں کے درمیان فاصلہ قائم کرنے کے لئے جو نشانیاں مقرر کر دی جاتی ہیں، اُن کو چرا کر ضائع کر دیتے ہیں۔

یا اُن کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں تاکہ پتا نہ چلے کہ کس کی زمین کہاں تک ہے، پھر موقع پا کر راتوں رات دوسرے کی زمین اپنی زمین میں ملا لیتے ہیں، کاشت کی

زمینوں کے علاوہ شہری اور سکنائی جائیدادوں میں خورد بُرد کرنے کے لئے غلط نقشے بنوا کر پاس کرالینا، پٹواری کو کچھ لے دے کر دوسرے کی زمین اپنے نام کروالینا، یہ سب اسی لعنت کے کام میں شامل ہیں۔

سِوُم: اُس پر لعنت کی جو والدین پر لعنت کرے، اس کا مطلب بالکل واضح ہے، جہاں اُف کہنے کی گنجائش نہ ہو وہاں گالی دینے اور لعنت کرنے کی کہاں اجازت ہو سکتی ہے۔ بہت سے بے پڑھے بلکہ پڑھے لکھے مہذب لوگ اس گناہِ عظیم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ درمنثور صفحہ ۲۳۴ جلد۵، میں بھی یہ حدیث مستدرکِ حاکم کے حوالہ سے نقل کی ہے، اُس میں یہ الفاظ ہیں کہ "لَعَنَ اللّٰهُ الْعَاقَّ لِوَالِدَيْهِ" یعنی جو اپنے ماں باپ کو ستائے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔

چہارم: اس پر لعنت فرمائی جو کسی ایسے شخص کو پناہ دے جس نے دین میں کوئی بات اپنے پاس سے نکالی ہو۔

جو چیز اپنے پاس سے تجویز کرکے دین میں داخل کی جائے اُسے "بدعت" کہتے ہیں، بدعت اعتقادی بھی ہوتی ہے اور عملی بھی، دونوں قسم کی بدعت شریعتِ اسلامیہ میں مردود ہے، جو شخص کسی شخص کو ٹھکانہ دے جس نے بدعت ایجاد کی ہو، اس پر اس لئے لعنت کی کہ وہ بدعتی کا مددگار بن رہا ہے، اور بدعت کو تقویت پہنچا رہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جو فرمایا کہ ہم کو کسی ایسی چیز کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص نہیں فرمایا جو دوسروں کو نہ بتائی ہو سوائے چند چیزوں کے، یہ اُن کے اپنے علم کے مطابق ہے، ورنہ وہ چند چیزیں بھی اُن کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ چونکہ یہ باتیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کو اہمیت کے ساتھ بتائی تھیں، اور انھوں نے ان کا پرچہ بڑی اہمیت کے ساتھ محفوظ کر رکھا تھا۔ اس لئے یہ فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اُن کے ساتھ

مخصوص کیا۔

ایک گمراہ فرقہ یہ کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے، اور اُن کو خاص خاص باتیں بتائی تھیں، اس حدیث سے ان کی تردید ظاہر ہے، اگر یہ باتیں اُن کے ساتھ مخصوص ہوتیں کہ دوسروں سے پوشیدہ کرنا مقصود ہوتا تو وہ خود کسی کو نہ بتاتے، پھر ان باتوں کو دیکھ لو، ان میں وصیت اور خلافت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔[۱]

والدین کو گالی دینا گناہِ کبیرہ ہے

حدیث نمبر ۲۹: ﴿وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ مِنْ اَكْبَرِ الْكَبَائِرِ اَنْ يَّلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ، قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ.﴾[۲]

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے، حاضرین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آدمی کس طرح اپنے ماں باپ کو گالی دے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں (اس کی صورت یہ ہے کہ) کسی دوسرے کے باپ کو گالی دے تو وہ پلٹ کر گالی دینے والے کے باپ کو گالی دیدے، اور کسی دوسرے شخص کی ماں کو گالی دے تو وہ پلٹ کر

---

[۱] حقوق الوالدین: صفحہ ۷۲

[۲] بخاری، کتاب الادب، باب لا یسب الرجل والدہ: ۲/۸۸۳

گالی دینے والے کی ماں کو گالی دے۔"

فائدہ: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گالی دینے والے نے اپنی ماں یا اپنے باپ کو تو گالی نہ دی لیکن چونکہ دوسرے سے گالی دلوانے کا ذریعہ بن گیا اس لئے خود گالی دینے والوں میں شمار ہو گیا، نہ کسی دوسرے کے باپ یا ماں کو گالی دیتا نہ وہ پلٹ کر گالی دینے والے کے باپ یا ماں کو گالی دیتا، خود گالی نہ دی لیکن دوسرے سے گالی دلوادی۔

اس کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا، اسی سے سمجھ لیا جائے کہ جو شخص اپنے ماں باپ کو خود اپنی زبان سے گالی دے گا ظاہر ہے کہ اس کا گناہ عام کبیرہ گناہوں سے بڑھ کر ہوگا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے ماحول کے اعتبار سے یہ بات بڑے تعجب کی معلوم ہوئی کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے، اُن کے تعجب پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گالی کا ذریعہ اور سبب بننے والی صورت بتائی جو اس زمانہ میں پیش آسکتی تھی۔[1]

والدین کو ستانے کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے

حدیث نمبر ۳۰: ﴿وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ الذُّنُوْبِ يَغْفِرُ اللّٰهُ مِنْهَا مَا شَآءَ إِلَّا عُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ فَإِنَّهٗ يُعَجِّلُ لِصَاحِبِهٖ فِي الْحَيٰوةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ﴾[2]

ترجمہ: "حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کو ستانے کے علاوہ

---

[1] حقوق الوالدین: صفحہ ۷

[2] مشکوٰۃ، باب البر والصلۃ: ص ۴۲۱

تمام گناہ ایسے ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ شانہ جس کو چاہتے ہیں معاف فرما دیتے ہیں۔ اور ماں باپ کو ستانے کا گناہ ایسا ہے کہ اس گناہ کے کرنے والے کو اللہ جل شانہ موت سے پہلے دنیا والی ہی زندگی میں سزا دیدیتے ہیں۔"

فَائِدَة: ایک حدیث میں ارشاد ہے:

﴿مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ العُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَايَدَّخِرُ لَهُ فِيْ الآخِرَةِ، مِنَ البَغْيِ وَ عُقُوْقِ الْوَالِدَيْنِ﴾[1]

تَرْجَمَة: "ظلم اور والدین کی نافرمانی کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کا ارتکاب کرنے والا دنیا میں سزا پانے کا زیادہ مستحق ہو، ان دونوں گناہوں کے مرتکب کو دنیا میں بھی سزا دے دی جاتی ہے (لیکن اس سے آخرت کی سزا ختم نہیں ہوجاتی بلکہ) اس کے لئے آخرت کی سزا بھی بطور ذخیرہ رکھ لی جاتی ہے، جب آخرت میں پہنچے گا تو وہاں بھی سزا پائے گا۔"

معلوم ہوا کہ ماں باپ کو ستانے اور رشتہ داروں سے قطع رحمی کا برتاؤ کرنے کی سزا دنیا اور آخرت دونوں جہان میں ملتی ہے، اس لئے دنیا میں جب بھی کسی پر کوئی مصیبت آئے تو اپنی زندگی کا جائزہ لے، اپنے گناہوں کو سوچے کہ کس گناہ کی وجہ سے یہ مصیبت آئی ہے؟

ان گناہوں میں سب سے اہم ماں باپ کو ستانا ہے، اس لئے دنیا کی مصیبتوں کو دور کرنے کا پہلا ذریعہ گناہوں سے توبہ اور استغفار ہے، اور ماں باپ سے معافی مانگنا، ان کی خدمت کرنا، ان کی دعائیں لینا۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کو ماں باپ کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ آمین

---

[1] عاقبة عقوق الوالدين: ص۱۴

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:
﴿بابَانِ مُعَجَّلَانِ عُقُوبَتهما فِي الدُّنْيَا الْبَغْيُ وَالعُقُوقُ﴾[1]
ترجمہ: ”دو گناہ ایسے ہیں جن کی سزا دنیا ہی میں جلد از جلد مل جاتی ہے ایک والدین کی نافرمانی کا گناہ اور دوسرا ظلم کرنا۔“

والدین کا قاتل سب سے زیادہ سخت عذاب میں ہوگا

حدیث نمبر (۳۱): ﴿وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَتَلَ نَبِيًّا أَوْ قَتَلَهُ نَبِيٌّ أَوْ قَتَلَ أَحَدَ وَالِدَيْهِ وَالْمُصَوِّرُوْنَ وَ عَالِمٌ لَّمْ يَنْتَفِعْ بِعِلْمِهٖ﴾[2]

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب والا وہ شخص ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کر دیا، یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا، یا جس نے اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کیا اور تصویر کھینچنے والوں کو اور اس عالم کو بھی سب سے زیادہ عذاب ہوگا، جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہ کیا۔“

فائدہ: جن لوگوں کو سب سے زیادہ شدید عذاب ہوگا اس حدیث پاک میں اُن کا ذکر ہے، ان لوگوں میں وہ بھی ہے جو اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کر دے۔
پرانے زمانے میں صدیوں پہلے تو شاید اس کا تصور بھی نہ ہوسکتا ہوگا کہ کوئی شخص اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کر دے، لیکن آج کل تو ایسے لوگ موجود ہو گئے

---
[1] عاقبة عقوق الوالدين: ص ۷
[2] مشكوٰة، باب التصاوير: ص ۳۸۷

ہیں جن کے لئے زمین و جائیداد کے جھگڑوں میں باپ کو موت کے گھاٹ اُتار دینا معمولی سی بات ہوگئی ہے، چونکہ ماں باپ اولاد کے وجود میں آنے کا ذریعہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، اس لئے ان کے قاتل کو ان لوگوں میں شمار فرمایا جو سب سے زیادہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔[1]

والدین کی وفات کے بعد فرماں بردار بننے کا طریقہ

حدیث نمبر ۳۲: ﴿عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوْتُ وَالِدَاهُ أَوْ أَحَدُهُمَا وَ إِنَّهُ لَهُمَا لَعَاقٌّ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْ لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا﴾[2]

ترجمہ: "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک مرجائے، اور وہ شخص ان کی نافرمانی کرنے والا ہو، تو ان کے لئے ہمیشہ دعائے مغفرت کرتا رہے، اس کے علاوہ ان کے لئے اور دعائیں کرتا رہے، تو وہ شخص فرماں برداروں میں شمار ہو جائے گا۔"

فائدہ: یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر انعام و احسان اور لطف و کرم ہے کہ والدین کی زندگی میں بسا اوقات ناگوار امور پیش آجانے سے دلوں میں میل آجاتا ہے، لیکن جتنا بھی رنج ہو جائے والدین ایسی چیز نہیں جن کے مرنے کے بعد بھی دلوں میں وہ رنج باقی رہے، ان کے احسانات یاد آجانے پر آدمی بے تاب نہ ہو، لیکن اب وہ مر گئے،

---

[1] حقوق الوالدین: صفحہ ۷۵

[2] مشکوٰۃ باب البرّ والصّلۃ ص ۴۲۱

اب کیا تلافی ہوسکتی ہے؟

اللہ جل شانہ نے اپنے فضل سے اس کا دروازہ بھی کھول دیا کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے دعائیں کرے ...... ان کی مغفرت کو اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے ...... ان کے لئے ایصالِ ثواب جانی اور مالی کرتا رہے ...... تو یہ ان کی زندگی کے زمانہ میں جو ان کے حقوق ضائع ہوئے ہیں اس کی تلافی کردے گا۔ اور بجائے نافرمانوں میں شمار ہونے کے فرماں برداروں میں شمار ہوجائے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ ہاتھ سے وقت نکل جانے کے بعد بھی اس کا راستہ کھول دیا۔ کس قدر بے غیرتی اور دل کی سختی ہوگی اگر اس موقعہ کو بھی ہاتھ سے کھو دیا جائے۔ ایسا کون ہوگا جس سے ہمیشہ والدین کی رضا ہی کے کام ہوتے رہے ہوں؟ ادائے حقوق میں کوتاہی تو کچھ نہ کچھ ہوتی ہی ہے۔ اگر اپنا معمول اور کوئی ضابطہ ایسا مقرر کرلیا جائے جس سے ان کو ثواب پہنچتا رہے تو کس قدر اعلیٰ چیز حاصل ہوسکتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرے تو یہ ان کے لئے حجِ بدل ہوسکتا ہے، ان کی روح کو آسمان میں اس کی خوشخبری دی جاتی ہے اور یہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرماں برداروں میں شمار ہوتا ہے، اگرچہ پہلے سے نافرمان ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے والدین میں سے کسی کی طرف سے حج کرے تو ان کے لئے ایک حج کا ثواب ہوتا ہے اور حج کرنے والے کے لئے دس حجوں کا ثواب ہوتا ہے۔[1]

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی اگر کوئی نفلی صدقہ کرے، تو اس میں کیا حرج ہے کہ اس کا ثواب اپنے والدین کو بخش دیا کرے بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں کہ اس صورت میں ان کو ثواب پہنچ جائے گا اور صدقہ کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہ

---

[1] کنز العمال: ١٦/١٩٤، رقم الحديث: ٤٥٤٧٦

ہوگی۔[1]

اس حدیث شریف کے موافق کچھ کرنا بھی نہیں پڑتا۔ جو کچھ بھی کسی موقع پر خرچ کیا جائے، اس کا ثواب اپنے والدین کو پہنچا دیا کرے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پاک ذات کی قسم جس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حق بات کے ساتھ بھیجا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام میں ہے کہ جو شخص تیرے باپ کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہو تو اس کے ساتھ قطع رحمی نہ کر، اس سے تیرا نور جاتا رہے گا۔[2]

ایک حدیث میں ہے کہ جو اپنے والدین کی یا ان میں سے ایک کی قبر کی ہر جمعہ کو زیارت کرے، اس کی مغفرت کی جائے گی اور وہ فرماں برداروں میں شمار ہوگا۔[3]

---

[1] کنز العمال ٦/١٧١ رقم الحديث: ١٦٢٤١

[2] کنز العمال، ١٦/١٩٣: رقم الحديث: ٤٥٤٥٢

[3] کنز العمال ١٦/١٩٥ رقم الحديث: ٤٥٤٧٩

والدین کی قدر
اکابرین کی نظر میں

واقعہ ①: حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہاڑ پر تھے، جب ہم ایک وادی پر سے گزرے تو میں نے ایک نوجوان کو دیکھا اور اس کی جوانی مجھ کو بہت اچھی لگی۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! کتنی اچھی جوانی ہے اگر یہ جوانی اللہ تعالیٰ کے راستے میں لگتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿يا عُمَرُ فَلَعَلَّهُ فِيْ بَعْضِ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ أَنْتَ لَا تَعْلَمُهُ﴾

ترجمہ: "اے عمر! شاید وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہو اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔"

پھر وہ نوجوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿يا شَابُّ، هَلْ لَّكَ مَنْ تَعُوْلُ؟ قَالَ: نَعَمْ﴾

﴿قَالَ: مَنْ؟ قَالَ: أُمِّي. فَقَالَ إِلْزَمْهَا فَإِنَّ عِنْدَ رِجْلَيْهَا الْجَنَّةَ﴾[1]

ترجمہ: "کیا اہل وعیال میں سے تمہارا کوئی ہے؟

اس نوجوان نے کہا کہ جی ہاں میری والدہ ہیں! آپ صلی اللہ علیہ

[1] كنز العمال ٢٥٧/٤، كتاب الجهاد، رقم: ١١٧٥٦

وسلم نے فرمایا: اس کی (خدمت کو) لازم پکڑو اس کے قدموں کے پاس جنت ہے۔"

واقعہ ②: حضرت طیلہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا: کہ میری والدہ میرے ساتھ رہتی ہیں (میں ان کے ساتھ کس طرح حسن سلوک کروں) فرمایا:

﴿وَاللّٰهِ لَوْ أَلَنْتَ لَهَا الْكَلَامَ، وَأَطْعَمْتَهَا الطَّعَامَ لَتَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مَا اجْتَنَبْتَ الْكَبَائِرَ.﴾[1]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم ان کے لئے اپنی بات کو نرم کرو گے اور ان کی ضرویات کو پورا کرو گے تو تم ضرور بالضرور جنت میں جاؤ گے جب تک کہ گناہِ کبیرہ سے بچتے رہو۔"

واقعہ ③: ﴿ورُوِیَ عَنْ مُوسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ لَمَّا تَعَجَّلَ اِلٰی رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ رَاٰی فِي ظِلِّ الْعَرْشِ رَجُلًا فَغَبِطَه بِمَكَانِهٖ، وَقَالَ: اِنَّ هٰذَا لَكَرِيْمٌ عَلٰی رَبِّهٖ فَسَاَلَ رَبَّه عَزَّوَجَلَّ اَنْ يُّخْبِرَهُ بِاسْمِهٖ، فَلَمْ يُخْبِرْهُ بِاسْمِهٖ وَقَالَ: اُحَدِّثُكَ مِنْ عَمَلِهٖ بِثَلَاثٍ: كَانَ لَا يَحْسُدُ النَّاسَ عَلٰی مَآ آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَكَانَ لَا يَعُقُّ وَالِدَيْهِ، وَ كَانَ لَا يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ﴾[2]

ترجمہ: "حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام جلدی کرتے ہوئے اپنے رب کے پاس پہنچے، تو اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے میں ایک نیک آدمی کو دیکھا اس آدمی کی حالت اتنی اچھی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان پر رشک آنے لگا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس آدمی کے نام کے بارے میں پوچھا مگر اللہ تعالیٰ

[1] بر الوالدین ص٤٠ لابن الجوزی
[2] تحا سدُ العُلَماء: ص٤٣

نے اس کا نام نہیں بتایا اور فرمایا کہ میں اس کی تین صفات کے بارے میں بتاتا ہوں۔ ① جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے دوسروں کو نعمتیں عطا فرمائیں ہیں (مال ودولت، حسن وجمال، عہدہ ومنصب وغیرہ وغیرہ) اس پر حسد نہیں کرتا تھا۔

② والدین کی نافرمانی نہیں کرتا تھا ③ چغل خوری نہیں کرتا تھا۔"

واقعہ ④: ایک صاحب نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میری والدہ اتنی عمر رسیدہ وضعیف ہوچکی ہیں کہ وہ میری کمر پر سوار ہوئے بغیر اپنا کوئی کام کاج نہیں کرسکتیں (یعنی ہر وقت انہیں اپنی کمر پر پھراتا ہوں) تو کیا اس طرح میں نے ان کا حق ادا کردیا ہے؟

انہوں نے فرمایا جی نہیں!

﴿لأنها كانت تصنع ذلك بك، وهي تتمنى بقائك، وأنت تصنعه تتمنى فراقها﴾

ترجمہ: "اس لئے کہ تمہاری والدہ تمہارے ساتھ بھی یہی کیا کرتی تھیں اور پھر اس کی تمنا یہ ہوتی تھی کہ تمہیں زندگی ملے تو اس کی خوشیاں اور بہاریں دیکھے۔ اور تم اسے اُٹھا کر پھرتے اور یہ تمنا کرتے ہو کہ تمہاری جان اس سے جلدی چھوٹ جائے۔"[1]

واقعہ ⑤: حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کھجور کے ایک درخت کی قیمت ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (درخت بیچنے کے بجائے) اندر سے کھود کر کھجور کے درخت کو کھوکھلا کردیا اور اس کا گودا نکال کر اپنی والدہ کو کھلا دیا۔ لو

[1] مختصر برالوالدین ص:۵۸

گوں نے ان سے کہا آپ نے ایسا کیوں کیا، حالانکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک کھجور کے درخت کی قیمت ہزار درہم تک پہنچ چکی ہے؟

انہوں نے کہا میری والدہ نے کھجور کا گودا مجھ سے مانگا تھا اور میری عادت یہ ہے کہ جب میری والدہ مجھ سے کچھ مانگتی ہیں اور اس کا دینا میرے بس میں ہو تو میں وہ چیز ضرور ان کو دیتا ہوں[1]

واقعہ ⑥: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ: ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ سے بہت بڑا گناہ صادر ہوگیا اب کیا میرے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے؟ تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کیا تیری ماں زندہ ہے؟

اس نے کہا: نہیں! انہوں نے فرمایا:

﴿تُبْ إِلَى اللّٰهِ وَ تَقَرَّبْ إِلَيْهِ مَا اسْتَطَعْتَ﴾

ترجمہ: ''توبہ و استغفار کرو اپنے گناہوں کی معافی مانگو، اور جس قدر ممکن ہو نیکیاں اور اچھے اعمال کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرلو۔''

پھر کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کیوں ان کی ماں کی زندگی کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

﴿إِنِّي لَآ أَعْلَمُ عَمَلًا أَقْرَبُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ بِرِّ الْوَالِدَةِ.﴾[2]

ترجمہ: ''میں کسی ایسے عمل کو نہیں جانتا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ماں کے ساتھ نیکی کرنے کے عمل سے زیادہ محبوب ہو۔''

واقعہ ⑦: ابو نوفل سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تیرے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟

---

[1] حیاۃ الصحابہ: ص۷۷۰، زمزم پبلشرز

[2] بر الوالدین ص۴۷

اس نے کہا کہ میرے والد صاحب زندہ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

﴿انْطَلِقْ فَبَرَّهُ وَأَحْسِنْ إِلَيْهِ﴾

تَرجَمہ: ”جاؤ اور ان کے ساتھ نیکی کا معاملہ کرو اور ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔“

جب وہ چلا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ كَانَتْ أُمُّهٗ حَيَّةً فَبَرَّهَا وَأَحْسَنَ إِلَيْهَا، رَجَوْتُ أَلَّا تَطْعَمَهُ النَّارُ أَبَدًا.﴾[1]

تَرجَمہ: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر اس کی ماں زندہ ہوتی اور وہ اس کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرتا (اچھے اخلاق سے پیش آتا، ادب و احترام کرتا) تو مجھے امید ہے کہ جہنم کی آگ اس کو کبھی بھی نہ چھوتی۔“

واقعہ ⑧: انس بن نضر الاشجعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ بعض رات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی والدہ اُن سے پانی مانگتی تو وہ ان کے لئے پانی لے کر آتے تو نیند ان کو اپنی آغوش میں لے لیتی تو وہ ان کے سر کے پاس پانی لے کر کھڑے رہتے یہاں تک کہ صبح ہوجاتی۔[2]

واقعہ ⑨: ﴿رَوٰى جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ أَنَّهٗ كَانَ يَضَعُ خَدَّهٗ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ يَقُوْلُ لِأُمِّهٖ قُوْمِيْ ضَعِيْ قَدَمَكِ عَلٰى خَدِّيْ﴾[3]

تَرجَمہ: ”محمد بن المنکدر رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ وہ اپنے گال

---

[1] بر الوالدین: ص ٤٧

[2] فضل بر الوالدین، ص:١٥

[3] فضل بر الوالدین، ص:١٦

کو زمین کے اوپر رکھتے اور پھر اپنے ماں سے کہتے کہ ماں آپ میرے گال کے اوپر اپنے پاؤں کو رکھیے۔ (تو بھی آپ کا حق ادا نہیں ہوسکتا)۔"

واقعہ ⑩: اخنبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں منصور بن المعتمر رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے گھر میں بیٹھا تھا کہ ان کی والدہ نے غصہ سے اُن کو پکارتے ہوئے کہا:

منصور! ابن ہبیرہ تجھے قاضی بنانا چاہتا ہے اور تو نے اس سے انکار کردیا ہے۔

منصور بن المعتمر رحمہ اللہ تعالیٰ سر جھکائے بیٹھے رہے اور ادب کی وجہ سے آنکھ اٹھا کر بھی والدہ کی طرف نہ دیکھا۔[1]

واقعہ ⑪: ابن حسن التیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بچھو کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ ایک سوراخ میں داخل ہوگیا، انہوں نے اپنی انگلی اس سوراخ میں ڈالی، اس نے ابن حسن کی انگلی پر کاٹ لیا پھر ابن حسن سے اس عمل کے بارے میں پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟

انہوں نے فرمایا: کہ میں اس بات سے ڈرا کہ بچھو دوسری دفعہ نکلے اور میری ماں کے پاس آکر اس کو کاٹے۔[2]

واقعہ ⑫: مامون نے کہا کہ میں نے فضل بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے والد کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے والے کو نہیں دیکھا۔ اس کے نیک عمل میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان کے والد صاحب گرم پانی کے علاوہ وضو نہیں کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ دونوں جیل میں تھے تو جیلر (یعنی جیل کے نگران) نے ٹھنڈی رات

---

[1] فضل بر الوالدین، ص:١٦

[2] فضل بر الوالدین، ص:١٦

میں لکڑیاں اندر لے جانے سے منع کر دیا۔ جب ان کے والد صاحب سو گئے تو فضل نے وہ پیالہ جس میں پانی گرم کیا جاتا تھا لیا اس میں پانی بھرا اور چراغ لے کر اوپر رکھ دیا اور اس کو لے کر برابر کھڑے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور پانی گرم ہوگیا۔[1]

واقعہ (۱۳): عمر بن ذر رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا گیا تمہارے بیٹے کا تمہارے ساتھ کس طریقے کا معاملہ ہے؟

انہوں نے فرمایا:

﴿مَا مَشَيْتُ نَهَاراً قَطُّ إِلا مَشٰى خَلْفِيْ، وَلَا لَيْلًا إِلَّا مَشٰى أَمَامِي، وَلَا رَقٰى سَطْحًا وَأَنَا تَحْتَهٗ.﴾[2]

ترجمہ: ''وہ دن کو میرے پیچھے چلتا ہے اور رات کو میرے آگے چلتا ہے اور ایسی چھت پر نہیں سوتا، جس کے نیچے میں ہوتا ہوں۔''

واقعہ (۱۴): حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی والدہ کے ساتھ بہت نیکی کا برتاؤ کرنے والے تھے۔ یہاں تک کہ ان سے کہا گیا کہ آپ تو اپنی والدہ کے ساتھ لوگوں میں زیادہ نیکی کا برتاؤ کرنے والے ہیں، لیکن ہم آپ کو اپنی والدہ کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھاتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ والدہ جب کھا کر فارغ ہو جاتی ہیں پھر آپ کھاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

اس پر انہوں نے کہا:

﴿أَخَافُ أَنْ تَسْبِقَ يَدِىْ إِلٰى مَا قَدْ سَبَقَتْ عَيْنُهَا إِلَيْهِ فَأَكُوْنُ قَدْ عَقَقْتُهَا﴾

ترجمہ: ''میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ کہیں میرے ہاتھ اس چیز کی طرف سبقت نہ لے جائیں جس کی طرف میری ماں کی آنکھیں سبقت

---

[1] فضل بر الوالدين، ص: ١٦

[2] بر الوالدين: ص ١٧

لے گئیں ہوں اور اس طرح میں نافرمانوں میں سے ہو جاؤں[1]"

واقعہ ⑮: رفاعہ بن ایاس رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہی روایت ہے کہ ایاس بن معاویہ کی ماں کا انتقال ہو گیا تو رونے لگے کسی نے کہا کیوں روتے ہو؟

تو انہوں نے فرمایا:

﴿كَانَ لِيْ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ إِلَى الْجَنَّةِ وَاُغْلِقَ اَحَدُهُمَا.﴾[2]

ترجمہ: "میرے لئے والدہ کے ذریعے سے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے تھے اب ان میں ایک بند ہو گیا۔"

کعب بن علقمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

یا اللہ! مجھے کوئی نصیحت کیجیے یا وصیت کیجیے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أُوْصِيْكَ بِأُمِّكَ، فَإِنَّهَا حَمَلَتْكَ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ قَالَ: ثُمَّ بِمَنْ؟ قَالَ: بِأُمِّكَ ثُمَّ بِأَبِيْكَ.﴾[3]

ترجمہ: میں تم کو نصیحت کرتا ہوں تمہاری ماں کے بارے میں، بے شک اس نے تم کو مشقت پر مشقت کے ساتھ اٹھایا ہے۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اس کے بعد کون؟

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کے بعد تیری ماں اس کے بعد پھر تیرا والد۔"

واقعہ ⑯: رفاعہ بن ایاس رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ الحارس العکلی کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنی والدہ کے جنازے میں رو رہے ہیں تو ان سے کہا گیا کہ کیوں رو

---

[1] فضل بر الوالدین: ص۱۷

[2] بر الوالدین: ص٤٨

[3] بر الوالدین: ص٤٨

رہے ہو؟

تو انہوں نے فرمایا:

﴿وَلِمَ لَا اَبْكِيْ وَقَد اُغْلِقَ عَنّي بَابٌ مِّنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''کیوں نہ روؤں کہ مجھ پر جنت کے دروازے میں سے ایک دروازہ بند کر دیا گیا۔''

قول ①: ﴿وَعَنِ الْحَسَنِ اَنَّه سُئِلَ عَنْ بِرِّالْوَالِدَيْنِ فَقَالَ: اَنْ تَبْذُلَ لَهُمَا مَا مَلَكْتَ وَ تُطِيْعُهُمَا مَالَمْ يَكُنْ مَعْصِيَةً﴾[2]

تَرْجَمَہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے والدین کے ساتھ نیکی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا جس چیز کے تم مالک ہو وہ ان پر خرچ کر دو اور ان کی اطاعت کرو جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو۔''

قول ②: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا ایسے آدمی کے بارے میں جو اپنے والدین کو نیکی کا حکم اور برائیوں سے منع کرتا ہے؟

''قَالَ: اِنْ قَبِلَا، وَاِنْ كَرِهَا فَدَعْهُمَا.''[3]

تَرْجَمَہ: ''تو انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ قبول کرلیں تو بہت اچھا اور ناپسند کریں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔''

قول ③: ''وَعَنِ الْعَوَامِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ لِمُجَاهِدٍ: يُنَادِي الْمُنَادِيْ بِالصَّلَاةِ وَيُنَادِيْنِيْ رَسُوْلُ اَبِيْ قَالَ اَجِبْ اَبَاكَ.''[4]

---

[1] برالوالدین: ص۴۸

[2] برالوالدین: ص۴۰

[3] برالوالدین: ص۴۱

[4] برالوالدین: ص۴۱

تَرجَمَہ: ’’حضرت عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا مؤذن نماز کے لئے بلا رہا ہے۔ اور دوسری طرف میرے والد کا قاصد بلا رہا ہے تو اس پر انہوں نے کہا کہ اپنے باپ کا جواب دو۔‘‘ (یعنی پہلے قاصد کا، پھر اذان کا جواب دو)۔

قول ④: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: کہ والدہ دو تہائی نیکی کی مستحق ہیں اور والد ایک تہائی کے۔[1]

قول ⑤: امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے وہ مکحول رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ جب تو نماز کی حالت میں ہو اور تیری ماں تجھ کو بلائے تو اس کا جواب دے اور اگر تیرے والد بلائیں تو تم ان کو نماز سے فارغ ہو کر جواب دینا۔[2]

قول ⑥: یعقوب العجلی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ میں نے عطا رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا:

’’تَحبِسُنِیْ أُمِّیْ فِی اللَّیْلَةِ الْمَطِیْرَةِ عَنِ الصَّلَاةِ فِیْ الْجَمَاعَةِ؟
فَقَالَ: أَطِعْهَا‘‘[3]

تَرجَمَہ: ’’میری ماں مجھ کو بارش والی رات میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد سے روک دیتی ہے تو میں کیا کروں؟
عطا رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اپنی ماں کی اطاعت کرو۔‘‘

قول ⑦: ابو حازم رحمہ اللہ تعالیٰ عمارہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا فرماتے تھے:

’’وَيْحَكَ، أَمَا شَعَرْتَ أَنَّ نَظْرَكَ إِلٰی وَالِدَتِكَ عِبَادَةٌ، فَكَيْفَ

---

[1] بر الوالدین: ص ٤٨

[2] بر الوالدین لابن الجوزی ص ٤٣

[3] بر الوالدین: ص ٤٨

الْبِرُّ بِهَا؟"[1]

تَرْجَمَہ: "تیرا بھلا ہو! کیا تجھے نہیں معلوم کہ تیرا اپنی والدہ کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے، تو اُس کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا کیا مرتبہ ہوگا؟"

[1] برالوالدین لابن الجوزی ص۴۹

والدین کی اطاعت و نافرمانی کے متعلق واقعات

والد کی بات ماننے والا کامیاب[1]

جب حضرت آدم و حوّا علیہما السلام زمین پر اُتار دیئے گئے تو انسانی آبادی میں اضافے کے لئے یہ طریقہ شروع ہوا کہ حضرت حوّا کو بیک وقت ایک لڑکا اور لڑکی جڑواں پیدا ہوتے تھے، اس وقت جب کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سوائے بہن بھائیوں کے کوئی اور نہ تھا، اور بہن بھائی کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ لیکن اللہ جلّ شانُہٗ نے اس وقت کی ضرورت کے لحاظ سے شریعتِ آدم علیہ السلام میں یہ خصوصی حکم جاری فرما دیا تھا کہ ایک حمل سے جو لڑکا اور لڑکی پیدا ہوں آپس میں حقیقی بہن بھائی سمجھے جائیں، اور ان کے درمیان نکاح حرام قرار پائے، لیکن دوسری مرتبہ حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے کے لئے پہلے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی حقیقی بہن کے حکم میں نہیں ہوگی، بلکہ ان کے درمیان رشتۂ ازدواج جائز ہوگا۔

لیکن ہوا یہ کہ پہلے لڑکے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی ”اقلیما“ وہ خوبصورت تھی اور دوسرے لڑکے ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی اس کی بہن ”البودا“ خوبصورت نہ تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی شریعت کے مطابق ہابیل کی بہن کا قابیل کے ساتھ اور قابیل کی بہن کا ہابیل کے ساتھ نکاح کرنا چاہا، اس پر قابیل

---

[1] واقعہ نمبر ۱

ناراض ہوکر ہابیل کا دشمن ہوگیا، اور اصرار کرنے لگا کہ میرے ساتھ جولڑکی پیدا ہوئی ہے وہی میرے نکاح میں دی جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے شرعی قاعدہ کے موافق اس کو قبول نہ فرمایا۔ اور سمجھایا کہ وہ تیرے لئے حلال نہیں۔ مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا، اور والد محترم کی بات ماننے پر راضی نہ ہوا۔

تو حضرت آدم علیہ السلام نے سمجھانے کا دوسرا طریقہ اختیار فرمایا کہ شاید بیٹے کو سمجھ آجائے اور دونوں بھائیوں میں اختلاف دور ہوجائے۔

صورت یہ تجویز فرمائی کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ کے لئے پیش کرو جس کی قربانی قبول ہوجائے گی، یہ لڑکی اس کے نکاح میں آجائے گی، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو یقین تھا کہ قربانی اسی کی قبول ہوگی جس کا حق ہے، یعنی ہابیل کی۔

اس زمانہ میں قربانی قبول ہونے کی ایک واضح اور کھلی ہوئی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آتی اور قربانی کو کھا جاتی تھی، اور جس قربانی کو آگ نہ کھائے تو یہ علامت اس کے نامقبول ہونے کی ہوتی تھی۔

اب صورت یہ پیش آئی کہ ہابیل کے پاس بھیڑ بکریاں تھیں، اس نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی کی، قابیل کاشت کار آدمی تھا، اس نے کچھ غلہ گندم وغیرہ قربانی کے لئے پیش کیا۔

پھر ہوا یہ کہ حسبِ دستور آسمان سے آگ آئی، ہابیل کے دنبہ کو کھا گئی اور قابیل کا غلہ جوں کا توں پڑا رہ گیا، اس پر قابیل کو اپنی ناکامی کے ساتھ رسوائی کا غم اور غصہ بڑھ گیا، تو اس سے رہا نہ گیا، اور کھلے طور پر اپنے بھائی سے کہہ دیا:

﴿لَاَقْتُلَنَّكَ﴾

یعنی میں تجھے قتل کرڈالوں گا۔

تو ہابیل نے اس وقت بھی غصہ کی بات کا جواب غصہ کے ساتھ دینے کے بجائے

ایک ٹھنڈی اور اصولی بات کہی جس میں اس کی ہمدردی اور خیر خواہی بھی تھی کہ:

﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾[1]

تَرجَمہ: ''یعنی اللہ تعالیٰ کا دستور یہی ہے کہ متقی پرہیزگار کا عمل قبول فرمایا کرتے ہیں۔''

اگر تم تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو تمہاری قربانی بھی قبول ہوتی تم نے ایسا نہیں کیا تو قربانی قبول نہ ہوئی، اس میں میرا کیا قصور ہے؟[2]

حضرت مولانا ادریس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ ادب والوں ہی کی نیاز (قربانی) قبول کرتا ہے۔''

تو نے تقویٰ اور ادب کو چھوڑ دیا اس لئے تیری نیاز (قربانی) قبول نہیں ہوئی تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔[3]

اس قصے میں عبرت کے چند نصیحت آمیز پہلو

(١) اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنا بہت بڑی صفت ہے اس کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اسلام کا مفہوم ہی اپنی گردن کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری کے لئے جھکا دینا ہے۔ حالات و واقعات جیسے بھی ہوں خوشی ہو یا غم، تکلیف و پریشانی ہو یا خوشی اور راحت، بیماری ہو یا صحت، فقر ہو یا غنا، کچھ بھی ہو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے صبر کرنے اور تقدیر کے فیصلے پر راضی رہنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے۔

البتہ یہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ یہ حال جو مجھ پر آیا ہے اس کی وجہ میری بدعملی تو نہیں اور اگر اس کی وجہ اپنی بدعملی ہے تو اپنے عمل کو ٹھیک کر کے ہر حال میں اللہ تعالیٰ

---

[1] سورہ مائدہ، آیت نمبر: ٢٧

[2] معارف القرآن جلد ٣ صفحہ ١١٣

[3] معارف القرآن للشیخ ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جلد ٢ صفحہ ٤٨٤

کا حکم پورا کرنا چاہئے، چاہے اس میں ظاہراً کوئی نقصان نظر آئے یا خواہش ٹوٹتی نظر آئے حتیٰ کہ جان بھی جاتی نظر آئے لیکن بہر حال مالک الملک کا حکم ماننا ضروری ہے۔

اور جب کبھی ایسا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے میں نقصان نظر آئے تو یہ سوچنا چاہئے کہ میری کامیابی تو حکم پورا کرنے ہی میں ہے اور یہ جو نقصان نظر آ رہا ہے یہ تو میری نظروں کا دھوکا ہے اور شیطان کا فریب ہے۔

جیسا کہ اس واقعہ میں ہے کہ قابیل کو ہابیل کی بہن سے نکاح کرنے میں نقصان نظر آیا حالانکہ اس کی دنیا و آخرت کی کامیابی اسی میں تھی۔

۲ اس واقعہ میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دنیاوی خواہشات انسان کی دشمن ہیں اور اس کی دنیا و آخرت برباد کرنے کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ قابیل کو حسن کے حصول کی خواہش نے قتل جیسے بڑے گناہ پر آمادہ کیا اور وہ بھی کسی غیر کا نہیں اپنے بھائی کا۔

لہٰذا جب بھی دل میں کسی قسم کی خواہش پیدا ہو تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کے پورا کرنے سے کہیں اللہ تعالیٰ تو ناراض نہیں ہو جائیں گے؟ اور تمام خواہشات کو دبا لینا چاہئے جن کو پورا کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ ناجائز خواہشات کو دبانے پر اللہ تعالیٰ راضی ہو کر دنیا و آخرت میں بڑے بڑے انعامات دیتے ہیں۔

۳ والدین کی نافرمانی کرنا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق حکم کریں دنیا و آخرت میں ذلت اور رسوائی کا سبب بنتی ہے۔

۴ اس واقعہ میں والد صاحب کے لئے بھی ایک نصیحت ہے کہ جب اولاد کوئی حکم ماننے سے انکار کر دے تو بجائے غصہ میں آنے کے اور اس کو برا بھلا کہنے کے کوئی متبادل راستہ اختیار کریں جو نسبتاً آسان ہو جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی قربانی پیش کرو۔

۵ قرآن کریم میں مذکور اس واقعہ میں قابیل کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

''وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگیا'' اب ذرا سوچیں کہ ناجائز خواہش کو پورا کرنے پر اڑے رہنے کے کتنے نقصانات ہوئے۔

(الف) دنیا کا پہلا قتل۔

(ب) روئے زمین پر پہلا گناہ۔

(ج) والدین کی ناراضگی

(د) صالح بھائی سے محرومی۔

(ہ) اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہونا گویا دنیا بھی نہ بن سکی اور آخرت بھی برباد ہوئی۔

(و) قیامت تک قابیل کا نام قاتلوں کی فہرست میں سرفہرست رہے گا۔

❻ اس واقعہ سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ ظالم کے ظلم کا جواب ظلم سے دینا، غصہ کی بات کا جواب غصہ سے دینا جیسے کہتے ہیں اینٹ کا جواب پتھر سے دینا یہ صالح اور متقی لوگوں کا طرزِ عمل نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندے ہمیشہ غصہ دلانے والی بات، ناجائز بات اور ہر بری بات کا جواب ٹھنڈے دل سے اور نرمی سے دیتے ہیں اور ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ظالم کا بھی بھلا ہو جائے اور ایسی بات کرتے ہیں کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ظالم کے خیر خواہ ہیں۔ نیز وہ بات کرنے میں نصیحت کا انداز اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہابیل نے کہا تھا:

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ.﴾

❼ اس واقعہ سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ کسی بھی صورتحال میں چڑچڑا ہونا یا غصہ میں نہیں آنا چاہیے، کیونکہ ان دونوں حالتوں میں انسان شیطان کے نرغے میں پھنس جاتا ہے اور غلط فیصلے کرتا ہے جس کا نقصان دنیا اور آخرت میں اس کو خود بھی ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی ہوتا ہے۔

❽ یہ دنیا اور اس کی چیزیں، مال و دولت، حسن و جمال وغیرہ اس قابل نہیں ہیں کہ

ان کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پرواہ نہ کی جائے بلکہ یہ چیزیں تو قابلِ التفات ہی نہیں۔ جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے پاس کسی دنیاوی نعمت کو دیکھ کر حسد کرتا ہے تو گویا اس کے پاس جو اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں ان کو حقیر سمجھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور موجودہ نعمتوں کے چھن جانے کا سبب ہوتا ہے۔

۹ جب بھی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ کریں تو اچھے سے اچھے کا انتخاب کریں۔ جوڑا جب پرانا ہو جائے اس وقت صدقہ کرنے کا ثواب بہت زیادہ ہے، لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ نیا یا اچھے سے اچھا جوڑا صدقہ کیا جائے اللہ کے راستہ میں اچھی سے اچھی چیز پیش کی جائے جیسا کہ واقعہ میں ہے کہ ہابیل نے اپنے ریوڑ میں سے بہترین دنبہ قربان کیا۔

۱۰ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جب آدمی چاہے کہ اس کا دیا ہوا یا اللہ کے راستے میں خرچ کیا ہوا مال قبول ہو جائے تو اُسے اللہ تعالیٰ کا خوف اختیار کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے اسباب سے بہت زیادہ بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ گویا صاف لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک متقی کی قربانی ایک نافرمان آدمی کی قربانی سے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے جو شخص گناہوں سے بچے گا، اور لوگوں کو گناہوں سے بچانے کی فکر کرے گا، اس کا عمل قبولیت سے زیادہ قریب ہوگا۔

۱۱ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں جب بھی کوئی ناحق خون ہوتا ہے تو اُس کا گناہ حضرت آدم کے بیٹے (قابیل) کی گردن پر ضرور پڑتا ہے، اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ظالمانہ قتل کی ابتدا کی ہے اور یہ ناپاک طریقہ جاری کیا۔[1]

۱۲ انسان کو اپنی زندگی میں ہرگز ایسا کام نہ کرنا چاہیے جو آئندہ بدکاروں اور

[1] بخاری کتاب الانبیاء باب خلق آدم و ذریته ۴۶۹/۱

ظالموں کے لئے بُرا نمونہ و مثال بنے، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ کائنات میں جو بھی شخص آئندہ کسی ظلم اور بدعت کا کام کرے گا تو وہ بانیٔ ظلم و بدعت بھی اس گناہ میں برابر کا حصہ دار ہوگا۔ گناہ بہرحال گناہ ہے لیکن گناہ کی ایجاد بھی موجد کے لئے ہمیشہ سامانِ جہنم فراہم کرتی رہے گی۔ اس لئے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدعت کو سخت ترین گناہ خیال کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے صاحبزادے کو نماز کے ایک مسئلہ پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بیٹا بدعت سے بچو کیونکہ میں نے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہر ایک کو دیکھا کہ وہ بدعت سے زیادہ اور کسی گناہ کو شدید نہیں سمجھا کرتے تھے[1]"

والدین کی دعا سے دنیا کی تمام نعمتیں میسر آگئیں[2]

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وحی کی کہ سمندر کے کنارے پر جاؤ ایک عجیب چیز دیکھو گے، حضرت سلیمان علیہ السلام جن وانس کے ہمراہ ساحل پر تشریف لے گئے۔ جب ساحل پر پہنچ کر دائیں بائیں نظر کی تو کچھ نہ دیکھا آپ نے عفریت (جنات کی ایک قسم ہے) سے فرمایا:

"غُصْ فِيْ هٰذَا الْبَحْرِ ثُمَّ ائْتِنِيْ بِعِلْمِ مَا تَجِدُ فِيْهِ"

ترجمہ: "اس سمندر میں غوطہ لگا اور وہاں کی حالت مجھ سے آکر بیان کر۔"

اس نے غوطہ مارا ایک ساعت کے بعد اوپر آیا اور عرض کیا:

"يَانَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّي غُصْتُ فِي هٰذَا الْبَحْرِ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ أَصِلْ إِلٰى قَعْرِهٖ، وَلَا وَجَدتُّ فِيْهِ شَيْئاً."

---

[1] ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی ترک الجهر بسم اللّٰه الرحمن الرحیم: ۱/۵۷
[2] واقعہ نمبر۲

تَرْجَمَہ: ”اے اللہ کے نبی! میں نے اس سمندر میں اتنے غوطے لگائے مگر اس کی تہہ کو نہ پہنچا اور نہ کوئی چیز مجھے نظر آئی۔“

آپ نے دوسرے عفریت سے فرمایا: تو غوطہ لگا کر وہاں کی حالت مجھ سے بیان کر۔ اس نے بھی غوطہ لگایا اور نکل کر وہی کہا جو پہلے عفریت نے کہا تھا، اور اس نے پہلے والے سے دگنے غوطے لگائے تھے۔ آپ نے آصف بن برخیا سے کہا، جو آپ کے وزیر تھے جن کا حق تعالیٰ نے بھی ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بول اٹھا۔“

مراد اس سے آصف بن برخیا ہیں۔

ان سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اس کے اندر کا حال بیان کرو۔

”فَجَاءَهٗ بِقُبَّةٍ مِنَ الْكَافُوْرِ الْأَبْيَضِ لَهَا أَرْبَعَةُ أَبْوَابٍ: بَابٌ مِنْ دُرٍّ وَبَابٌ مِنْ يَا قُوْتٍ، وَبَابٌ مِنْ جَوْهَرٍ وَبَابٌ مِن زَبَرْجَدٍ أَخْضَرَ، وَالْأَبْوَابُ كُلُّهَا مُفَتَّحَةٌ وَلَا يَدْخُلُهَا قَطْرَةٌ مِنَ الْمَاءِ، وَهِيَ فِيْ دَاخِلِ الْبَحْرِ فِيْ مَكَانٍ عَمِيقٍ، مِثْلَ مَسِيْرَةِ مَاغَاصَ فِيْهِ الْعِفْرِيْتُ الْأَوَّلُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.“

تَرْجَمَہ: ”انہوں نے فوراً ایک سفید کافوری قبہ حاضر کیا جس کے چار دروازے تھے، ایک موتی کا ایک یاقوت کا ایک ہیرے کا اور ایک سبز زمرد کا، اور سب دروازے کھلے ہوئے تھے اور ان میں ایک قطرہ بھی پانی کا داخل نہ ہوتا تھا، حالانکہ وہ قبہ سمندر کی تہہ میں تھا جس کی گہرائی اتنی تھی کہ پہلے عفریت نے جو غوطہ لگایا تھا اسی طرح کے تین غوطے اور لگاتا تو تہہ تک پہنچتا۔“

---

[1] سورۃ النمل: آیت ٤٠

انہوں نے جب قبہ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر کیا تو کیا دیکھتے ہیں! کہ اس قبہ کے اندر ایک خوبصورت جوان صاف کپڑے پہنے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے۔ آپ نے قبہ میں داخل ہوکر اسے سلام کیا اور فرمایا:

مَاأَنْزَلَكَ فِيْ قَعْرِ هٰذَا لْبَحْرِ؟

تَرْجَمَہ: ''تجھے اس سمندر میں کس چیز نے پہنچایا؟''

اس نے جواب دیا:

''یَانَبِیَّ اللّٰہِ إِنَّہٗ کَانَ أَبِیْ رَجُلًا مُقْعِدًا، وَکَانَتْ أُمِّی عَمْیَاءَ، فَأَقَمْتُ فِیْ خِدْمَتِهِمَا سَبْعِیْنَ سَنَةً''

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ کے نبی! میرے والد اپاہج اور والدہ نابینا تھیں میں نے ان کی ستر برس خدمت کی، جب میری والدہ وفات پانے لگیں تو انہوں نے دعا کی۔''

''اَللّٰهُمَّ اَطِلْ حَیَاةَ ابْنِیْ فِی طَاعَتِكَ.''

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ! میرے بیٹے کی عمر دراز کر اور اپنی عبادت میں گزارنے کی توفیق دے۔''

جب والد کی وفات کی نوبت آئی تو انہوں نے یہ دعا کی:

''اَللّٰهُمَّ اسْتَخْدِمْ وَلَدِیْ فِیْ مَکَانٍ لَا یَکُوْنَ لِلشَّیْطَانِ عَلَیْهِ سَبِیْلٌ''

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ! میرے بیٹے سے ایسی جگہ خدمت لے جہاں شیطان کا دخل نہ ہو۔ جب میں انہیں دفنا کر اس ساحل کی طرف آیا تو یہ قبہ نظر آیا، میں اس کی خوبصورتی کو دیکھنے کے لئے اندر داخل ہوا اتنے میں ایک فرشتے نے آکر مجھے سمندر کی گہرائی میں اتار دیا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس نوجوان سے پوچھا:

"فَفِي أَيِّ زَمَانٍ كُنْتَ أَتَيْتَ هٰذَا السَّاحِلَ؟
ترجمہ: "تم کس زمانے میں اس ساحل پر آئے تھے؟"
اس نوجوان نے عرض کیا:
"فِيْ زَمَانِ إِبْرَاهِيْمَ الْخَلِيْلِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ)"
ترجمہ: "حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانے میں۔"
حضرت سلیمان علیہ السلام نے تاریخ دیکھی تو معلوم ہوا کہ اس درمیان دو ہزار سال گذر گئے ہیں، لیکن وہ شخص بالکل جوان تھا اور ایک بال بھی سفید نہ ہوا تھا۔
آپ نے پھر اس نوجوان سے دریافت کیا:
فَمَا كَانَ طَعَامُكَ وَشَرَابُكَ دَاخِلَ هٰذَا الْبَحْرَ؟
ترجمہ: "تم اس سمندر کے اندر کیا کھاتے پیتے ہو؟"
اس نوجوان نے جواب دیا:
"يَا نَبِيَّ اللّٰه يَأْتِيْنِيْ كُلَّ يَوْمٍ طَيْرٌ أَخْضَرُ فِي مِنْقَارِهٖ شَيْئٌ أَصْفَرُ مِثْلَ رَأْسِ الإِنْسَانِ فَآكُلُهُ، فَأَجِدُ فِيْهِ طَعْمَ كُلِّ نَعِيْمٍ فِي دَارِ الدُّنْيَا، فَيَذْهَبُ عَنِّي الْجُوعُ، وَالْعَطْشُ، وَالْحَرُّ، وَالْبَرْدُ، وَالنَّومُ، وَالنُّعَاسُ، وَالْفَتْرَةُ وَالْوَحْشَةُ"
ترجمہ: "اے اللہ کے نبی میرے پاس ایک سبز پرندہ اپنی چونچ میں زرد رنگ کی کوئی چیز جو آدمی کے سر کے برابر ہوتی ہے لے آتا ہے، میں اسے کھاتا ہوں اس میں ساری دنیا کی نعمتوں کا مزہ آتا ہے اور اس سے میری بھوک، پیاس جاتی رہتی ہے، اور گرمی، سردی، نیند، اونگھ، تنہائی اور وحشت سب کی سب اس سے دور ہو جاتی ہے۔"
حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تم ہمارے ساتھ چلنا چاہتے ہو یا

اپنی جگہ دوبارہ واپس جانا چاہتے ہو؟

اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنی جگہ پر لوٹا دیجیے، آپ نے آصف بن برخیا سے فرمایا: ”کہ انہیں اپنی ہی جگہ پر واپس پہنچا دو“ چنانچہ انہوں نے پہنچا دیا۔

پھر آپ نے لوگوں سے متوجہ ہوکر فرمایا:

”أُنْظُرُوْا ! كَيْفَ اسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَ الْوَالِدَيْنِ، فَأُحَذِّرُكُمْ عُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ يَرْحَمُكُمُ اللّٰه، اَللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِي بِرَّهُمَا“[1]

ترجمہ: ”دیکھو! والدین کی دعا کیسی مقبول ہے، اللہ تم پر رحم کرے، والدین کی نافرمانی سے بچتے رہو۔ اے اللہ! تو مجھے بھی ان کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔“

دیکھیے غور کیجیے! والدین کی خدمت کی کتنی عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت کرنے کا دنیا ہی میں کتنا بڑا اور اچھا بدلہ اس نوجوان کو دیا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسی حکومت فرمائی تھی کہ بڑے بڑے سرکش جنات کو ان کے تابع بنایا، ہواؤں کو ان کے لئے مسخر فرمایا۔

ان کی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے سے ملاقات کرائی اور لوگوں کو اپنے کچھ انعامات کا مشاہدہ کروایا جو والدین کی اطاعت پر اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں کو والدین کے بارے میں تنبیہ فرمائی اور اپنے لئے بھی والدین کے ساتھ مزید حسنِ سلوک کرنے کی دعا فرمائی۔

لہٰذا ہمیں بھی اپنے والدین کی خوب خدمت کرنی چاہیے کیونکہ والدین کی خدمت میں ہماری دنیا و آخرت کی عزت و عظمت اور کامیابی پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے والدین کی خدمت اور ان کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

---

[1] روض الرياحين: ص٢٦٦

والدہ کے ساتھ فرماں برداری کا صلہ[1]

بنی اسرائیل میں ایک مالدار آدمی تھا۔ اس کا ایک چچا زاد بھائی تھا جو کہ بہت فقیر اور غریب تھا۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی اور وارث نہ تھا۔ جب اس کی زندگی طویل ہوگئی تو اس چچازاد بھائی نے اپنے مالدار بھائی کو قتل کردیا تاکہ وہ اس کے مال کا وارث بن جائے۔ پھر اس کی لاش کو دوسرے گاؤں کے قریب لے جاکر کہیں ڈال دیا۔ جب صبح ہوگئی تو اس کے خون کا بدلہ مانگنے لگا اور چند لوگوں کو پکڑ کر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لایا اور ان پر قتل کا دعویٰ کیا۔

"فَسَأَلَهُمْ مُوسٰى فَجَحَدُوْا فَاشْتَبَهَ أَمْرُ الْقَتِيْلِ عَلٰى (مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ). فَسَأَلُوْهُ أَنْ يَّدْعُوَ اللّٰهَ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الْقَاتِلَ"

ترجمہ: "حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ان لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے انکار کیا اس وجہ سے قاتل کا معاملہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مشتبہ (شک والا) ہوگیا۔"

پھر ان لوگوں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا:

آپ اللہ سے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس قاتل کے بارے میں بتادیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾[2]

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ گائے کو ذبح کرو۔"

وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے:

آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں کہ ہم آپ سے قاتل کے بارے میں

---

[1] واقعہ نمبر ۳

[2] سورۃ البقرۃ، آیت: ٦٧

سوال کرتے ہیں اور آپ گائے ذبح کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ موسیٰ علیہ اسلام نے فرمایا: ”میں پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں یعنی مؤمنین کے ساتھ مذاق کرنے والوں میں سے ہو جاؤں۔“

جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اس بات پر یقین کرلیا کہ گائے کا ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقینی حکم ہے تو انہوں نے اس گائے کی صفات کے بارے میں پوچھا۔

اگر وہ کسی بھی قسم کی گائے ذبح کر دیتے تو یہ بات ان کے لئے کافی ہوجاتی لیکن انہوں نے اپنے آپ پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اوپر سختی کی اور یہ ایک مصلحت اور حکمت کے تحت تھا اور سختی کرنے میں حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا اس کے ہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی، اس کے پاس ایک گائے تھی ایک دن وہ گائے کو لے کر جنگل میں گیا اور کہا:

”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَوْدِعُکَ ھٰذِہِ الْعَجَلَۃَ لِھٰذَا الصَّبِیِّ“

ترجمہ: ”اے اللہ! میں اس گائے کو آپ کی امانت میں رکھتا ہوں اس بچہ کے لئے۔“

پھر کچھ عرصہ بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا۔

جب اس کا بچہ بڑا ہوگیا اور وہ لڑکا اپنی والدہ کا بہت فرمانبردار تھا، ایک دن اس کی والدہ نے کہا:

”اِنَّ اَبَاکَ اِسْتَوْدَعَ اللّٰہَ عَجَلَۃً لَکَ فَاذْھَبْ فَخُذْھَا“

ترجمہ: تمہارے والد نے اللہ کی امانت میں ایک گائے رکھی تھی تم جاؤ اور اس کو لے آؤ۔“

چنانچہ اپنی والدہ کے حکم کے مطابق وہ لڑکا چلا گیا، گائے جنگل میں رہنے کی وجہ سے وحشی ہوگئی تھی جیسے ہی وہ جنگل میں پہنچا تو وہ گائے اس کے پاس دوڑتی ہوئی

آئی، اور لڑکے نے اس کو دونوں سینگوں سے پکڑ لیا، اور اپنے گھر لا رہا تھا کہ راستے میں بنی اسرائیل کے وہ لوگ ملے جو مخصوص صفات کی حامل گائے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ جب اس کے پاس گائے دیکھی تو وہ ساری صفات اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اس لڑکے سے خریدنے کے بھاؤ لگائے، یہ قیمت لگا رہے تھے اور وہ قیمت بڑھا رہا تھا، یہاں تک کہ اس نے گائے کے دس گنا وزن کے برابر سونے کے بدلے ان پر یہ گائے فروخت کی۔[1]

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک غم و پریشانی کو دور کرنے کا سبب بنتا ہے[2]

بنی اسرائیل کے تین افراد کسی سفر میں چل رہے تھے کہ اچانک انہیں بارش نے آگھیرا، انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لے لی، غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان گر پڑی اور اس کا منہ (دہانہ) بند ہو گیا۔

ان میں سے کسی نے کہا کہ: اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو وہ اعمال صالحہ جو تم نے خالص اللہ کی رضا کے لئے کئے ہوں اور ان کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو شاید اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارے لئے اس غار کا دہانہ کھول دے۔

چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ بلاشبہ میرے ساتھ میرے ضعیف العمر والدین تھے، میری بیوی تھی اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے جن کے لئے میں بکریاں چراتا تھا، جب شام ہوتی تو میں دودھ دوہتا اور اپنے والدین سے ابتدا کرتے ہوئے انہیں اپنے بچوں سے پہلے پلاتا تھا۔

ایک روز میں درخت کے پتوں کی طلب میں دور نکل گیا اور شام گئے واپس آیا

---

[1] تفسیر قرطبی ۱/۳۶۶، سورۃ البقرۃ، آیت: ۷۱
[2] واقعہ نمبر ۴

تو میں نے اپنے والدین کو سوتا ہوا پایا، میں نے حسب معمول دودھ دوہا، پھر دودھ کا برتن لایا اور والدین کے سرہانے کھڑا ہوگیا کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ والدین کو نیند سے جگاؤں، اور یہ بھی مجھ کو گوارا نہ تھا کہ والدین سے پہلے اپنے بچوں کو پلاؤں حالانکہ بچے بھوک سے میرے قدموں میں بلک رہے تھے، لیکن میں اسی حال میں رہا اور بچے بھی اسی حال میں (بھوک سے بلکتے رہے) یہاں تک کہ فجر کا وقت ہوگیا۔ اگر آپ کے علم میں میرا یہ عمل آپ کی رضا کے لئے تھا تو (اس کی برکت سے) ہمارے واسطے اس غار کا منہ کھول دے کہ ہم آسمان دیکھ سکیں۔

ان تینوں افراد کو سفر میں یہ واقعہ پیش آیا، اور ظاہر ہے کہ غار کا منہ بند ہو جانا اس طور پر کہ روشنی کی کرن بھی اندر نہ پہنچے اور آسمان کی جھلک تک نظر نہ آئے تو یقینی طور پر موت کی دلیل ہے۔ گویا وہ غار ان کے لئے موت کا غار بن گیا تھا اور اگر وہ چٹان جو غار کے دہانہ پر آ گری تھی نہ ہٹتی تو لازماً وہ غار ان کے لئے قبر بن جاتا۔

بے بسی اور بے کسی کے اس عالم میں انہیں اسی ذات الٰہی کا سہارا ہوا جو ہر مصیبت اور پریشانی سے انسان کو نجات دینے والا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب انسان کی نظریں اسباب و وسائل سے ہٹ کر صرف اور صرف خالقِ اسباب پر مرکوز ہوجاتی ہیں، اور تقدیر کا جبر اپنی پوری قوت کے ساتھ انسان کے یقین پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جن اشیاء پر انسان عمر بھر بھروسہ کرتا رہا ہوتا ہے ان کی حقیقت اس پر آشکارا ہونے لگتی ہے اور اللہ وحدہ، لاشریک کی ذات پر یقین اور اس سے رجوع میں یکا یک اضافہ ہوجاتا ہے۔ اور یہ کسی کے ساتھ خاص نہیں انسانی فطرت اور جبلت یہی ہے۔

ان تینوں افراد نے بھی آپس میں یہی مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ طے یہ ہوا کہ ہر ایک اپنے کسی ایسے عمل کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کرے جس کے بارے میں

اسے یقین ہو کہ اس نے وہ عمل خالص اللہ کی رضا کے لئے کیا تھا[۱]

قصہ سے حاصل شدہ باتیں

❶ اب ذرا ایک نظر ان کے اعمال پر ڈالئے، ذرا تصور کیجئے کہ ایک شخص غریب اور سارا دن مویشی چرانے کی محنت برداشت کر رہا ہے۔ لیکن شام کو جب گھر جاتا ہے تو اپنے ماں باپ کو ترجیح دیتا ہے اور انہیں پہلے سیراب کرتا ہے پھر بچوں کو پلاتا ہے اور پھر بیوی کو۔

اور اگر والدین سو گئے تو انہیں پلائے بغیر اپنے بچوں کو سیراب کرنا اس کے نزدیک والدین کے حقوق کے منافی ہے اور انہیں جگانا بھی ان کے حق میں برا سمجھتا ہے۔ دنیا کی کونسی طاقت تھی جو اسے بچوں کو پلانے سے روک رہی تھی؟

لیکن والدین کی عظمت بچوں کی بھوک سے زیادہ تھی ظاہر ہے اس عمل کے اخلاص میں کیا کمی تھی؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوا اور اس کی برکت سے غار کا دہانہ ذرا سا کھل گیا کہ روشنی کی کرن اور آسمان کی جھلک دکھائی دے جائے۔

❷ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی انتہا نہیں، اور ان کے ساتھ نیکی کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اللہ کے یہاں بڑی قدر و قیمت کا حامل عمل ہے۔ والدین کا جو عظیم حق اور ان کی عظمت و احترام اللہ نے رکھا ہے وہ اسلام کے سوا دنیا کے دیگر مذاہب میں کہیں نہیں ہے۔

والدین کیساتھ حسن سلوک کا بہترین نتیجہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دکھاتے ہیں۔ برالوالدین (والدین سے بہترین برتاؤ) اسلام کا ایک مستقل حکم ہے، اور بموجب حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے لئے جنت میں جانے کا سہل ترین راستہ ہے۔

---

[۱] بخاری، کتاب الانبیاء، باب حدیث الغار: ۴۹۳/۱

۳ نیک اعمال کا اصل ثواب تو آخرت ہی میں ملے گا لیکن دنیا کی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی برکات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرواتے ہیں، نیکی اور بدی دونوں کے دنیوی اثرات بھی ہوتے ہیں، بدی انسان کی زندگی میں بے برکتی، دنیا سے محبت، آخرت سے غفلت، دنیا میں پریشانی، ذلت اور نحوست پیدا کرتی ہے جب کہ نیکی انسان کے کاموں میں برکت، آخرت کی فکر، طبیعت میں سکون بخشتی ہے، انسانوں کے درمیان عزت اور احترام پیدا کرتی ہے۔[1]

عظیم انعام[2]

حضرت معمر رحمہ اللہ تعالیٰ روایت نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کے چار بیٹے تھے۔ باپ اللہ کے حکم سے بیمار ہوا۔ ان بیٹوں میں سے ایک نے اپنے تین بھائیوں سے کہا:

"إِمَّا أَنْ تُمَرِّضُوْا أَبَانَا وَلَيْسَ لَكُمْ مِنْ مِّيْرَاثِهٖ شَيْءٌ وَ إِمَّا أَنْ أُمَرِّضَهُ وَلَيْسَ لِيْ مِنْ مِّيْرَاثِهٖ شَيْءٌ"

تَرْجَمَہ: "اگر تم باپ کی تیمارداری یعنی خدمت اس شرط پر کرو کہ تم کو باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا تو تم کرو ورنہ میں اس شرط پر خدمت کرتا ہوں کہ میراث میں سے کچھ نہ لوں گا۔"

وہ اس پر راضی ہوگئے کہ تو ہی اس شرط پر تیمارداری کر، ہم نہیں کرتے۔ اس نے خوب خدمت کی جب باپ کا انتقال ہوا تو شرط کے موافق اس نے کچھ نہ لیا۔ رات کو خواب میں دیکھا، کوئی شخص کہتا ہے:

"اِئْتِ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا تَجِدُ فِيْهِ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَخُذْهَا"

---

[1] ماخوذ از قصص الحدیث: صفحہ ۱۸۰

[2] واقعہ نمبر ۵

تَرْجَمَہ: ”فلاں جگہ سو دینار (اشرفیاں) رکھی ہوئی ہیں وہ تو لے لے۔“
اس نے خواب میں اس کہنے والے سے دریافت کیا:
”بِبَرَكَةٍ أَوْ بِلَا بَرَكَةٍ؟“
تَرْجَمَہ: ”ان میں برکت بھی ہوگی یا نہیں؟“
اس نے کہا:
”بِلَا بَرَكَةٍ“
تَرْجَمَہ: ”برکت ان میں نہیں ہے۔“
صبح کو بیوی سے خواب کا ذکر کیا تو بیوی نے کہا:
”اِذْهَبْ فَخُذْهَا فَإِنَّ بَرَكَتَهَا أَنْ تَكْسُوَنِيْ مِنْهَا وَنَعِيْشُ مِنْهَا فَأَبَىٰ وَقَالَ: لَا آخُذُ شَيْئًا لَيْسَ فِيْهِ بَرَكَةٌ فَلَمَّا أَمْسٰى أُتِيَ فِيْ مَنَامِهٖ فَقِيْلَ لَهٗ.“
تَرْجَمَہ: ”آپ جا کر اُسے نکال لیجیے اور اُس کی برکت یہی ہے کہ آپ مجھے اُس رقم سے کپڑے پہنائیں اور ہم اپنی زندگی اُس رقم سے گزاریں۔ لیکن اُس نے کہا کہ میں ایسی چیز نہیں لوں گا جس میں برکت نہ ہو۔“
بیوی نے ان کے نکالنے پر اصرار کیا لیکن اس نے نہ مانا۔
دوسرے دن پھر خواب دیکھا:
”اِئْتِ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا فَخُذْ مِنْهُ عَشْرَةَ دَنَانِيْرَ“
جس میں کسی دوسری جگہ دس دینار بتائے۔
اس نے پھر وہی برکت کا سوال کیا۔ اس نے کہا کہ برکت ان میں نہیں ہے۔ اس نے صبح کو بیوی سے اس کا بھی ذکر کیا اس نے پھر اصرار کیا مگر اس نے نہ مانا۔
تیسری رات اس نے پھر خواب دیکھا کوئی شخص کہتا ہے فلاں جگہ جا۔

"اِئْتِ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا فَخُذْ مِنْهُ دِيْنَارًا"

وہاں تجھے ایک دینار (اشرفی) ملے گا، وہ لے لے۔

اس نے پھر وہی برکت کا سوال کیا۔

اس شخص نے کہا:

"نَعَمْ إِذًا"

تَرْجَمَۃ: "ہاں اس میں برکت ہے۔"

یہ جاکر وہ دینار لے آیا اور بازار میں جا کر اس سے دو مچھلیاں خریدیں، جن میں سے ہر ایک کے اندر سے ایک ایسا موتی نکلا جس قسم کا موتی عمر بھر کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔

بادشاہِ وقت نے ان دونوں کو بہت اصرار سے (۹۰) نوے خچروں کے بقدر سونے سے خریدا۔[۱]

باپ کی خدمت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس بیٹے کو ایسی، حلال حرام کی سمجھ عطا فرمائی کہ حلال اور برکت والی پاکیزہ روزی مانگی، اس لئے کہ پاکیزہ اور برکت والی روزی تھوڑی بھی ہو تو وہ تمام ضرورتوں اور حاجتوں کے پورا ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ وہ سکون اور اطمینان لانے کا سبب بنتی ہے۔

روزی حلال نہ ہو، پاکیزہ نہ ہو، گاہکوں کی بددعائیں لے کر کمائی گئی ہو، ملازمت کے اوقات میں ڈنڈی مار کر کمائی گئی ہو، ایسی روزی بُری قسم کی بیماریاں پیدا ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور ہر قسم کی مصیبتوں کا دروازہ کھلنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

جہنم کے فیصلے کے بعد والد کے ساتھ نیکی کا نتیجہ[۲]

قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا جس کے دونوں میزان کے پلڑے

---

[۱] فضل بر الوالدین: ص٤٢

[۲] واقعہ نمبر٦

برابر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تو نہ جنتی ہے اور نہ جہنمی ہے اتنے میں فرشتہ ایک صحیفہ لاکر اس کے میزان کے ایک پلڑے میں رکھے گا جس میں ''اُف'' (والدین کی تکلیف وصدمہ کی آواز) لکھا ہوا ہوگا جو بدی کے پلڑے کو وزنی کردے گا اس لئے کہ وہ (اُف) ایسا کلمہ ہے جو دنیا کے پہاڑوں کے مقابلہ میں بھاری ہے۔

چنانچہ اس کے لئے جہنم کا فیصلہ ہوگا۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے جہنم سے نجات پانے کی درخواست کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے:

''رُدُّوْهُ''

تَرْجَمَہ: ''اس کو واپس لاؤ۔''

پھر اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے:

''أَيُّهَا الْعَبْدُ الْعَقُّ لِأَيِّ شَيْءٍ تَطْلُبُ الرَّدَّ إِلَيَّ؟''

تَرْجَمَہ: ''اے والدین کی نافرمان! تو کس بنا پر جہنم سے چھٹکارے کی درخواست کرتا ہے۔''

وہ شخص کہے گا:

''إِلٰهِيْ رَأَيْتُ أَنِّيْ سَائِرٌ إِلَى النَّارِ وَإِذْ لَا بُدَّ لِيْ مِنْهَا، وَكُنْتُ عَاقًّا لِأَبِيْ وَهُوَ سَائِرٌ إِلَى النَّارِ مِثْلِيْ، فَضَعِّفْ عَلَيَّ بِهٖ عَذَابِيْ وَأَنْقِذْهُ مِنْهَا.''

تَرْجَمَہ: ''اے اللہ! میں جہنم میں جانے والا ہوں مجھے وہاں سے چھٹکارا نہیں کیونکہ میں والد کا نافرمان تھا اور میں ابھی دیکھ رہا ہوں کہ میرا باپ بھی میری طرح جہنم میں جانے والا ہے، لہٰذا میرے باپ کے بدلہ میں میرا عذاب دگنا کردیا جائے اور اس کو جہنم سے چھٹکارا دیا جائے۔''

یہ بات سن کر اللہ تعالیٰ ہنس پڑیں گے اور فرمائیں گے:

"عَقَقْتَهُ فِي الدُّنْيَا وَبَرَرْتَهُ فِي الْآخِرَةِ، خُذْ بِيَدِ أَبِيكَ وَانْطَلِقَا إِلَى الْجَنَّةِ"[1]

تَرجَمہ: "دنیا میں تو اس کا نافرمان تھا اور آخرت میں اس کو بچا دیا، پکڑو اپنے والد کا ہاتھ اور دونوں جنت میں چلے جاؤ۔"

لہٰذا ہمیں بھی ہر حال میں کی اطاعت اور خدمت کرنی چاہیے نہ معلوم اللہ تعالیٰ کس بات پر ہماری بخشش فرمادیں اور ہمارا کام بن جائے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمرو دوسی کے ہاتھ پر مشرف با اسلام ہوئے اور وہیں اپنے قبیلے میں مقیم رہے اور ۶ھ میں اپنے قبیلے بنی دوس کے ایک وفد کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، اور ہر چیز سے قطع تعلق کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور صحبت کے لیے یکسو ہوگئے، مسجدِ نبوی کو جائے قیام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بنا لیا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان کے بیوی بچے نہیں تھے۔ صرف ان کی بوڑھی ماں تھیں جو اس وقت تک شرک پر قائم تھیں، جن کی محبت اور خیر خواہی کے پیش نظر وہ برابر ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہتے تھے مگر وہ ہمیشہ اس سے نفرت اور انکار کرتی رہتی تھیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے مگر ان کا دل غم سے پریشان رہتا تھا، فکر مند رہتا تھا کہ میری والدہ جہنم کی آگ سے بچ

---

[1] التذکرۃ: ص ۳۷۱

[2] واقعہ نمبر ۷

جائیں۔ ایک روز انھوں نے اپنی ماں کو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی، تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے نازیبا الفاظ استعمال کیے جن کو سن کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت دلی صدمہ پہنچا۔ وہ روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روتا دیکھ کر پوچھا۔

"کیا بات ہے ابوہریرہ! روتے کیوں ہو؟"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"میں برابر اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا رہا۔ مگر وہ ہمیشہ انکار کرتی رہیں۔ آج بھی جب میں نے ان کو دعوت دی تو انھوں نے مجھے سخت دل آزار بات کہی۔

"فَادْعُ اللّٰهَ أَن يَّمِيْلَ قَلْبَ أُمِّ أَبِيْ هُرَيْرَةَ لِلْإِسْلَامِ."

تَرجَمَہ: "اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ عزوجل سے دُعا فرمائیے کہ وہ ابوہریرہ کی ماں کو اسلام کی طرف مائل کردے۔"

"فَدَعَا لَهَا النَّبِيُّ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهُ عَلَيْهِ"

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک دُعا کے لیے بلند ہوگئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں واپس گھر گیا تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ اور مجھے اندر سے پانی گرنے کی آواز سنائی دی جب میں نے اندر داخل ہونا چاہا تو ماں نے کہا کہ ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ابھی وہیں کھڑے رہو۔ پھر جب انھوں نے کپڑے پہن لیے تو کہا کہ اب اندر آجاؤ۔ جب میں اندر گیا تو انھوں نے کہا:

"أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

میں آنکھوں میں خوشی کے آنسو لیے پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے غم سے آنسو بہاتا ہوا گیا تھا، اور عرض کیا کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ

علیہ وسلم) خوش ہوجایئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا سن لی اور ابوہریرہ کی ماں کو اسلام کی ہدایت دیدی۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "اَلْاَدَبُ الْمُفْرَدُ" میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک گھر میں رہتے تھے، اور اُن کی والدہ علیحدہ دوسرے گھر میں رہتی تھیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنے گھر سے نکل کر کہیں جانا چاہتے تھے تو والدہ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر کہتے تھے:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْكِ یَا أُمَّاهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ"

تَرْجَمَۃ: "اے امی! آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔"

وہ جواب میں فرماتی تھیں:

"وَعَلَیْكَ یَا وَلَدِیْ"

تَرْجَمَۃ: "میرے بیٹے! تجھ پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔"

اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے تھے:

"رَحِمَكِ اللّٰهُ كَمَا رَبَّیْتِنِیْ صَغِیْرًا"

تَرْجَمَۃ: "اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو جیسا کہ آپ نے مجھ چھوٹے سے کو پالا۔"

وہ اس کے جواب میں فرماتی تھیں:

"رَحِمَكَ اللّٰهُ كَمَا بَرَرْتَنِیْ كَبِیْرًا"

تَرْجَمَۃ: "اللہ تعالیٰ تم پر بھی رحم فرمائے جیسا کہ تم نے بڑے ہوکر میرے ساتھ حسنِ سلوک کیا۔"[1]

---

[1] بر الوالدین لابن الجوزی: ص: ۵۳

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات سے غیر معمولی دل چسپی تھی کہ وہ لوگوں کو اپنے والد کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلۂ رحمی کی بہت زیادہ ترغیب دیا کرتے تھے۔ ایک روز انھوں نے دو آدمیوں کو جاتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑی عمر کا تھا۔ انھوں نے چھوٹی عمر والے سے پوچھا۔

''یہ آدمی تمہارا کون ہے؟''

''یہ میرے والد ہیں۔''

اس نے جواب دیا!

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''ان کا نام لے کر نہ بلانا، ان کے آگے نہ چلنا، اور ان سے پہلے نہ بیٹھنا[۱]''

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی مبارک جماعت وہ جماعت ہے جن کے تذکرے قیامت تک امت کے لئے مشعل راہ ہوں گے اور محبت وعقیدت سے جتنی مرتبہ ان کے واقعات، حالات کو پڑھا جائے گا سنا جائے گا ایمان میں اضافہ ہوتا جائے گا[۲]

والدہ کے انتقال کے وقت تک میں کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوا[۳]

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تم اس بستی میں جانے کی تیاری کرلو جس کے رہنے والے بڑے ظالم

---

[۱] صور من حیاۃ الصحابۃ: ص۸۰،۲

[۲] الحمدللہ ہمارے ادارے نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت کو دلوں میں بٹھانے اور ان کے اجمال تعارف کے لئے ایک کتاب 300 سوالات (HOW WELL DO YOU KNOW THE SAHABA?) کا اردو میں ترجمہ کیا ہے وہ کتاب بچوں کیلئے بہت مفید ہے۔

[۳] واقعہ نمبر۸

ہیں۔ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ وہ بستی فتح کر کے تمہیں دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد خیبر جانا تھا یہ سن کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر اپنی والدہ سے: کہا میرا سامانِ سفر تیار کر دو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ کی تیاری کا حکم فرمایا ہے۔

ان کی والدہ نے کہا تم جا رہے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے بغیر اندر آ جا نہیں سکتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہ سکتا۔ ان کی والدہ نے اپنے دودھ کا واسطہ دیا (لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ مانے) تو ان کی والدہ نے چپکے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر ساری بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جاؤ تمہارا کام تمہارے بغیر ہی ہو جائے گا۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ مجھ سے اعراض فرما رہے ہیں ضرور میری طرف سے آپ کو کوئی بات پہنچی ہے۔ جس کی وجہ سے آپ ایسا فرما رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمہاری والدہ نے تمہیں اپنے دودھ کا واسطہ دیا لیکن تم نے پھر بھی ان کی بات کو نہ مانا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنے دونوں والدین کے پاس یا دونوں میں ایک کے پاس رہو گے تو تم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نہیں ہو؟

آدمی جب والدین کے پاس رہ کر ان کی خدمت اچھی طرح کرتا ہے اور ان سے حسنِ سلوک کر کے ان کا حق ادا کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہی ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں اس کے دو سال بعد میری والدہ کا

انتقال ہوا تو میں ان کے انتقال تک کسی غزوہ میں نہیں گیا۔[1]

والدہ کی اطاعت کرنے والے چار بیٹے[2]

حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشہور شاعرہ ہیں۔ اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ آکر مسلمان ہوئیں۔ ابنِ اثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی عورت نے ان سے بہتر شعر نہیں کہا، نہ ان سے پہلے نہ ان کے بعد۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۱۶ھ میں قادسیہ کی لڑائی ہوئی جس میں خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے چاروں بیٹوں سمیت شریک ہوئیں۔ لڑکوں کو ایک دن پہلے بہت نصیحت کی اور لڑائی کی شرکت پر بہت ابھارا، کہنے لگیں:

"یَابَنِیَّ! إِنَّکُمْ أَسْلَمْتُمْ وَهَاجَرْتُمْ مُخْتَارِیْنَ، وَاللّٰهُ الَّذِیْ لَا إِلٰهَ غَیْرُهُ، إِنَّکُمْ لَبَنُوْ رَجُلٍ وَاحِدٍ، کَمَا أَنَّکُمْ بَنُو امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ، مَاخُنْتُ أَبَاکُم وَلَا فَضَحْتُ خَالَکُمْ، وَلَا هَجَّنْتُ حَسَبَکُم، وَلَا غَیَّرتُ نَسَبَکُمْ. وَقَدْ تَعْلَمُوْن مَا أَعَدَّ اللّٰهُ لِلْمُسلِمِیْنَ مِنَ الثَّوَابِ الْجَزِیْلِ فِیْ حَرْبِ الْکَافِرِیْنَ. وَاعْلَمُوْا أَنَّ الدَّارَ الْبَاقِیَةَ خَیْرٌ مِنَ الدَّارِ الْفَانِیَةِ، یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ."

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ.﴾[3]

ترجمہ: "میرے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے ہو اور اپنی ہی خوشی سے تم نے ہجرت کی۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں

---

[1] حیاۃ الصحابہ جلد۲، صفحہ:۶۷۷ زم زم پبلشرز
[2] واقعہ نمبر۹
[3] سورۂ الِ عمران، آیت: ۲۰۰

کہ جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو، اسی طرح ایک باپ کی اولاد ہو۔ میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی ...... نہ تمہارے ماموں کو رُسوا کیا...... نہ میں نے تمہاری شرافت میں کوئی دھبہ لگایا...... نہ تمہارے نسب کو میں نے خراب کیا...... تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جَلّ شَانُہٗ نے مسلمانوں کے لئے کافروں سے لڑائی میں کیا کیا ثواب رکھا ہے۔ تمہیں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آخرت کی باقی رہنے والی زندگی دنیا کی فنا ہوجانے والی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ اَللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ کا پاک اِرشاد ہے:

"اے ایمان والو تکالیف پر صبر کرو (اور کُفّار کے مقابلہ میں) صبر کرو اور مقابلہ کے لئے تیار رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پورے کامیاب ہو۔"

لہٰذا کل صبح کو جب تم صحیح وسالم اُٹھو تو بہت ہوشیاری سے لڑائی میں شریک ہو، اور اللہ تعالیٰ سے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد مانگتے ہوئے بڑھو اور جب تم دیکھو کہ لڑائی زور پر آگئی اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے تو اس کی گرم آگ میں گُھس جانا اور کافروں کے سردار کا مقابلہ کرنا۔ ان شاء اللہ جنت میں اِکرام کے ساتھ کامیاب ہوکر رہو گے۔

"فَخَرَجَ بَنُوهَا قَابِلِينَ لِنُصْحِهَا، وَتَقَدَّمُوْا فَقَاتَلُوْا وَهُمْ يَرْتَجِزُوْنَ، وَأَبْلَوْا بَلَاءً حَسَنًا، وَاسْتُشْهِدُوا. رَحِمَهُمُ اللّٰهُ."[1]

تَرجَمہ: "چنانچہ جب صبح کو لڑائی زوروں پر ہوئی تو چاروں لڑکوں میں سے ایک ایک نمبروار آگے بڑھتا تھا اور اپنی ماں کی نصیحت کو اشعار میں پڑھ کر اُمنگ پیدا کرتا تھا اور جب شہید ہوجاتا تھا تو اسی طرح دوسرا

[1] اسد الغابة: ٦/٩٣

بڑھتا تھا اور شہید ہونے تک لڑتا رہتا تھا۔ بالآخر چاروں شہید ہوئے اور جب ماں کو چاروں کے مرنے کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ان کی شہادت سے مجھے شرف بخشا۔ مجھے اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ اس کی رحمت کے سایہ میں ان چاروں کے ساتھ میں بھی رہوں گی۔"

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوا کہ جب والدہ نے اپنے چاروں بیٹوں کو اللہ کی راہ میں لڑنے کی ترغیب دی، تو چاروں بیٹوں نے اپنی والدہ کے حکم کی اطاعت میں اپنی جانیں اللہ کی راہ میں نچھاور کردیں اور والدہ کا حکم پورا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے والدین کی اس طرح اطاعت کرنے والا بنائے۔

اور عالم بھر کے مسلمان بچوں کے والدین کو حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح دین پھیلانے کا جذبہ نصیب فرمائے۔

والد کی رضا پر اپنے جذبات قربان کرنا[1]

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کا پیام (ان کے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو) دیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا ابھی تو یہ چھوٹی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میرے تعلق اور رشتہ کے علاوہ ہر تعلق اور رشتہ قیامت کے دن ٹوٹ جائے گا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ (اس نکاح کے ذریعہ سے) میرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق

---

[1] واقعہ نمبر١٠

اور رشتہ قائم ہو جائے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا تم اپنے چچا کی شادی (اپنی بہن سے) کر دو۔ ان حضرات کو شرحِ صدر نہ ہوا تو معذرت کا انداز اختیار فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ میں وہاں سے کھڑے ہو گئے تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا: اے ابا جان! میں آپ کے چھوٹنے کو برداشت نہیں کر سکتا (یعنی آپ کو ناراض نہیں کر سکتا)۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو پھر تم دونوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی شادی کر دو۔[1]

حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اپنی والدہ کے ساتھ نیکی[2]

حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہیں اور مسلمان ہیں، اور وہ چاہتے بھی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کروں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وہ سعادت اور خوش نصیبی ہے کہ شاید اس روئے زمین پر اس سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی کوئی اور نہیں ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جائیں تو پھر آپ کے جانے کے بعد یہ شرف حاصل نہیں ہو سکتا۔

لیکن حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں لیکن میری والدہ بیمار ہیں اور ان کو میری خدمت کی ضرورت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

---

[1] طبرانی ۱۳۷/۸

[2] واقعہ نمبر ۱۱

کو حاضر ہونے سے منع فرما دیا۔ اور یہ فرما دیا کہ تم یہاں میری زیارت اور ملاقات کے لئے مت آؤ بلکہ والدہ کی خدمت کرو۔

بھلا بتلایئے! کیسا بھی صاحب ایمان ہو، اس کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا کتنا شوق ہوگا۔ اور جب آپ اس دنیا میں بقیدِ حیات تھے، اس وقت آپ سے ملاقات اور آپ کی زیارت کے شوق کا کیا عالم ہوگا جب کہ آج یہ حالت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی آپ کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے کتنے بے تاب اور بے چین رہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ حاضری ہو جائے اور روضہ اقدس کی زیارت ہو جائے۔

لیکن آپ کی زیارت کے شوق، اس کی بے چینی اور بے تابی کو ماں کی خدمت پر قربان کر دیا، آپ نے حکم فرما دیا کہ ماں کی خدمت کرو اور میری زیارت اور ملاقات کی سعادت کو چھوڑ دو، چنانچہ حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے حکم پر اس سعادت کو چھوڑ دیا۔ جس کے نتیجے میں ''صحابیت'' کا مقام چھوٹ گیا۔ اس لئے کہ ''صحابیت'' کا درجہ آپ کی ملاقات اور زیارت پر موقوف ہے اور ''صحابی'' وہ مقام ہے کہ کوئی شخص ولایت اور بزرگی کے چاہے کتنے بڑے مقام پر پہنچ جائے، مگر وہ کسی ''صحابی'' کی گرد تک نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ تبع تابعین میں سے ہیں۔ مشہور بزرگ، فقیہ، محدث گذرے ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے ایک عجیب سوال کیا۔ سوال یہ کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ افضل ہیں؟

سوال کرنے والے شخص نے یہ سوال اس طرح ترتیب دیا کہ صحابہ کرام میں سے ان صحابی کا انتخاب کیا جن کے بارے میں لوگوں نے طرح طرح کی مختلف باتیں مشہور کر رکھی ہیں، اور اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ

عنہ کی لڑائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ برحق تھے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی۔ اس عقیدے پر تقریباً ساری امت متفق ہے۔

بہر حال! صحابہ کرام میں سے تو ان صحابی کو لیا جن کی شخصیت تنازع فیہ رہی ہے، اور دوسری طرف سوال میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا۔ جن کو عدل و انصاف اور تقویٰ طہارت وغیرہ میں ''عمر ثانی'' کہا جاتا ہے۔ اور یہ دوسری صدی ہجری کے مجدد ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔

بہر حال! حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ بھائی! تم یہ پوچھ رہے ہو کہ حضرت معاویہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں؟

ارے! حضرت معاویہ تو درکنار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے جو مٹی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں گئی تھی، وہ مٹی بھی ہزار عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ''صحابیت'' کا جو مقام حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا تھا، ساری زندگی انسان کوشش کرتا رہے، تب بھی ''صحابیت'' کا وہ مقام حاصل نہیں کرسکتا۔''

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ فرمادیا کہ ہماری زیارت کی ضرورت نہیں، اور ''صحابیت'' کا مقام حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ماں کی خدمت کرو۔ اگر ہم جیسا کوئی ناداشناس (ناجاننے والا) ہوتا تو یہ کہتا کہ یہ ''صحابیت'' کی دولت بعد میں ملنے والی نہیں، اگر ماں بیمار ہے تو کیا ہوا، کسی نہ کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا ہوتا ہی ہے، اس لئے اس ضرورت کے تحت گھر سے چلے جاؤ۔ اور جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے

واپس آجاؤ۔

مگر وہاں تو اپنا شوق پورا کرنا پیش نظر نہیں تھا، اپنی ذاتی خواہش پوری نہیں کرنی تھی، بلکہ وہاں تو صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا شوق تھا۔ اس لئے آپ کی زیارت کو چھوڑ دیا۔ اور گھر میں ماں کی خدمت میں لگے رہے حتی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، اور حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکے۔[۱]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب کوئی قافلہ آتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے پوچھتے کہ تم میں کوئی اویس بن عامر ہے؟

بس ایک وقت ایسا آیا کہ وہ اویس بن عامر کے پاس پہنچ گئے اور کہا کہ تم اویس بن عامر ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا آپ کو برص کی بیماری تھی جس سے اللہ نے آپ کو شفا دی سوائے ایک درہم کی جگہ کے۔

تو اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا: جی ہاں!

آپ نے پھر سوال کیا، کیا آپ کی والدہ بھی ہیں؟

اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: جی ہاں!

پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ أُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ مَعَ أَمْدَادِ أَهْلِ الْيَمَنِ مِنْ مُرَادٍ ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ، كَانَ بِهٖ بَرَصٌ فَبَرَأَ مِنْهُ إِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ، لَهٗ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهٗ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ."

---

[۱] اصلاحی خطبات: جلد۴ صفحہ ۶۵

ترجمہ: ''تمہارے پاس اویس بن عامر آئے گا یمن کے قافلے کے ساتھ۔ اس کا تعلق پہلے مراد سے ہوگا پھر قرن سے۔ اس کو برص کی بیماری ہوگی اور ایک درہم جگہ کے علاوہ باقی جسم کو بیماری سے شفا مل گئی ہوگی۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا ہوگا اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کردیں۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کسی بات کی قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کردیں اور اس کو ناکام نہ ہونے دیں) اگر تمہیں موقع ملے تو اس سے اپنی معافی یا بخشش کی دعا ضرور کرانا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بس اب تم میرے لئے اور ان کے لئے استغفار کرو۔ جب حضرت اویس نے یہ سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا، تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ نسبت عطا فرمائی۔''

پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟

اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: کوفہ کا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کے گورنر کی طرف آپ کے لئے رقعہ لکھ دوں؟

اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے کہ میں عام اور کمزور لوگوں میں سے رہوں۔[1]

دیکھیے! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے یہ کہا جارہا ہے کہ اپنے حق میں دعا کراؤ۔ یہ چیز ان کو کس طرح حاصل ہوئی؟

یہ چیز ان کو والدہ کی خدمت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بدولت

[1] مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل اویس: ۳۱۱/۲

حاصل ہوئی۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جس کام کا حکم دیا ہے، اب میں اس پر عمل کروں گا چاہے کچھ ہو جائے۔ لہٰذا ہمیں بھی اپنی والدہ کی خدمت میں خوب کوشش کرنی چاہیئے اور ان کی نافرمانی سے بچنا چاہیئے۔

والدہ کے ساتھ ادب کی ایک صورت[1]

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی والدہ نے کسی بات پر قسم کھائی تو والدہ نے اپنے بیٹے یعنی امام صاحب سے کہا میں اپنی قسم توڑنا چاہتی ہوں مجھے کتنا کفارہ دینا پڑے گا۔ فلاں واعظ صاحب جو وعظ کیا کرتے ہیں اُن سے پوچھ کر آؤ کہ اس صورت حال میں شرعی حکم کیا ہے؟

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے خالو وعظ کیا کرتے تھے اور وہ اپنے وعظ میں عبرت ناک اور نصیحت آموز قصّے زیادہ بیان فرماتے تھے جس کی وجہ سے ان کا نام ''اَلْقَاصُّ'' (یعنی قصہ سنانے والا) پڑ گیا تھا۔ ان کا نام ابو طالب تھا اور اُن کو قصہ سنانے کی وجہ سے ''اَلْقَاصُّ'' کہتے تھے اور امام صاحب کی والدہ ان کے بیان میں حاضر ہوتی تھیں۔

حالانکہ یہ شخص امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں سے بھی علم میں درجہ کم رکھتے تھے لیکن چونکہ والدہ محترمہ نے فرمایا تھا کہ انہی سے جواب پوچھنا۔

تو امام صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ امی میں بتادوں میں جانتا ہوں یہ مسئلہ......

بلکہ اپنے شاگرد کے ذریعہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلوایا۔

اور ان سے پوچھا:

''اِنَّ اُمِّیْ حَلَفَتْ عَلٰی یَمِیْنٍ وَ اَمَرَتْنِیْ اَنْ اَسْأَلُکَ فَکَرِهْتُ خِلَافَهَا''

---

[1] واقعہ نمبر ۱۲

تَرْجَمَۃ: ''میری والدہ نے کسی بات پر قسم کھائی ہے اور مجھ سے فرمایا کہ میں آپ سے پوچھوں اور میں اس کے خلاف کرنے کو ناپسند سمجھتا ہوں۔''

لہٰذا آپ اس کا جواب عنایت فرما دیجیے۔

ابو طالب نے کہا:

''فَاَفْتِنِیْ بِالْجَوَابِ''

تَرْجَمَۃ: ''مجھے تو جواب آتا نہیں آپ مجھے جواب بتا دیں۔''

تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اَلْجَوَابُ کَذَا''

تَرْجَمَۃ: اس مسئلہ کا جواب اس طرح سے ہے۔''

تو ابو طالب نے کہا:

''قُلْ لَهَا عَنِّیْ اَنَّ الْجَوَابَ کَذَا وَکَذَا''

تَرْجَمَۃ: ''میری طرف سے آپ ہی والدہ صاحبہ کو یہ جواب دے دیں۔''

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی والدہ کو اس طرح بتا دیا کہ وہ صاحب اس مسئلہ کا اس طرح جواب دے رہے ہیں تو وہ واعظ کی اس بات سے راضی ہو گئیں۔[1]

یہ ہے ماں کا ادب ...... اس طرح سے ادب کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ امت کے لئے ہدایت کا چراغ بناتے ہیں۔ ماں کی دعا سے اللہ تعالیٰ ایسی ترقی عطا فرماتے ہیں۔ یہ ہے اطاعت اور محض اطاعت، جو والدہ صاحبہ کہہ دیں اسی طرح اطاعت کرنا، بسا اوقات والدہ صاحبہ ہم سے مشورہ طلب کریں تو ہم ضرور مشورہ دیں، لیکن جب حکماً ارشاد فرما دیں اس طرح کرو، تو اسی طرح کرنا چاہیے۔ ہاں! اس

[1] أخبار أبي حنيفه وأصحابه، للصميري: ص ۵۲

میں کسی دینی نقصان کا خطرہ ہو تو ادب سے اطلاع دے دیں، ورنہ والدین جیسے فرمائیں، اسی طرح ان کی اطاعت کرنی چاہیے، بسا اوقات والدین کی بات ماننا مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے ماں باپ کی کہی ہوئی بات پر عمل کرنا شروع کرتا ہے تو ارادہ کرتے ہی وہ ساری مشکلات دور ہوتی جاتی ہیں۔

والدین کا حکم ملنے پر ٹال مٹول نہیں کرنی چاہیے[1]

دنیائے ادب کی مشہور ترین کتاب "نفحة العرب" میں مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وَكَانَ حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ، يَقْعُدُ لِلنَّاسِ، فَتَقُوْلُ لَهُ اُمُّهُ:
قُمْ يَا حَيْوَةُ! اَلْقِ الشَّعِيْرَ لِلدَّجَاجِ، فَيَقُوْمُ"[2]

ترجمہ: "حیوۃ بن شریح لوگوں کے (فیصلوں کے لئے) بیٹھے ہوتے تھے آپ کی والدہ آکر کہتیں: حیوۃ! مرغی کو جو ڈال دے، آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔"

یہ درجہ جو حیوۃ بن شریح کو ملا ان میں سے ایک اہم سبب والدہ محترمہ کی اطاعت تھی۔

کتنے ہی اہم اور بڑے کام میں مشغول ہوتے والدہ کا حکم پانے کے بعد وہ کام چھوڑ کر فوراً ہی والدہ کی اطاعت میں لگ جاتے، یوں نہ فرماتے کہ امی بعد میں کرلوں گا یا امی یہ کام پورا کرلوں پھر کرلوں گا۔

جی نہیں! بلکہ والدہ کا حکم ملا اور فوراً ہی تعمیل کے لئے اپنے سب کام چھوڑ کر والدہ

---

[1] واقعہ نمبر ۱۳
[2] نفحة العرب: ص ۲۳۲

کے حکم کی اطاعت میں لگ گئے۔

والد صاحب کے حکم پر درس دینے کو مؤخر کردینا[1]

آپ نے مولانا حسین احمد مدنی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا نام سنا ہوگا؟

بہت بڑے عالم گذرے ہیں۔

کئی سال تک دارالعلوم دیو بند میں حدیث کا درس دیتے رہے، دنیا میں ان کے کئی شاگرد ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کا کام لیا۔

ان کی سوانح اور حالاتِ زندگی پر ایک کتاب ہے جو ''نقشِ حیات'' کے نام سے چھپی ہوئی ہے اس کتاب میں مولانا حسین احمد مدنی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا اپنے والد کی اطاعت کا واقعہ لکھا ہے۔

''حضرت مولانا حسین احمد مدنی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مدینہ منورہ میں مدرسہ شمسیہ میں بطور مدرِس طلباء کو پڑھایا کرتے تھے، لیکن پھر بعض عوارض کی بنا پر مدرسہ سے استعفاء دے دیا۔ اور یہ ارادہ کیا کہ حرمِ محترم میں اللہ کی رضا کے لئے بلا معاوضہ اسباق پڑھائے جائیں۔

چنانچہ طلباءِ علوم کے اصرار کی وجہ سے دن، رات کا اکثر حصہ اسی میں صرف کر رکھا تھا اور روزانہ چودہ اسباق پڑھایا کرتے تھے، پانچ سبق صبح کو، تین یا چار ظہر کے بعد، دو عصر کے بعد، دو مغرب کے بعد اور ایک عشاء کے بعد۔

مزید آگے فرماتے ہیں: ہماری رہائش جس مکان میں تھی وہ اپنا ذاتی مکان نہ تھا بلکہ کرایہ کا تھا۔

مالک مکان نے نوٹس دے دیا کہ کرایہ کا مکان خالی کردو ہم کو تعمیر کرانی ہے ایک مہینہ کی مہلت تم کو دی جاتی ہے اس بنا پر والد صاحب مرحوم نے ضروری سمجھا

---

[1] واقعہ نمبر۱۴

کہ اپنی خریدی ہوئی زمین میں ہی چند کمرے گذارے کے لائق اپنے ہاتھوں سے بنالئے جائیں۔ کیونکہ نہ کسی مکان کے مستقل کرایہ پر لینے کی طاقت ہے اور نہ مکان بنوانے کی۔

سرمایہ کوئی نہ تھا اور اگر کچھ ہوتا بھی تو دوسرے کے مکان میں خرچ کرنے سے بہتر اپنے مکان میں خرچ کرنا تھا۔ کچی اینٹیں تھپوائی ہوئی موجود تھیں۔ عورتوں اور بچوں کو لے کر روز وہاں جاتے تھے اور خود اپنے ہاتھ سے دیوار بناتے تھے اور ہم تینوں اینٹیں ڈھوتے تھے اور عورتیں گارا لاتی تھیں۔

الحاصل اسی طرح احاطہ کے شمال مشرقی جانب میں پانچ کوٹھریاں ایک غسل خانہ ایک بیت الخلا اور ایک پردہ کی دیوار ان تمام کوٹھریون کے سامنے اپنے ہی ہاتھوں سے سب نے مل کر بنائی، کوٹھریوں کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں۔ چھت اتنی اونچی بنائی گئی کہ اگر چارپائی پر کھڑے ہوں تو سر چھت میں نہ لگے مگر زیادہ نیچی بھی نہ رہے۔ کڑی کی جگہ ببول کی موٹی موٹی شاخیں جو کہ بدو لوگ شہر میں فروخت کرنے کے لئے لاتے ہیں دُور دُور لگائی گئیں اور اُن پر کھجور کے پتوں کے ڈنٹھر قریب قریب بچھائے گئے۔ اور اُن پر کھجور کے بوریئے بچھا دیئے گئے اور اُن پر گلاوہ (ترمٹی) بچھا کر خشک مٹی ڈال دی گئی۔

چھت اتنی مضبوط نہ تھی کہ بلا تکلف اس پر آدمی چل سکے اور نہ اتنی موٹی تھی کہ زور کی بارش کو روک سکے چھپّر کی طرح ڈھلوان رکھی گئی تھی اس طرح پر دھوپ اور سردی سے حفاظت ہوگئی معمولی بارش کی بوندوں سے بھی حفاظت تھی۔ مگر زور کی بارش میں (جو کہ مدینہ منورہ میں بہت کم ہوتی ہے) سب پانی اندر آتا تھا۔

اس لئے ضروری تھا کہ پختہ مکان بنایا جائے اور جلد بنایا جائے اس لئے اس کی طرف پوری توجہ والد صاحب مرحوم نے اسی وقت سے کردی۔ جو رقوم جمع ہو جاتی تھیں اس کو روز مرّہ کے مصارف خانہ داری میں صرف نہیں کرتے تھے بلکہ تعمیر ہی

میں لگانا ضروری سمجھتے تھے۔

کبھی پتھر خرید لئے کبھی لکڑی خرید لی کبھی اس مجموعہ ضروریات سے عمارت تعمیر کرالی۔ معماروں اور مزدوروں کے ساتھ خود بھی لگے رہتے تھے، اور ہم بھائیوں کو بھی ساتھ لگنے کی تاکید فرماتے تھے۔

بسا اوقات میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا کتاب پڑھا رہا ہوتا تھا اور آدمی آتا کہ والد صاحب بلاتے ہیں، طلبہ کو رخصت کر کے حاضر ہوتا تو فرماتے کہ مٹی اٹھانے والا یا اینٹ اٹھانے والا مزدور نہیں آیا تم اس کام کو انجام دو۔ بمجبوری تمام دن یہ کام کرنا پڑتا اور تمام اسباق کو معطل کرنا پڑتا۔ بسا اوقات ایک ایک دو دو ہفتہ اسباق کو معطل کر کے تمام اوقات والد صاحب کے حکم کی اطاعت میں اسی تعمیری خدمات میں صرف کرنا پڑتے بڑے بھائی صاحب مرحوم اور دوسرے بھائیوں اور بچوں کو بھی ایسا کرنا پڑتا تھا، مگر چونکہ میں سب میں زیادہ مضبوط اور نوجوان تھا اس لئے مجھ پر نزلہ زیادہ گرتا تھا۔

چھوٹے بھائی جمیل احمد مرحوم اور محمود احمد بھی اگر اپنی تعلیمات سے فارغ ہوتے تو وہ بھی یہ کام انجام دیتے۔ گارا بنانا، گارا ڈھونا، اینٹیں تھاپنا، اینٹیں معمار تک پہنچانا، پانی بھرنا (گارے کے لئے) وغیرہ تمام ضروریاتِ عمارت ہم لوگ انجام دیتے رہے۔ البتہ تعمیر کرنا اور پتھروں کا گھڑنا اور ان کو موضعِ تعمیر تک پہنچانا یہ ہم سے نہیں ہوسکتا تھا اس لئے اس کے کرنے والے مزدور ضرور رکھے جاتے تھے۔[1]

ذرا غور کیجئے! حضرت مولانا حسین احمد مدنی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اتنے بڑے شیخ الحدیث اور بلند مقام کے حامل ہونے کے باوجود کس طرح اپنے والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں مٹی اور اینٹ اٹھانے کا کام انجام دیتے ہیں اور حرمِ مدینہ منورہ میں تدریس جیسے عمل کو بھی مؤخر فرما دیتے ہیں، اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ

[1] ماخوذ نقش حیات: صفحہ ۷۸ تا ۸۶

تدریس بلا معاوضہ تھی۔ اور بغیر کسی تاخیر کے فوراً والد صاحب کا حکم پاتے ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوکر بغیر لیت ولعل (ٹال مٹول) کے مزدوروں کا کام کرنے لگ جاتے، اسی طرح والدین کی اطاعت کرنے والے لوگوں کو دنیا وآخرت میں انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

والدہ کی اطاعت سے حفاظت اور ہدایت[1]

آج سے کئی صدیاں پہلے اسلامی دنیا کے بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ ان کا اصلی نام عبدالقادر تھا۔ وہ ایران کے ایک شہر گیلان میں پیدا ہوئے اس لئے ان کے نام کے ساتھ گیلانی بھی لکھا جاتا ہے۔ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ ابھی چھوٹے سے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور ان کی پرورش اور تربیت کا سارا بوجھ والدہ کے کندھوں پر آن پڑا، جس کو اس نیک بخت بی بی نے اس طرح نبھایا کہ ننھے عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے ہوکر بہت بڑے عالم اور اللہ والے انسان بنے۔

ننھے شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ نے شروع کے چند سال گیلان کے مقامی مدرسے میں تعلیم حاصل کی لیکن اس سے ان کی تسلی نہ ہوئی کیونکہ وہ اس سے بہت زیادہ علم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس زمانے میں شہر بغداد علم کا مرکز تھا۔ وہاں بڑے بڑے مدرسے قائم تھے اور بہت اچھے اچھے عالم تعلیم دیتے تھے۔

شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے ان مدرسوں کا سنا تو ان کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ بغداد جاکر تعلیم حاصل کریں، لیکن بغداد گیلان سے چار سو میل دور تھا اور وہاں جانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ آج کل ہوائی جہازوں، ریل گاڑیوں اور موٹروں کے ذریعے دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہوجاتا ہے لیکن اس زمانے میں یہ چیزیں کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھیں۔ لوگ پیدل سفر کرتے یا جانوروں کی

---
[1] واقعہ نمبر ۱۵

پیٹھ پر سوار ہو کر۔ پھر راستے میں لوٹ مار کا خطرہ بھی رہتا اس لئے لوگ بڑے بڑے قافلے بنا کر سفر کرتے۔

شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ سب باتیں معلوم تھیں پھر بھی وہ ہر صورت میں بغداد جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ایک دن دبی زبان سے اپنی والدہ سے بغداد جانے کی اجازت چاہی۔ وہ بڑی عقل مند خاتون تھیں بیٹے کا شوق دیکھ کر ان کو بغداد جانے کی اجازت دے دی اور ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا:

"میرے پیارے بیٹے تمہاری جدائی تو میں تھوڑی دیر کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتی لیکن جس نیک کام کے لئے تم بغداد جانا چاہتے ہو میں اس سے تمہیں نہیں روکتی، علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے میری دعا ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو۔ میں تو شاید جیتے جی تمہاری صورت نہ دیکھوں لیکن میری دعائیں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔"

پھر فرمایا:

"تمہارے والد نے مرتے وقت اسّی دینار میرے سپرد کئے تھے۔ اس میں سے چالیس دینار تمہارے چھوٹے بھائی کے لئے رکھتی ہوں اور چالیس دینار تمہیں دیتی ہوں۔ جب ضرورت پڑے انہیں خرچ کر لینا۔"

دینار سونے کا ایک قیمتی سکہ ہوتا تھا اور چالیس دینار آج کل کے ہزاروں روپے کے برابر تھے۔ والدہ نے یہ دینار شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ کی قمیص میں بغل کے نیچے بڑی احتیاط کے ساتھ سی دیئے تاکہ چوری اور گم ہونے سے محفوظ رہیں۔

انہی دنوں ایک قافلہ بغداد جا رہا تھا۔ شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ جانے کے لئے ماں سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے فرمایا:

"میرے لال! میری ایک نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا وہ یہ کہ خواہ کیسی بھی مصیبت آپڑے، چاہے تمہاری جان خطرے میں پڑ جائے جھوٹ کبھی نہ بولنا۔"

سعادت مند بیٹے نے ماں کے ہاتھ چھو کر کہا:

''امی جان میں سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔''

پھر وہ بغداد جانے والے قافلے کے ساتھ ہولئے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جب یہ قافلہ ایک ویران علاقے میں پہنچا تو بہت سے ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کر دیا اور ہر کسی سے سب کچھ چھین لیا۔ مال دولت اور اسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ چپ چاپ کھڑے یہ سارا دردناک نظارہ دیکھ رہے تھے۔ ایک ڈاکو ان کی طرف بڑھا اور نزدیک جا کر پوچھا:

''کیوں میاں لڑکے تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟''

انہوں نے فوراً جواب دیا: ''ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں۔'' ڈاکو کو ان کی بات کا یقین نہ آیا کیونکہ وہ بالکل سادہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس نے سمجھا کے لڑکا مایوسی کی حالت میں بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے اس لئے ان پر حقارت کی نظر ڈالتا ہوا آگے نکل گیا۔

پھر دو تین اور ڈاکوؤں نے بھی ان سے یہی سوال کیا اور انہوں نے سب کو ایک ہی جواب دیا کہ ان کے پاس چالیس دینار ہیں۔ ہوتے ہوتے یہ بات سب ہی ڈاکوؤں میں پھیل گئی اور آخر ان کے سردار تک بھی پہنچ گئی۔ سردار نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ذرا اس لڑکے کو میرے سامنے لاؤ۔

چند ڈاکو دوڑتے ہوئے گئے اور شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ کو پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے آئے جو ایک ٹیلے پر لوٹا ہوا مال تقسیم کرنے کے لئے بیٹھا تھا۔ سردار نے شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا:

''لڑکے سچ بتا تیرے پاس کیا ہے؟''

انہوں نے جواب دیا: ''میں پہلے بھی تمہارے ساتھوں کو بتا چکا ہوں کہ میرے

پاس چالیس دینار ہیں۔"

سردار نے کہا: "کہاں ہیں؟ نکال کر دکھاؤ۔"

انہوں نے فرمایا: "میری بغل کے نیچے قمیص میں سلے ہوئے ہیں۔"

سردار نے قمیص کو ادھیڑ کر دیکھا تو اس میں سے واقعی چالیس دینار نکل آئے۔

ڈاکوؤں کا سردار اور اس کے ساتھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کوئی شخص اس طرح سچ بول سکتا ہے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا:

"لڑکے تمہیں معلوم ہے کہ ہم ڈاکو ہیں اور مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں پھر بھی تم ہم سے نہیں ڈرے اور ان دیناروں کا بھید ہم پر ظاہر کر دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

نوجوان عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: "میری ماں نے گھر سے چلتے وقت مجھے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ سچ بولنا۔ بھلا ان چالیس دیناروں کی خاطر میں اپنی والدہ کی نصیحت کیوں کر بھلا دیتا۔ ایسا کرنا نافرمانی ہوتی جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا۔"

یہ الفاظ نہیں تھے سچائی کے ترکش سے نکلے ہوئے تیر تھے جو ڈاکوؤں کے سردار کے سینے میں پیوست ہو گئے۔ وہ روتے ہوئے بولا:

"آہ میرے بچے! تم نے اپنی ماں سے کئے ہوئے وعدے کو اتنا یاد رکھا۔ افسوس ہے مجھ پر کہ کئی سالوں سے اللہ کے حکم کی نافرمانی کر رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر اتنا رویا کہ گھگی بندھ گئی پھر بے اختیار شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں پر توبہ کی اور کہنے لگا:

"اے بچے تم پر اللہ تعالیٰ کی ہزار رحمت ہو کہ مجھے سیدھی راہ دکھا دی اب میں بھی زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا، آئندہ کبھی کسی کو تکلیف نہیں دوں گا، ہر برے کام سے بچوں گا اور کبھی لوٹ مار نہیں کروں گا۔"

اپنے سردار کو دیکھ کر دوسرے ڈاکوؤں نے بھی ڈاکے چوری اور دوسرے برے کاموں سے توبہ کرلی اور لوٹا ہوا تمام مال واسباب قافلے والوں کو واپس دے دیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ان سب نے نہایت نیک زندگی بسر کرنی شروع کردی اور بہت اچھے انسان بن گئے۔ یہ سب کچھ شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ کے سچ بولنے کی بدولت ہوا۔

اس واقعہ کے بعد شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ خیریت سے بغداد پہنچ گئے اور وہاں کئی سال تعلیم حاصل کرکے بہت بڑے عالم دین بن گئے۔ پھر وہ ساری عمر لوگوں کو حق کی راہ دکھاتے رہے۔ کہتے ہیں کہ ان کے وعظ کے اثر سے ایک ایک دن میں ہزاروں لوگ برے کاموں سے توبہ کرلیتے تھے اور نیک انسان بن جاتے تھے۔

شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ صرف وعظ ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ نیکی کے تمام کاموں میں پیش پیش رہتے تھے، بیواؤں، یتیموں غریبوں اور محتاجوں کی دل کھول کر مدد کرتے تھے، اس لئے ان کا شمار اللہ کے نہایت پیارے بندوں میں ہوتا ہے۔[1]

1. اس واقعہ سے ہمیں ایک سبق یہ حاصل ہوا کہ ہم کو ہر حالت میں سچ بولنا چاہیئے اور جھوٹ سے بچنا چاہیئے کیونکہ سچ بولنے سے آدمی نجات حاصل کرلیتا ہے، اگرچہ ظاہراً سچ بولنے میں ناکامی نظر آرہی ہو۔

اور جھوٹ بولنے سے اگرچہ وقتی فائدہ نظر آرہا ہو لیکن حقیقت میں وہ نقصان ہوتا ہے، کیونکہ ایک جھوٹ کو بچانے کے لئے انسان کو کئی جھوٹوں کا سہارا لینا پڑتا ہے، اور ان جھوٹوں کی وجہ سے وہ مزید مشکلات میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اور نتیجتاً جھوٹ بولنے والے کو نقصان اور ہلاکت کی صورت میں خمیازہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

---

[1] ماخوذ از گمنام محسن صفحہ ۴۳

جھوٹ بولنے سے حفاظت کے لئے اس دعا کا اہتمام بھی کرنا چاہیئے:

"اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّيَآءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْكِذْبِ وَعَيْنِیْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ."[1]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! میرا دل پاک کردے نفاق سے اور میرا عمل ریا سے اور میری زبان جھوٹ سے اور میری آنکھ خیانت سے، کیونکہ تو خوب جانتا ہے آنکھوں کی چوری اور جو سینوں میں چھپا ہوا ہے۔"

۲ اور دوسرا سبق یہ حاصل ہوا کہ والدہ کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت بھی کی اور ان کو ہدایت کا ذریعہ بھی بنایا کہ ان کے ذریعے سے چوروں کو چوری کے گناہ سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی انہوں نے توبہ کی اور نیک لوگوں کی صف میں شامل ہوگئے۔ یہ بہت بڑا درجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت کا ذریعہ بنادے کہ وہ خود بھی ہدایت یافتہ ہو اور دوسرے لوگ بھی اس کے قول اور اس کے عمل کے ذریعے سے ہدایت پائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس درجہ کے حصول کے لئے یہ دعا سکھائی ہے آپ بھی اس دعا کو مانگا کریں، یہ دعا ایک طویل دعا کا حصہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد میں مانگی تھی:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِيْنَ مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَآلِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ."[2]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! تو ہم کو بنالے دوسروں کو ہدایت کرنے والا اور خود ہدایت یافتہ، نہ ایسا کہ خود بھی گمراہ ہوں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والے ہوں۔"

۳ تیسری بات یہ کہ جب بھی آپ گھر سے باہر کہیں جائیں تو اس دعا کا ضرور

---

[1] مشکوٰۃ، بَابُ جَامِعُ الدُّعَاءِ ص۲۲۰

[2] ترمذی: اَبْوَابُ الدَّعْوَاتِ، بَابٌ مِنْهُ: ۲/۱۷۹

اہتمام کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ ہماری ہر پریشانی ومصیبت سے حفاظت فرمائیں۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَو اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَو اُزَلَّ اَو اَظْلِمَ اَو اُظْلَمَ اَو اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ"[۱]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں کہ میں کسی کو بہکاؤں یا مجھے کوئی بہکائے، یا میں خود لغزش کھاؤں یا کسی دوسرے کو لغزش دوں، خود کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر کوئی ظلم کرے، اور خود کسی کے ساتھ نادانی کی بات کروں یا کوئی دوسرا میرے ساتھ کرے۔"

والد کے ساتھ نیک برتاؤ کی وجہ سے دنیا ہی میں انعام[۲]

ایک زمانے میں حائل کے ایک گورنر گزرے ہیں جن کا نام طلال بن عبداللہ بن رشید تھا ان کا زمانہ ۱۲۸۲ھ تا ۱۳۰۳ھ تک تھا۔ ان کے سامنے ایک ایسے فرماں بردار نوجوان کا تذکرہ کیا گیا۔ جس کی حالت اس طرح بتائی گئی کہ اپنے والد صاحب کی ایسی خدمت کیا کرتا تھا جو کہ خدمت کا آخری درجہ ہوتا تھا گویا کہ اس سے بڑا کوئی درجہ ہے ہی نہیں۔

اس کے والد کے ساتھ نیکی میں ایک عمل یہ تھا کہ جب بھی قہوہ بناتا تو سب سے پہلے وہ اپنے والد صاحب کے لئے نکالتا تھا اگرچہ اس مجلس کے اندر کوئی ذی وجاہت یا کوئی بڑے دبدبے والا یا کوئی بڑی عمر والا ہی کیوں نہ موجود ہو پھر اپنے والد صاحب کے بعد اس شخص کے لئے ڈالتا جو بزرگی، وجاہت اور دبدبے والا ہوتا۔ تو اس پر امیر نے کہا کہ اگر میں بھی جاؤں تو تب بھی وہ اپنے والد کا پہلے اکرام کرے گا تو کہنے والے نے کہا کہ اگر آپ بھی چلے جائیں تو بھی ایسا ہی کرے گا۔

---

[۱] ابو داؤد: کتاب الادب، باب ما يقول الرجل اذا خرج من بيته: ۳۳۹/۲

[۲] واقعہ نمبر ۱۶

پس امیر نے اس آدمی کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم ظہر کی نماز کے بعد ان صاحب کے گھر جا کر ان کے ساتھ قہوہ نوش فرمائیں گے، اور حال یہ تھا کہ صاحب خانہ نہ امیر کے علاقے میں رہتا تھا اور نہ ہی ان کے اس اچانک ملنے کی غرض کو جانتا تھا۔ پھر حقیقتاً امیر (گورنر) اپنی پوری جماعت کے ساتھ وقت مقررہ پر اس شخص سے ملنے کے لئے گیا اور قہوہ پینے والے کمرے میں بیٹھ گئے جو کہ ان کے والد صاحب نے مہمانوں کے لئے منتخب کیا اور خود دروازے کے پاس اپنے لئے جگہ بنالی۔

بس یہ نوجوان مجلس کے درمیان میں قہوہ تیار کرنے لگا جب قہوہ تیار ہوگیا اب اس وقت اس کے لئے یہ مناسب تھا کہ پہلے قہوہ وہ امیر (یعنی گورنر) کے پیالے میں ڈالتا جو کہ مہمان بھی تھے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور اپنی پچھلی عادت پر قائم رہا اور اپنے باپ کا ارادہ کرتے ہوئے ان کے پیالے میں قہوہ ڈالا۔

والد صاحب نے اپنے سے پہلے امیر کو ترجیح دینے کے لئے کہا بھی لیکن لڑکے نے اصرار کیا کہ وہ پہلے لیں تو والد صاحب نے تکلیف کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو لے لیا پھر لڑکا متوجہ ہوا امیر کی طرف اور ان کے پیالے میں قہوہ ڈالا۔ اس عمل پر امیر نے مسکراتے ہوئے پیالہ اُٹھایا پھر اپنی مجلس سے اٹھا تا کہ مصافحہ کریں لڑکے کے ساتھ اور اس کو اس اچھے برتاؤ پر مبارک باد دے۔ اور لڑکے سے پوچھا:

"بِاللهِ عَلَيْكَ هَلْ عَلِمْتَ بِالْغَرَضِ مِنْ زِيَارَتِنَالَكُمْ؟"

ترجمہ: "تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں سچ بتاؤ کہ تم جانتے ہو ہم تمہارے پاس کیوں آئے ہیں؟"

پھر کہا کہ اللہ کی قسم! کیا تم میری ملاقات کی غرض جانتے تھے؟

لڑکے نے کہا:

"لَا وَاللهِ اَنِّيْ لَمْ اَعْلَمْ بِذٰلِكَ اِلٰى هٰذِهِ اللَّحْظَةِ."

ترجمہ: اللہ کی قسم! میں تو اس وقت تک بھی نہیں جانتا کہ آپ کس

مقصد کے لئے تشریف لائے ہیں۔"

"لَقَدْ نُقِلَ اِلَیَّ کَیْتَ وَ کَیْتَ وَ ثَبَتَ مَا نَقَلَ اِلَیَّ فَهَنِیْئًا لَکَ عَلٰی مَا قُمْتَ وَ تَقُوْمُ بِهٖ.[1]"

امیر نے کہا کہ مجھے تمہارے بارے میں اس طرح بتایا گیا تھا کہ تم اپنے والد کے فرماں بردار بیٹے ہو، ان کی عزت حد سے زیادہ کرتے ہو، ان کا اکرام کرتے ہو، کسی چیز کے پیش کرنے میں ان کو پہلے پیش کرتے ہو اور آج اَلْحَمْدُلِلّٰہِ یہ بات سچ ثابت ہوگئی اور تم اس نیک عمل کی وجہ سے بہت مبارک باد اور خوش نصیبی کے مستحق ہو۔

پھر امیر نے اس کے لئے انعام کا اعلان کیا۔

والدین کی خدمت اور اطاعت ضرور رنگ لاتی ہے[2]

ملک شام کا رہنے والا ایک نوجوان بغرضِ تجارت اپنے زمانے طفولیت میں اپنے والدین سے جدا ہوا یہ نوجوان عربی النسل تھا اس نوجوان نے مویشیوں اور دیگر اشیاء کی تجارت شروع کی اللہ رب العزت نے اس کے مال میں برکت عطا فرمائی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے بڑا تاجر بن گیا۔

اس نوجوان کے والد بہت بڑے زمین دار اور سمجھ دار کسان تھے، ان کا خاندان بھی بہت بڑا تھا اچانک قحط سالی نے انھیں آگھیرا اور فقر وقرض میں مبتلا ہوگئے۔

اس نوجوان کے والد اپنے والدین کے بہت فرمانبردار اور خدمت گذار تھے انھیں یقین تھا کہ اللہ ان کے اجر کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔

ادھر لڑکا اپنی تجارت میں مشغول ہوکر اپنے گھر والوں کو بھلا بیٹھا، کئی سال گزر

---

[1] فضل بر الوالدین ص ۳۲

[2] واقعہ نمبر ۱۷

گئے اس نے اپنے والدین کو کوئی خط نہیں لکھا۔ بالآخر جب گھر والوں کو بہت زیادہ فکر ہوئی اور مال کی تنگی اور قرض خواہوں نے ستایا تو اس کے والد نے ایک سراغ رساں آدمی سے درخواست کی کہ وہ اس کے نوجوان بیٹے تک اس کا خط پہنچا دے اور اس کی خیریت بھی معلوم کرے اور وہ اپنے والدین کے لئے جو رقم بھیجے وہ بھی لے آئے۔

وہ شخص نوجوان کی تلاش میں گھر سے نکلا سخت تگ و دو کے بعد بالآخر وہ اس نوجوان تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا، اس نے اسے والدین کا حال بتلایا اور ساتھ ہی ماں باپ پر آنے والے مصائب ذکر کئے نوجوان کو بہت افسوس ہوا کہ وہ خود تو اطمینان والی زندگی گذار رہا ہے اور اس کے والدین پریشان ہیں وہ اپنے والدین کی مدد کرنا چاہتا تھا لیکن اسے اس خط لانے والے شخص پر اطمینان نہ تھا کہ مال اس کے حوالے کرے۔

کافی غور وفکر کے بعد اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اس نے ایک بڑی روٹی تیار کروائی اور اس کے درمیان میں سونے کے سکے اس طرح بھر دیئے کہ روٹی اٹھاتے وقت ان سکوں کا وجود بالکل محسوس نہ ہوتا جب روٹی تیار ہوگئی تو اس نے وہ روٹی اس شخص کے حوالے کی اور کہا:

"إِنْ كَانَ يُرِيدُ خُبزاً فَلْيَحْضُرْ هُوَ وَأطْفَالُهُ وَنِساءُهُ وَأمَّا النَّقْدُ فَلَا أَمْلِكُ شيأً."

ترجمہ: "میرے والد سے کہنا کہ میں مالی امداد تو نہیں کرسکتا البتہ اگر وہ کھانے وغیرہ کے لئے پریشان ہیں تو میرے پاس آجائیں اور یہ روٹی ان کو دے دینا۔"

وہ شخص روٹی لے کر روانہ ہوا یہاں تک کہ اس کے والد کے پاس پہنچا اس کے والد نے کارگذاری پوچھی جس پر اس نے سارا قصہ سنا دیا نوجوان کے والد سمجھ دار آدمی تھے وہ سمجھ گئے کہ نوجوان نے ضرور اس روٹی کے ذریعہ ان کی مدد کی ہے انہوں

نے اس شخص سے کہا کہ وہ روٹی میرے حوالے کرو۔

جب روٹی کے ٹکڑے کیے تو اس میں سے سو (۱۰۰) سونے کے سکے نکلے اس کے والد نے کہا کہ مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میری اپنے والدین کی خدمت کرنے کو ضائع نہیں کریں گے۔ اور پھر اس شخص کو بھی اعزاز و اکرام سے نوازا، اور قرضہ بھی اتار دیا، اس شخص نے اس روٹی سے سونا نکلتے دیکھ کر کہا:

"وَاللّٰهِ لَوْ عَلِمْتُ اَنَّ فِيهِ ذَهَباً لَمَا جَعَلْتُكَ تَرَاهُ"

تَرْجَمَہ: "اگر مجھے معلوم ہوتا اس روٹی میں سونے کے دینار ہیں تو یہ روٹی تم کبھی نہ دیکھ سکتے۔"

پھر یہاں تک کہ لڑکا مستقل پیسے بھیجتا رہا اور ایک وقت وہ آیا کہ والد دوبارہ اچھے بھلے زمینوں کے مالک بن گئے اور بیٹے کی تجارت میں بھی اللہ تعالیٰ نے خوب برکت عطا فرمائی اور قرض مانگنے والوں کا قرض بھی اتر گیا۔[1]

فَائِدَہ: ...... اس زمیندار کسان نے اپنے والد کی دعائیں لی تھیں، اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں اس کو یہ بدلہ عنایت فرمایا:

١ اس کے بیٹے کو بھی اس کا فرماں بردار بنا دیا۔

٢ بیٹے کے مال کو ذریعہ بنا کر قرضہ اتروا دیا۔

٣ کچھ زمانہ غفلت کا گزرا، بٹیا باپ کو بھول گیا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق دی اور بیٹا دوبارہ والد کی خدمت کرنے لگا۔

٤ بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت کی راہ سمجھائی کہ بہترین تدبیر کے ذریعہ والد کی خدمت میں مال پہنچایا۔

٥ راستہ میں چوروں سے مال کی حفاظت فرمائی۔

لہٰذا اگر آپ کا نفس والدین کی خدمت پر تیار نہ ہو تو اس کو اس طرح سمجھائیں

---

[1] نزهة النفس الادبية: ۷/۱

کہ والدین سے حاصل شدہ دعائیں ہمارے لئے چھپے ہوئے ذخیرہ، اور محفوظ خزانہ کی طرح ہیں تو جس طرح کسی برے وقت کے آنے پر وہ خزانہ ہمیں کام دیتا ہے اسی طرح والدین کی خدمت کر کے حاصل شدہ دعائیں ہمیں ہر مصیبت، بلا کے کٹھن وقت پر کام آئیں گی، دشمن کو دوست بنا دیں گی۔ دور کے لوگوں کو نزدیک کر دیں گی۔ غیروں کو اپنا بنا دیں گی۔ اس کسان نے اپنے والدین کی خدمت اور اطاعت کر کے دعا لی تھی، اس کا نتیجہ کتنا اچھا ہوا کہ اس برے اور کٹھن وقت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد فرمائی۔

کسان اور اس کے نیک بیٹے کا قصہ[1]

روایت ہے کہ ایک نوجوان اپنی جوانی میں مست تھا اس کا باپ ایک غریب کسان تھا۔ اور بہت محنت مشقت کے بعد اپنے گذر کے مطابق روزی حاصل کر پاتا۔

لڑکا اپنے والد کے ساتھ بہت بداخلاقی سے پیش آتا اور اپنی سستی کی وجہ سے ان کے کاموں میں مدد نہیں کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ باپ نے غصّے میں بیٹے کو مارا جس پر وہ بے ہوش ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد اس لڑکے نے سعودی عرب کے شہر دمام کی طرف سفر کیا اور اپنی محنت اور صبر سے ''ارامکو'' نامی ایک کمپنی میں کام کرنا شروع کیا۔

بہت سال گذر گئے اور باپ کی فقیری بڑھتی ہی چلی گئی، قرضے بہت بڑھ گئے قرض خواہ بہت ہوگئے تھے جو اس سے دن رات قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا کرتے تھے اور اس پر اس کی زندگی تنگ کر دی تھی۔

''حَتّٰی زَجُّوْہُ بِالسِّجْنِ''

تَرجَمَہ: ''یہاں تک کہ اس کو جیل لے گئے۔''

---

[1] واقعہ نمبر ۱۸

قاضی نے اس کی تمام زمینوں کے فروخت کرنے کا حکم لگا دیا تا کہ اس کے قرض کو ادا کیا جائے اور اس کے کھجور کے آخری باغ کو بھی بیچا جانے لگا جس پر اس کے اہل وعیال کا گذر بسر تھا۔

اب جب بچنے کی کوئی اور صورت نہیں نظر آئی تو اس نے قاضی سے دو ماہ کی مہلت مانگی کہ شاید اللہ تعالیٰ اس پر کشادگی کو کھول دیں۔ قاضی نے اس کی یہ شرط منظور کرلی اور دو ماہ تک باغ کے بیچنے پر پابندی لگادی۔

اب کسان کو اپنا بیٹا یاد آیا اور وہ اس کی تلاش میں دوسرے شہر کی طرف چل پڑا چلتے چلتے وہ ریاض پہنچا۔

جو کہ سعودی عرب کا دارالحکومت ہے۔ وہ ایک سڑک پر کھڑا ہوا سوچنے لگا کہ کیا وہ لوگوں سے پوچھے؟ اب وہ بہت پریشان ہوگیا۔

"فَضَاقَتْ بِهِ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ."

تَرجَمَہ: "زمین باوجود اپنی وسعت کے اس پر تنگ ہوگئی۔"

اس نے اپنے شہر کی طرف واپس جانے کا ارادہ کیا اور یہ سوچ لیا کہ وہ اپنے باغ کو بیچ دے گا اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردے گا لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ اپنے بیٹے سے مل کر ہی واپس اپنے وطن جائے۔

وہ ڈھونڈتا رہا یہاں تک کہ اس نے اپنے بیٹے کو پالیا وہ ایک کمپنی میں کام کرتا تھا۔ باپ ڈھونڈتے ڈھونڈتے کمپنی میں پہنچ گیا۔

"فَرَحَّبَ الْاِبْنُ بِأَبِيْهِ تَرْحِيْبًا عَظِيْمًا"

تَرجَمَہ: "بیٹے نے اپنے باپ کا بہت زبردست استقبال کیا۔"

اس نے کام والے مزدوری کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بس جلدی سے لڑکے نے اپنے والد کے لئے قہوہ بنا کر پیش کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے والد قہوہ کے بہت شوقین ہیں۔

"فَسَرَّ الْأَبُ مِنْ الابْنِ عَلٰی تِلْكَ الْمُعَا مَلَةِ الْحَسَنَةِ وَكَانَ بِجَيْبِ الْأَبِ عِشْرِيْنَ رِيَا لًا فَأَرَادَ أَن يُعْطِيهَا لِلِابْنِ مُكَافَأَةً لَهٗ."

تَرجَمَہ: "تو اس اکرام پر اس کے والد صاحب بہت خوش ہوئے۔ ان کی جیب میں بیس ریال تھے تو انھوں نے سوچا کہ بیٹے کی خوش دلی کے لئے یہ رقم اس کے حوالے کردیں۔"

کیونکہ انہوں نے بیٹے کو مزدوری کے بوسیدہ لباس میں دیکھا اور اس کی ظاہری حالت سے اس کو فقیر گمان کیا تو باپ کی پوری شفقت نے جوش مارا اور جو کچھ اس کی جیب میں کل کائنات تھی وہ بیٹے کو دینے کا ارادہ کیا لیکن بیٹے نے قبول کرنے سے معذرت کرلی اور اپنے والد صاحب سے بھائیوں، بہنوں اور گھر والوں کی حالت کے بارے میں سوال کیا؟

والد صاحب نے کہا کہ: سب خیریت سے ہیں۔ اس پر لڑکے نے کہا کہ ان پر کوئی پریشانی تو نہیں؟ کیونکہ آپ کے چہرہ سے غم و پریشانی ظاہر ہورہی ہے، لیکن والد صاحب نے اس کو چھپایا کہ ان پر کوئی مصیبت اور پریشانی نہیں ہے۔

لیکن لڑکے کے شدید اصرار پر والد نے اعتراف کرلیا کہ وہ قرض کی وجہ سے وہاں سے نکلا ہے اور قید میں جانے والا ہے اور ان کا کھجور کا وہ باغ بھی قاضی نے نیلام کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس پر ان کا اور ان کے بچوں کا گذارا تھا۔

لڑکے نے اپنی شادی کے مہر کی غرض سے اپنی جمع پونجی رقم ایک دوکاندار کے پاس اماناً رکھوائی تھی۔ لڑکا فوراً اس کے پاس گیا اور وہ رقم لاکر جو تقریباً سات ہزار ریال تھی والد صاحب کی خدمت میں پیش کی، یہ دیکھ کر والد صاحب کے چہرے پر خوشی کے اثرات ظاہر ہوئے، اور وہ خوشی کے مارے رونے لگے۔

اب والد نے سوچا کہ ان پر تو چھ ہزار ریال کا قرض ہے یہ سوچ کر انھوں نے ایک ہزار ریال اپنے بیٹے کو لوٹانے کا ارادہ کیا، لیکن بیٹے نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ

آپ یہ ہزار ریال میری والدہ اور بہن بھائیوں پر خرچ کیجئے گا اِن شاء اللہ...... اللہ تعالیٰ مجھے اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں گے۔

"وَأَنَا سَوْفَ يَرْزُقُنِيَ اللّٰهُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ لِأَنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرَةِ أَمْثَالِهَا."

تَرْجَمَہ: "ان شاء اللہ مجھے اللہ اس سے زیادہ دے دینگے کیونکہ ہر نیکی کا دس گناہ زیادہ اجر ہوتا ہے۔"

"وَعَادَ الْأَبُ عَزِيْزَ النَّفْسِ مُعْجِباً بِإِيْمَانِ ابْنِهِ الْقَوِيِّ فِيْ اللّٰهِ."

تَرْجَمَہ: "کسان اپنے نیک بیٹے کی ایمانی قوت پر خوش ہوتے ہوئے لوٹ گیا۔"

جب کسان امیر (گورنر) کے پاس پہنچا اور سارا قرض ادا کردیا تو امیر نے پوچھا کہ تمہارے پاس یہ رقم کہاں سے آئی؟

کسان نے اس کو بتایا کہ اس کا بیٹا نیک اور صالح ہوگیا ہے، اور بیٹے نے اپنی ساری کمائی جو شادی کی غرض سے جمع کی تھی میرے قرضہ میں ادا کردی، یہ سن کر امیر کو اس پر ترس آیا اور امیر نے اپنی طرف سے اس کو دو ہزار ریال انعام میں دیئے۔

کسان اپنے کام کی طرف لوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کسان کے بیٹے کو اس کی نیکی کی وجہ سے ایک نیک سیرت بیوی دی جو اس کے ہر کام میں اس کی مددگار ثابت ہوئی۔ اور اس کی زندگی خوشی و آرام اور راحت سے گذرنے لگی۔

یہ سب کچھ اس کے ساتھ صرف باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی وجہ سے ہوا۔[1]

ایک ہی بار ملتے ہیں[2]

"میسرہ تیار ہے شیخ۔" حبشی غلام نے ساحل پر لگے خیمے کا پردہ اٹھا کر کہا۔

---

[1] فضل بر الوالدین: ص ٦١
[2] واقعہ نمبر ۱۹

"ماشاء اللہ! حماد، احمد، محمد، محمود ...... میرے بیٹو! امان اُٹھاؤ ہمیں دیر نہ ہو جائے، شیخ حذیفی جزیرۃ الحوت میں ہمارے منتظر ہوں گے۔" شیخ ولید نے چار صحت مند لڑکوں کو مخاطب کر کے کہا۔ اسی لمحے دو کڑیل جوان اندر داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی شیخ ولید کے چہرے پر دوسرا رنگ آ گیا، وہ نرم لہجے میں بولے:

"خالد ...... حامد ...... تم امی ابو کو میسرہ پر لے جاؤ، میں نوکروں کو چند ہدایت دے کر آتا ہوں۔" شیخ ولید یہ کہہ کر خیمے سے باہر نکل گئے۔

شیخ ولید خاندانی رئیس نہیں تھے۔ ان کی دولت ان کی محنت کی کمائی ہوئی تھی۔ ان کے والد گونگے اور ماں نابینا تھیں۔ وہ اپنے والدین کی سب سے بڑی اولاد تھے۔ ان کے دو چھوٹے بھائیوں اور ان کے درمیان عمروں کا خاصا فرق تھا۔ شیخ پینتالیس سال کی حدود کو چھو رہے تھے، جب کہ ان کے دونوں بھائی پچیس چھبیس سال کے تھے۔

شیخ ولید کی کم عمری ہی میں شادی ہو گئی تھی۔ انہوں نے اپنے معذور والدین اور فاقہ زدہ گھر کی کفالت کے لیے سخت جدو جہد کی، ماہی گیری کو اپنا پیشہ بنایا اور مسلسل محنت کر کے اس ساحلی علاقے کے بڑے جہاز ران بن گئے۔

انہوں نے اپنے بھائیوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا، انہیں اعلیٰ تعلیم دلائی، پھر اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے چار بیٹے عطا کیے تھے۔ ہر باپ کی طرح انہیں بھی اپنے بچے بہت پیارے تھے مگر ان کی وجہ سے اپنے بھائیوں سے ان کا پیار کم نہ ہوا۔ وہ اپنے بوڑھے والدین کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور ان کا ہر اشارہ حکم سمجھ کر بجا لاتے تھے۔

نیلے سمندر کے ساحل پر میسرہ لنگر انداز تھا۔ یہ چھوٹا سا تیز رفتار، خوب صورت جہاز شیخ ولید نے بڑے مہنگے داموں خریدا تھا۔ اس میں ۵۰ سے زائد افراد کی گنجائش تھی۔ دو منزلہ کیبنوں میں ہر آسائش موجود تھی۔ کشادہ نشستوں پر مسافر بڑے آرام

سے طویل سفر کر سکتے تھے۔ شیخ ولید اپنے اہل خانہ کو لے کر کبھی کبھی میسرہ کی سیر کا لطف اٹھاتے۔ آج وہ اپنے دوست شیخ حذیفی کے ہاں جا رہے تھے۔

خالد اور حامد اپنے بوڑھے والد اور ضعیف والدہ کو سہارا دے کر جہاز میں سوار کرا رہے تھے کہ شیخ ولید بھی آ پہنچے۔ شیخ نے اپنے غلاموں کو لنگر اٹھانے کا حکم دیا۔ کپتان نے انجن اسٹارٹ کیا اور سمندر کی پر سکون لہروں کو چیرتے ہوئے جہاز ساحل سے دور ہونے لگا۔

''احمد! تم بتا سکتے ہو ہم جزیرہ الحوت کتنی دیر میں پہنچیں گے۔'' حماد نے منہ کھولا۔

''میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا، اس لیے کہ پہلی بار وہاں جا رہا ہوں۔''

''اگر میں بتا دوں کہ جزیرۃ الحوت یہاں سے کتنی دور ہے تو پھر تم اندازہ لگا سکو گے؟'' ان کے چچا خالد نے مداخلت کی۔ ''کیوں نہیں۔'' احمد نے کہا۔

''تو سنو، جزیرۃ الحوت یہاں سے قریباً ۱۰۰ کلومیٹر دور ہے۔''

''تب تو ہم ایک بجے تک وہاں پہنچ جائیں گے۔''

''نہیں احمد! ایک نہیں، ہاں دو بجے تک ہم ضرور پہنچ جائیں گے۔'' چچا حامد نے ان کی اصلاح کی۔

''ان شاء اللہ کہہ لو بیٹے۔'' ایک لرزتی ہوئی آواز آئی۔ یہ شیخ ولید کی والدہ تھیں۔

''اوہ...... امی جی! غلطی ہوگئی...... ان شاء اللہ ہم دو بجے تک وہاں پہنچ جائیں گے۔''

موسم خوش گوار تھا اور ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ سفر بڑے مزے سے جاری تھا۔ احمد، حماد، محمود اور محمد خوب خوش گپیاں کر رہے تھے۔ اور جہاز میں گھوم رہے تھے۔ محمد نے میسرہ کے عقبی گودام میں چھوٹی سی ربڑ کی کشتی دیکھی تو چچا حامد سے پوچھا:

"چاچو! یہ چھوٹی کشتی کس کام کے لیے ہے؟"

"اسے لائف بوٹ کہتے ہیں۔ کوئی حادثہ پیش آجائے تو مسافر اس کے ذریعے اپنی جان بچاتے ہیں۔"

"مگر یہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔" محمد حیران تھا۔

"اس لیے ہم زیادہ خطرناک سمندر میں سفر نہیں کرتے۔ ساحل کے قریب قریب ہی گھومتے ہیں، جہاں موجیں پرسکون ہوتی ہیں اور حادثے کا خطرہ نہیں ہوتا۔"

"تو کیا آج ہم خطرناک سمندر کی طرف جارہے ہیں؟"

"نہیں! یہ بات بھی نہیں ہے۔"

"تو پھر اس کشتی کا مقصد؟"

"اصل میں جزیرۃ الحوت کے کنارے چاروں طرف چٹانیں سر اٹھائے کھڑی ہیں، یہ جہاز وہاں تک لے جانا خطرناک ہوگا، اس لیے میسرہ کو چٹانوں کے پاس لنگر انداز کر کے ہم ربڑ کی کشتی کے ذریعے جزیرے کی زمین پر اتریں گے۔"

"اس میں کتنے افراد بیٹھ سکتے ہیں؟" محمد نے پوچھا۔

"صرف چار" حامد چچا نے جواب دیا۔

"جب کہ ہم زیادہ ہیں کیا ہمیں ایسی دو تین کشتیاں ساتھ نہیں لینی چاہئیں تھیں؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو، یہ بھول ہوگئی ...... خیر ...... خطرناک جگہ ...... تین چار سو گز سے زیادہ نہیں ہے۔ ہمیں دو تین پھیرے لگانے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔"

حامد چچا نے اُسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

ابھی دو گھنٹے کی مسافت باقی تھی کہ موسم اچانک بگڑ گیا۔ سیاہ گھٹائیں افق پر نمودار ہوئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر چھاگئیں۔ شیخ ولید اپنے والدین کو سہارا

دے کر اپنے کیبن میں لے گئے۔ اتنے میں گھن گرج کے ساتھ موٹی موٹی بوندیں گر نے لگیں۔

"یااللہ رحم فرما۔" کپتان کے منہ سے نکلا۔

وہ موسم کی شدت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسے خطرناک طوفان کی آمد سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ سمندر کی موجوں میں تلاطم تیز تر ہونے لگا اور کچھ ہی دیر میں بحری جہاز ایک تنکے کی طرح دیو ہیکل لہروں پر رقص کرنے لگا۔ اس کے انجن نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ میسرہ کافی مضبوط تھا مگر اس طوفان کے آگے اس کا کوئی زور نہ تھا، مسافر جہاز کی نشستوں اور کھمبوں کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔

شیخ ولید اور ان کے بھائیوں نے بمشکل اپنے والدین کو سنبھالا ہوا تھا۔ پھر بارش بند ہوگئی۔ طوفان کی شدت بھی خاصی کم ہوگئی۔ کپتان انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ شیخ بھی اُس کے پاس جا پہنچے اور ان کے بیٹے بھی۔ اچانک خالد دوڑتا ہوا کیبن میں آیا اور چلایا:

"جہاز میں سوراخ ہو چکا ہے، لگتا ہے طوفان کے دوران یہ کسی چٹان سے ٹکرا گیا تھا۔"

کپتان اور شیخ ولید تیزی سے کیبن سے نکلے اور جہاز کے عقبی تہہ خانے میں پہنچے۔ وہاں انہوں نے ایک خوفناک منظر دیکھا۔ میسرہ کی عقبی فولادی دیوار میں دو فٹ چوڑا شگاف ہو چکا تھا اور اس سے سمندری پانی ایک ریلے کی طرح اندر آرہا تھا۔ کپتان نے چیخ کر کہا:

"زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں جہاز ڈوب جائے گا...... شیخ فوراً اوپر جائیں۔"

شیخ ولید اندھا دھند عرشے پر پہنچے۔ یہاں سب کے چہروں کے رنگ اڑے ہوئے تھے۔

"کشتی سمندر میں اتارو۔" شیخ نے بلند آواز سے کہا۔

میسرہ پر موجود شیخ کے دونوں غلام گودام کی طرف دوڑے اور کشتی اٹھالائے۔ اسی لمحے میسرہ کو ایک زور دار جھٹکا لگا اور اس کا عقبی حصہ جھک گیا۔ مسافروں نے بمشکل اپنا توازن برقرار رکھا۔ شیخ ولید نے چلا کر کہا:

''جلدی کرو! کشتی پانی میں اتارو۔''

دونوں غلاموں نے جھٹ ربڑ کی کشتی پانی میں اتاردی۔ ''چلو جلدی کرو...... کشتی میں بیٹھو!'' شیخ ولید نے پکار کر کہا۔

''مگر شیخ ...... کشتی میں کون کون بیٹھے گا ...... اس میں صرف چار آدمیوں کی گنجائش ہے۔'' کپتان نے حیرت اور خوف سے لرزتی ہوئی آواز کے ساتھ کہا۔

شیخ ولید بڑے دل گردے کے مالک تھے۔ مگر کپتان کے اس سوال نے ان کے دماغ کو جھنجھوڑ ڈالا، وہ ایک لمحے کے لیے ششدر (حیران) رہ گئے۔

''شیخ! جلدی کریں ...... جہاز ڈوب رہا ہے۔ کوئی سے چار آدمی جلدی سے کشتی میں اتاردیں۔''

شیخ کی مشفق والدہ ان کے کندھے پر سر ٹکائے کھڑی تھیں اور اپنی بے نور آنکھوں سے بیٹے کے چہرے کا حال پڑھ رہی تھیں، ان کا بے زبان باپ ان کے سامنے کپکپاتے ہونٹوں سے شاید اپنی اولاد کی زندگی کی دعا مانگ رہا تھا۔ ان کے جان سے عزیز بھائی، ان کا فیصلہ سننے کے منتظر تھے۔ ان کے جگر کے چار ٹکڑے جو کچھ دیر پہلے خوشیوں کے جھولے جھول رہے تھے، اب حیران و پریشان ان کی جانب دیکھ رہے تھے۔

ان میں سے کن چار کو بچایا جائے ...... اتنا نازک فیصلہ۔۔۔ شاید اس پر غور کرنے کے لیے ایک صدی بھی کم تھی، مگر شیخ ولید کے پاس صرف ایک لمحہ تھا اور انہوں نے ایک لمحے بعد اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''حامد ...... خالد! تم امی ابو کو لے کر کشتی میں اتر جاؤ۔''

"مگر بھائی جان! آپ اور یہ بچے......" دونوں ایک دم بول پڑے۔

"بحث میں وقت ضائع نہ کرو۔ ورنہ ماں باپ سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔" شیخ نے سرد لہجے میں کہا۔

حامد اور خالد ماں باپ کو لے کر کشتی میں اتر گئے، نابینا ماں اس فیصلے پر احتجاج کر رہی تھی، مگر یہ وقت اس پر دھیان دینے کا نہ تھا۔ گونگا باپ جو کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔ آنسو بہا رہا تھا، مگر اس وقت اس کے آنسو دیکھنے کی فرصت کسے تھی۔ میسرہ آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔ اس کا کنارہ پانی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ شیخ ولید ان کے چاروں بیٹے اور جہاز کا عملہ عرشے پر کشتی کے مسافروں کو الوادع کہہ رہے تھے۔

ربڑ کی کشتی کے مسافروں کو آگے چل کر ماہی گیروں کی ایک بڑی لانچ مل گئی۔ جس نے انہیں سوار کر کے فوراً جائے حادثہ کا رخ کیا۔ یہاں میسرہ کے تختے پانی پر تیرتے ہوئے ملے۔ دور سے انہیں ایک تختے پر تین آدمی چمٹے نظر آئے۔

یہ شیخ ولید اور ان کے دو بیٹے محمد اور حماد تھے۔ ماہی گیروں نے انہیں بچا لیا۔ ان کی نشان دہی پر میسرہ کے کپتان کی تلاش شروع کی گئی جو ایک شہتیر سے چمٹا ہوا ایک طرف بہتا جا رہا تھا۔ قریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر لانچ نے کپتان کو بھی جا لیا۔ اس سے شہتیر چھوٹ چکا تھا اور اس وقت تک وہ صرف غیر معمولی قوت ارادی سے کام لے کر تیر رہا تھا۔

شیخ ولید کے دو بیٹے محمود اور احمد اور دونوں غلام ڈوب گئے تھے۔ ان کی لاشیں بھی نہ مل سکیں۔ واپسی پر کپتان نے شیخ ولید سے سرگوشی میں سوال کیا:

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے اولاد پر والدین اور بھائیوں کو ترجیح کیوں دی؟"

شیخ ولید نے اداس انداز میں مسکراتے ہوئے کہا:

"آپ سمجھ سکتے ہیں، بشرطیکہ آپ یہ جان لیں کہ والدین اور بھائی ایک بار ہی

ملتے ہیں، ان کا بدل کبھی نہیں مل سکتا۔ اولاد بڑی پیاری شے ہے مگر اس کا بدل مل سکتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری قربانی کے بدلے، محمود اور احمد کے بدلے مجھے دو بیٹے اور عطا کرے گا۔"

یہ کہتے ہوئے شیخ کی آنکھوں سے دو گرم گرم آنسو ٹپک پڑے۔[1]

والد کی نافرمانی کرنے والا ناکام ہوا چاہے وہ نبی کا بیٹا تھا[2]

والد صاحب کی بات ماننے میں آپ کی کامیابی ہے بشرط یہ کہ وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ کریں، اگر آپ نے اپنے والد صاحب کی نافرمانی کی اور ان کا حکم نہ مانا تو اس میں آپ کی ناکامی ہے۔

والد صاحب کی بات نہ ماننے کی وجہ سے ایک نبی (حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا بیٹا بھی ناکام ہوا اور اس کو کوئی چیز نہ بچا سکی جب اس نے اپنے والد صاحب کے کہنے پر کشتی میں سوار ہونے سے انکار کیا، اور کہنے لگا کہ میں کسی اونچے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور بچ جاؤں گا۔ آپ بھی یہ واقعہ پڑھیے اور عبرت حاصل کیجیے۔

"طوفان اس قدر شدید تھا اور پانی اس قدر کثیر تھا کہ اس کی موجیں اور لہریں پہاڑ کی مانند بلند تھیں مگر یہ کشتی انہیں موجوں میں اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت اور نظرِ رحمت کے ساتھ اہل ایمان کو سکون، اطمینان کے ساتھ لے کر چل رہی تھی جس میں کسی قسم کا اضطراب نہ تھا پانی اور ہوا کے تھپیڑوں کا کشتی پر کوئی اثر نہ تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے سب اہل وعیال کشتی میں سوار ہو گئے، مگر ایک لڑکا

---

[1] ماخوذ از بشکریہ بچوں کا اسلام

[2] واقعہ نمبر ۲۰

جس کا نام ''کنعان'' بتلایا جاتا ہے سوار ہونے سے رہ گیا، تو پدرانہ شفقت سے حضرت نوح علیہ السلام نے اس کو پکارا:

﴿ يٰبُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾[1]

ترجمہ: ''اے میرے پیارے بچے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ رہ۔''

یعنی ان بد بخت کافروں کی معیت کو چھوڑ اور ہمارے ساتھ سوار ہوجا تاکہ اس بڑی مصیبت سے تو نجات پاسکے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے شفقت پدری کی وجہ سے یہ نصیحت فرمائی کہ آخری وقت ہے اگر اس وقت بھی ایمان لے آیا تو غرق ہونے سے بچ جائے گا، کہنے لگا کہ آپ فکر نہ کریں میں پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر طوفان سے بچ جاؤں گا حضرت نوح علیہ السلام کو گمان یہ تھا کہ شاید اس قہرِ عام کو دیکھ کر بیٹا ہوش میں آجائے، دنیا کی پریشانی اور میرا سکون اور اطمینان اس کی نظروں کے سامنے ہے، فرق کو دیکھ لے اور سمجھ لے، مگر غفلت کا پردہ اتنا سخت تھا بیٹا ہوش میں نہ آیا اور خیال کیا کہ پہاڑ کی چوٹی مجھ کو غرق ہونے سے بچالے گی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے پھر متنبہ کیا اور فرمایا:

﴿ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ﴾[2]

ترجمہ: ''نوح نے کہا آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں، صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہوا۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: کہ اس خیال کو دماغ سے نکال دو، یہ کوئی معمولی سیلاب نہیں یہ اللہ کا قہر ہے جس میں اسبابِ عادیہ اور تدابیرِ مادیہ کارگر نہ

---

[1] سورة هود: آیت ٤٢

[2] سورة هود: آیت ٤٣

ہوں گی آج کے دن اللہ کے قہر سے کوئی چیز بچانے والی نہیں، مگر جس پر اللہ رحم کرے وہی بچ سکتا ہے پہاڑ بھی تو اللہ کے حکم کے تابع ہے، وہ بغیر حکمِ خداوندی کسی کو کیسے پناہ دے سکتا ہے باپ بیٹے کی یہ گفتگو چل رہی تھی کہ ایک موج اس طوفان کی آئی اور بیٹے کو بہالے گئی۔[1]

لہٰذا ہمیں بھی اپنے والد صاحب کی نافرمانی سے بچنا چاہیئے، اور ان کی بات کو غور سے سن کر اس پر فوراً عمل کرنا چاہیئے، اس سے والد صاحب کو بھی خوشی اور راحت حاصل ہوگی اور آپ کو دنیا و آخرت میں سرخروئی حاصل ہوگی۔

اور دوسری بات اس واقعہ سے یہ معلوم ہوئی کہ نبی بھی اگر بچانا چاہیں تو اللہ کے حکم کے بغیر نہیں بچا سکتے، تو کوئی پیر، فقیر وغیرہ کیسے بچا سکتا ہے اس لئے ہمیں ایسے اعمال سے بچنا چاہیئے اور اللہ نے جن اعمال کا حکم دیا ہے ان کو اختیار کرنا چاہیئے، اور یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ کامیابی اور ناکامی صرف ایک اکیلے اللہ جَلَّ جَلَالَہٗ کے ہاتھ میں ہے اور باقی کوئی بھی اللہ جل جلالہ کے حکم اور چاہت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔ واقعے کی مناسبت سے ہم آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی بارے میں کچھ معلومات بھی بتاتے چلیں:

قدیم تاریخوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ عراق کے بہت سے مقامات میں اس کشتی کے ٹکڑے اب تک موجود ہیں، جن کو یادگار کے طور پر رکھا اور استعمال کیا جاتا ہے۔

تفسیر طبری اور بغوی میں ہے کہ نوح علیہ السلام ۱۰ رجب کو کشتی میں سوار ہوئے تھے، چھ مہینہ تک یہ کشتی طوفان کے اوپر چلتی رہی، جب بیت اللہ شریف کے مقام پر پہنچی تو سات مرتبہ طواف کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے بیت کو بلند کرکے غرق سے بچالیا تھا۔

[1] ماخوذ از معارف القرآن، مولانا ادریس کاندھلوی: جلد ۴ صفحہ ۳۳

پھر دس محرم یوم عاشورا میں طوفان ختم ہو کر کشتی ”جبلِ جودی“ پر ٹھہری حضرت نوح علیہ السلام نے اس روز شکرانہ کے طور پر روزہ رکھا اور کشتی میں جتنے آدمی ساتھ تھے سب کو روزہ رکھنے کا حکم دیا، بعض روایتوں میں ہے کہ کشتی کے شریک سب جانوروں نے بھی اس دن روزہ رکھا۔

یوم عاشورا یعنی محرم کی دسویں تاریخ کی اہمیت تمام شرائع انبیاء میں قدیم سے چلی آتی ہے، ابتداءِ اسلام میں رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے عاشورا کا روزہ فرض تھا، رمضان کی فرضیت نازل ہونے کے بعد فرض نہیں، مگر سنت اور ثوابِ عظیم ہمیشہ کے لئے ہے۔[1]

والدہ کی بددعا سے بچنا چاہیئے[2]

جریج کے واقعہ کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے، ہمارے دوست مولانا محمد زکریا اقبال صاحب نے اپنی کتاب قصص الحدیث میں اس کا خلاصہ بیان فرمایا ہے لکھتے ہیں:

مجموعۂ روایات کو سامنے رکھا جائے تو پورے واقعہ کا تفصیلی خلاصہ کچھ اس طرح بنتا ہے:

”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نو مولود بچوں میں سے صرف تین ایسے گزرے ہیں جنہوں نے نومولود ہونے کی حالت میں گہوارہ (گود) میں گفتگو کی (جو ایک مستبعد (مشکل) بات ہے) ایک تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تھے جنہوں نے اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے حق میں گواہی دی تھی۔

دوسرا وہ بچہ تھا جس نے جریج عابد کے حق میں گواہی دی تھی۔ جریج بنواسرائیل

---

[1] ماخوذ از معارف القرآن: جلد۴ صفحہ ۶۲۷
[2] واقعہ نمبر۲۱

میں ایک بڑا عابد و زاہد شخص تھا۔ آبادی سے باہر اس نے اپنا ایک صومعہ بنا رکھا تھا (صومعہ اس زمانہ کی ایک مخصوص عمارت ہوتی تھی جو خاص عبادت گاہ کے طور پر ہی استعمال ہوتی تھی اور زمین سے بلند ہوتی تھی، اور اوپری سطح اس کی تنگ ہوتی تھی یعنی نیچے سے اوپر کی طرف جاتے ہوئے بتدریج عمارت کی چوڑائی کم ہوتی چلی جاتی تھی)۔

جریج عابد اس صومعہ میں ہمہ وقت عبادت و بندگی میں مشغول رہتا تھا۔ ایک روز اس کی والدہ اس کے پاس آئیں تو دیکھا کہ وہ نماز میں مشغول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جریج کی ماں کی ہیئت عملاً بیان کی اور فرمایا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھوں پر سایہ کرلیا (کیوں کہ جب کسی اونچی چیز کی طرف دیکھنا ہوتو عموماً لوگ سورج کی شعاعوں سے بچنے کے لئے آنکھوں پر ہاتھوں کو چھجا بنا لیتے ہیں تو اس کی والدہ نے بھی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنا کر) اسے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ نماز میں مشغول تھا۔

ماں نے کہا کہ جریج! میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر! جریج کے سامنے اس کی نماز تھی (غالباً اسے نماز میں وہ حلاوت مل رہی ہوگی کہ کسی دوسری طرف متوجہ ہونا اسے گراں گذر رہا ہوگا) اس نے دل میں کہا: اے اللہ! ایک طرف میری ماں ہے، دوسری طرف نماز (کسے اختیار کروں؟) آخر اس نے نماز کو ہی اختیار کیا۔ ماں واپس ہوگئی۔

دوسرے دن پھر ماں واپس آئی اور (حسبِ معمول اسے نماز میں مشغول دیکھا) اور کہا: اے جریج! میں تیری ماں ہوں، مجھ سے بات کر! اس نے پھر (دل میں) کہا اے اللہ! ایک جانب میری ماں ہے دوسری جانب میری نماز ہے (کیا کروں؟) آخر نماز کو ہی اختیار کیا، ماں (ناکام) واپس لوٹ گئی۔

تیسرے روز پھر واپس آئی تو جریج پھر نماز میں مشغول تھا۔ اس نے کہا: اے

جریج! (میں تیری ماں ہوں) اس نے دل میں کہا کہ: اے اللہ! ایک طرف میری ماں ہے تو دوسری طرف میری نماز، کسے اختیار کروں؟ آخر نماز کو ہی اختیار کیا۔

متواتر تین روز تک ماں، بیٹے کی ملاقات اور اس سے گفتگو میں ناکامی سے جھنجلا گئی اور مارے غصہ کے جریج کو بددعا دی اور کہا: اے اللہ! یہ جریج میرا بیٹا ہے اور میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں مگر اس نے (عملاً) مجھ سے بات کرنے سے انکار کردیا ہے۔

"اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتّٰى تُرِيَهُ وُجُوْهَ الْمُوْمِسَاتِ"

تَرجَمَہ: "اے اللہ! اسے اس وقت تک موت نہ دیجئے جب تک کہ یہ بدکار، بازاری عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ماں نے صرف عورتوں کا منہ دیکھنے کی بددعا دی تھی) اگر انکے فتنہ میں پڑ جانے کی بددعا بھی دیتی تو وہ اس میں بھی پڑ جاتا (کہ ماں کی بددعا ایسی ہی تیر ہدف ہوتی ہے)۔

اب ماں کی بددعا پوری ہونے کی صورت یوں ہوئی کہ بنو اسرائیل کے لوگوں میں جریج کی عبادت کے تذکرے اور چرچے ہونے لگے۔ وہاں ایک فاحشہ اور بازاری عورت رہا کرتی تھی جو اپنے حسن کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتی تھی اور اس کے حسن کی مثالیں دی جاتی تھیں۔

اس نے لوگوں سے کہا کہ: جریج کی عبادت کے تم بہت تذکرے کرتے ہو۔ حالانکہ اس کا حال یہ ہے کہ اگر تم چاہو تو میں اسے اپنے فتنہ میں مبتلا کر کے دکھاؤں۔ چنانچہ اس عورت نے ان کو گناہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی، تو اس عورت کے ہاں جب بچے کی ولادت ہوئی تو اس نے جریج سے انتقام لینے کے لئے یہ کہنا شروع کردیا کہ یہ بچہ جریج کا ہے جو اس خانقاہ میں رہتا ہے۔

یہ سننا تھا کہ لوگ کلہاڑیاں اور گینتیاں لے کر اس کی خانقاہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے پکارا تو اسے نماز میں مشغول پایا۔ اس نے ان سے بات کی لوگوں نے اس کی خانقاہ کو گرانا اور منہدم کرنا شروع کر دیا اور اسے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔ جریج نے جب یہ صورت حال دیکھی تو نیچے آیا۔ لوگوں نے اسے مارا پیٹا، اس نے کہا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا تو نے اس بازاری عورت سے بدکاری کی ہے اور اس سے کہا کہ: اس عورت سے پوچھ یہ کیا کہتی ہے؟

انہوں نے فرمایا: ''مجھے نماز پڑھنے کی مہلت دو۔''

غرض انہوں نے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر واپس لوٹے تو لوگ اس بچہ کو لے آئے جس کے متعلق کہا جا رہا تھا کہ یہ جریج کا ہے۔

جریج نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے پیٹ میں انگلی سے ذرا سا ٹھوکا دیا اور اس سے پوچھا کہ:

''مَنْ أَبُوْكَ يَا غُلَامُ؟ قَالَ: اَلرَّاعِيْ''

تَرجَمَہ: ''اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا میرا باپ فلاں چرواہا ہے جو بھیڑیں چراتا ہے۔''

نومولود بچہ کو اتنا واضح کلام کرتے دیکھ کر اور اس کی زبان سے جریج کی برأت کی گواہی سن کر لوگوں کو عقل آئی۔

بے عقل عوام کا یہی حال ہوتا ہے کہ جہاں کسی کی کوئی بات سن لی، بغیر تحقیق اسے قبول کر لیا۔ خواہ غلط ہو یا صحیح۔ پھر اس کے مقابلہ میں دوسری بات سنی تو اسے قبول کر لیا۔ وہ جھوٹ سچ کی تحقیق میں نہیں پڑتے جو جہالت اور کم علمی کی بات ہے۔

غرض لوگوں کو احساس ہوا کہ ہم نے جریج کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ چنانچہ وہ اسے لپٹنے اور اس کا بوسہ لینے لگے فرطِ عقیدت سے اور کہنے لگے کہ:

''نَبْنِيْ صَوْمِعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: لَاْ إِلَّا مِنْ طِيْنٍ''

ترجمہ: ''ہم تیرا صومعہ (خانقاہ) سونے چاندی سے دوبارہ تعمیر کریں گے، اس نے کہا کہ نہیں اس کی ضرورت نہیں، بس تم اسے اس کی سابقہ حالت پر لوٹا دو اور مٹی گارے ہی سے اسے کھڑا کردو۔''

چنانچہ لوگوں نے اسے دوبارہ بلند کردیا۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر ماں عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہوجانے کی بددعا کرتی تو وہ اس میں بھی مبتلا ہوجاتا۔[1]

۱ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوا کہ ماں کی نافرمانی پر اس کے منہ سے نکلنے والی بدعا کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی تمام تر عبادت وریاضت، نیکی وتقویٰ کے باوجود پریشانی کا شکار ہوجاتا ہے اور یہ بدعا اس کے لئے بہت سے مصائب کا سبب بن جاتی ہے۔

اسی طرح اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا:

۲ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو ہر قسم کی تہمت اور عیب سے پاک کرنے کا اہتمام فرماتے ہیں۔ جیسا کہ جریج عابد کے ساتھ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا غیر معمولی اظہار فرمایا اور نومولود بچہ کو گویائی عطا فرمائی اور اس کی زبان سے جریج عابد پر لگنے والے داغ اور تہمت کو مٹایا اور انہیں پاک وصاف کردیا۔

۳ عورت کا فتنہ دنیا کے فتنوں میں سب سے شدید فتنہ ہے اور اس سے بچنا اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر بہت مشکل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو شیطان کی رسیاں اسی لئے قرار دیا کہ شیطان ان کے ذریعہ اپنے جال میں انسانوں کو پھانستا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں دیگر فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگی ہے عورتوں کے فتنہ سے بھی خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگی ہے۔ عورت کا فتنہ اچھے خاصے نیک اور سمجھدار لوگوں کو بھی مبتلا کردیتا ہے۔ اس لئے اپنی نگاہوں کی

[1] مسلم، کتاب البر والصلة، باب تقديم بر الوالدين: ۲/۳۱۲

خوب حفاظت کرنی چاہیئے کہ گناہ کی ابتدا اسی نگاہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ شیطان اور نفس کی اتباع سے بچتے رہنے کے لئے یہ دعا مانگتے رہنا چاہیئے۔

"اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ." [1]

تَرْجَمَہ: "میں اللہ تعالیٰ کے تمام کلمات کی پناہ لیتا ہوں، اللہ کے غضب (اور غصّہ) سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطان کے وسوسوں سے، اور اس سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں۔"

۴ مصائب اور پریشانیوں میں جو شخص صبر واستقامت اور رجوع الی اللہ کا اہتمام کرتا ہے اور اس مصیبت و پریشانی کو اللہ ہی سے دور کرنے کی درخواست کرتا اور اس کے لئے دعا کرتا رہتا ہے تو وہ مصیبت و پریشانی اس کے واسطے انجام کار راحت اور خیر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ جیسا کہ جریج عابد کے ساتھ ہوا کہ فتنہ اور تہمت کی اس آزمائش میں وہ اللہ کی طرف رجوع رہے اور استقامت کے ساتھ اس پریشانی کا سامنا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو ان کے لئے ترقی درجات کا اور اعزاز و اکرام کا ذریعہ بنا دیا۔

۵ حدیثِ بالا میں اولیاء اللہ کے لئے کرامات کا ثبوت ہے۔ بلاشبہ اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں اگرچہ ان کی بزرگی اور ولایت کے لئے شرط اور ضروری نہیں ہیں جیسا کہ بعض لوگ یہ باطل خیال رکھتے ہیں۔

۶ گھبراہٹ اور مصیبت کے وقت رجوع الی اللہ اور اللہ سے استعانت کا سب سے بہترین طریقہ نماز ہے اور یہی انبیاء علیہم السلام اور اہل اللہ کا شیوہ رہا ہے۔ جریج العابد نے بھی اس تہمت و الزام تراشی کی مصیبت میں سب سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھی۔ [2]

---

[1] ترمذی ۱۹۱/۲، مشکوۃ ۲۱۷/۱ [2] قصص الحدیث: ص ۲۴۷

والدہ کی دعا سے موت کے وقت کلمہ طیبہ نصیب ہوتا ہے[1]

ماں کی نافرمانی کے سلسلہ میں خاص طور سے جس قدر شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں اتنی کسی اور چیز کے بارے میں وارد نہیں ہوئیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک صاحب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یوں کہا کہ ایک نوجوان جان کنی کے عالم میں ہیں ان سے کہا گیا ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''، پڑھ لو لیکن وہ کلمہ نہیں پڑھ سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا یہ نماز پڑھتے تھے؟

عرض کیا گیا جی ہاں! تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نوجوان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''، کہو۔

ان صاحب نے کہا کہ مجھ سے پڑھا نہیں جارہا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیوں؟

انہوں نے بتلایا کہ وہ اپنی والدہ کی نافرمانی کیا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا ان کی والدہ زندہ ہیں؟

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں بلالو، چنانچہ انہیں بلایا گیا، وہ حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا یہ تمہارا بیٹا ہے؟

انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ذرا بتلاؤ اگر زبردست آگ دہکا کر تم سے یہ کہا جائے کہ اگر تم اس کی سفارش کردو تو ہم اس لڑکے کو چھوڑ دیں گے ورنہ اس دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیں گے، تو بتلاؤ کیا تم اس

[1] واقعہ نمبر ۲۲

کے لیے سفارش کروگی؟

انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے موقع پر تو ضرور سفارش کروں گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ اور مجھے گواہ بنا کر اس بات کی گواہی دو کہ تم اس لڑکے سے راضی ہو، انہوں نے کہا اے اللہ! میں آپ کو اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا گواہ بناتی ہوں کہ میں اپنے اس بیٹے سے راضی ہوگئی۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا:

"يَا غُلَامُ! قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه‘ لَا شَرِيْكَ لَه‘ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ"

ترجمہ: "اے لڑکے! تم یہ کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک اکیلے ہیں، ان کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

چنانچہ اس لڑکے نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَنْقَذَه‘ مِنَ النَّارِ"

ترجمہ: "تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اس لڑکے کو جہنم سے بچالیا۔[1]"

والد کی بددعا سے ڈریں[2]

ابو نعیم الحافظ (حلیۃ الأولیاء) کے مشہور مصنف روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے

[1] الترغیب والترھیب کتاب البر و الصلة و غیر ھما، ۲۲۶/۳

[2] واقعہ نمبر ۲۳

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رات کو بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا، سب لوگ سو چکے تھے اور ہر طرف خاموشی تھی کہ اچانک میرے والد صاحب نے کسی نامعلوم شخص کی آواز سنی، آواز سے محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی پریشان اور غمگین شخص ہے اور وہ یہ کہہ رہا تھا ؎

يَا مَنْ يُجِيْبُ دُعَاءَ الْمُضْطَرِّ فِي الظُّلَمِ
يَا كَاشِفَ الضُّرِّ وَالْبَلْوٰى مَعَ السَّقَمِ
قَدْ نَامَ وَفْدُكَ حَوْلَ الْبَيْتِ وَانْتَبَهُوْا
وَأَنْتَ عَيْنُكَ يَا قَيُّوْمُ لَمْ تَنَمِ
هَبْ لِيْ بِجُوْدِكَ فَضْلَ الْعَفْوِ عَنْ جُرْمِي
يَا مَنْ إِلَيْهِ أَشَارَ الْخَلْقُ فِي الْحَرَمِ
إِنْ كَانَ عَفْوُكَ لَا يُدْرِكُهُ ذُوْ سَرَفٍ
فَمَنْ يَجُوْدُ عَلَى الْعَاصِيْنَ بِالْكَرَمِ

تَرجَمہ:

❶ ”اے وہ ذات جو کہ تاریکیوں میں بھی بے قرار کی فریاد سنتا ہے، اے وہ ذات جو پریشانی اور سختی کو دور کرنے والا اور بیماری سے شفا بخشنے والا ہے۔“

❷ ”زائرین حج بیت اللہ کے ارد گرد سو جاتے ہیں اور سونے کے بعد پھر بیدار ہو جاتے ہیں مگر اے قیوم آپ کی شان یہ ہے کہ آپ کو کبھی نیند نہیں آتی۔“

❸ ”اپنی کرم نوازی سے میرے جرم کو معاف فرما دے، اے وہ ذات کہ جس کے سامنے حرم میں مخلوق چپکے چپکے اپنی دلی مرادیں پیش کرتی

ہے۔"

۴ "اگر گناہ گار کو آپ نے معاف نہ فرمایا تو پھر کون گناہ گاروں پر رحم کی سخاوت کرے گا۔"

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا اے بیٹا! تو نے اس شخص کی آواز سنی ہے جو اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہے؟

جاؤ اس آدمی کو تلاش کر کے میرے پاس لاؤ۔ میں اس آدمی کی تلاش میں بیت اللہ کے ارد گرد چکر لگا رہا تھا میں نے بڑی کوشش کی مگر وہ مجھے نہ ملا، جب میں مقام ابراہیم پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہے، میں نے اس سے کہا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلا رہے ہیں، اس نے اپنی نماز کو مختصر کیا اور نماز سے فارغ ہو کر میرے ساتھ چل دیا، جب میں اپنے والد کے پاس پہنچا تو میں نے والد سے عرض کیا کہ ابا جی! یہ ہے وہ شخص جس کو آپ نے بلایا ہے، میرے والد نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟

اس نے جواب دیا کہ میں عرب سے ہوں، میرے والد نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟

اس نے جواب دیا کہ اس شخص کا کیا قصہ جس کو اس کے گناہوں نے ذلیل کر دیا اور اس کے عیبوں نے اس کو ہلاک کر دیا اور وہ گناہوں کے سمندر میں غرق ہو گیا کہ نکلنا مشکل ہے۔

میرے والد صاحب نے فرمایا کہ تم فکر نہ کرو ذرا اپنے قصہ کی وضاحت کرو، اس نے کہا کہ میں ایک ایسا نوجوان تھا کہ جو لہو ولعب، گانے بجانے کا دلدادہ تھا، مجھے میرے والد صاحب ہمیشہ نصیحت کرتے رہے اور کہتے کہ اے بیٹا! جوانی کی لغزشوں اور ٹھوکروں سے بچ جاؤ، اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے اور اس کی پکڑ ظالموں

لئے دور نہیں ہے۔
اور جب بھی میرے والد صاحب مجھے نصیحت کرنے میں اصرار کرتے تو میں ان کو مارتا تھا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے حسبِ معمول مجھے بہت نصیحت کی، مجھے غصہ آگیا اور میں نے ان کو بہت سخت مارا، میرے والد نے قسم کھائی کہ وہ میرے لئے بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر بددعا کریں گے پھر میرے والد بیت اللہ شریف میں گئے اور کعبہ کے پردے کو پکڑ کر یہ شعر پڑھے ؎

يَامَنْ إِلَيْهِ أَتَى الْحُجَّاجُ قَدْ قَطَعُوْا عِرْضَ الْمُهَامَةِ مِنْ قُرْبٍ وَمِنْ بُعْدٍ
إِنِّيْ أَتَيْتُكَ يَا مَنْ لَا يُخَيِّبُ مَنْ يَدْعُوهُ مُبْتَهِلاً بِالْوَاحِدِ الصَّمَدِ
هٰذَا مَنَازِلُ لَا يَرْتَدُّ عَنْ عَقَقِيْ فَخُذْ بِحَقِّيْ يَا رَحْمَانُ مِنْ وَلَدِيْ
وَشلِّ مِنْهُ بِحَوْلٍ مِنْكَ جَانِبَهُ يَا مَنْ تَقَدَّسَ لَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَلِدِ

ترجمہ:

① ”اے وہ ذات جس کے گھر (کعبہ) کی طرف حجاج طویل وعریض صحرا قطع کرکے اور نزدیک ودور سے سفر کرکے آتے ہیں۔“
② ”میں تیرے دربار میں حاضر ہوں، اے وہ بے مثل اور بے نیاز ذات جس سے گڑگڑا کر مانگنے والا کبھی محروم نہیں ہوا۔“
③ ”یہ مناژل میرا لڑکا میری نافرمانی کرنے سے باز نہیں آتا، اے رحمان اس میرے لڑکے سے مجھے بدلہ دلوادے۔“
④ ”تو اپنی قدرت سے اس کے جسم کی ایک جانب بے کار کردے، اے وہ ذات کہ جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ اس کا کوئی باپ ہے۔“

اس شخص نے کہا کہ اللہ کی قسم! ابھی میرے والد نے اپنی بات پوری بھی نہیں کی تھی کہ مجھ پر یہ مصیبت نازل ہوگئی جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے جسم کی دائیں جانب سے کپڑا اٹھا کر دکھایا اور جسم کی دائیں جانب کا حصہ بالکل خشک

ہو چکا تھا۔

اس آدمی نے کہا کہ اس کے بعد میں اپنے والد کو ہمیشہ راضی کرنے کی کوشش کرتا رہا اور بڑی عاجزی کے ساتھ ان سے معافی مانگتا رہا، یہاں تک کہ انہوں نے مجھے معاف کر دیا اور میری یہ درخواست قبول کر لی کہ وہ میری صحت کے لئے بیت اللہ کے اسی مقام پر جا کر دعا کریں گے جہاں پر انہوں نے میرے لئے بد دعا کی تھی۔ اس شخص کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے والد کو ایک عمدہ اونٹنی پر سوار کیا اور خود ان کے پیچھے چلنے لگا حتیٰ کہ جب مکہ کے قریب وادی ''اراک'' تک ہم پہنچے تو ایک درخت سے کسی پرندے کے اچانک اڑنے کی وجہ سے اونٹنی ایسی بدکی کہ میرے والد صاحب اونٹنی سے نیچے پتھروں پر گرے، ان کا سر پتھر پر ایسا سخت لگا کہ سر پھٹ گیا اور وہ جاں بحق ہو گئے۔

میں نے ان کو وہیں دفن کر دیا اور بہت مایوسی اور پریشانی کی حالت میں واپس لوٹ آیا، اس سب پریشانی اور بد حالی کی سب سے بڑی وجہ جو میرے دل میں آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ والدین کی نافرمانی کی وجہ سے ہوا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو فرمایا: کہ تجھے خوش خبری ہو، امید ہے اللہ تیری مدد فرمائیں گے۔ پھر میرے والد صاحب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس شخص کے جسم کی سوکھی جانب سے اپنے ہاتھ سے کپڑا اٹھایا اور بار بار کئی مرتبہ دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ پہلے کی طرح بالکل صحیح سالم تندرست ہو گیا، پھر میرے والد صاحب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا: چونکہ تیرے والد نے تیرے صحت کی دعا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، جس طرح تیرے لئے انہوں نے بد دعا کی تھی اس بنا پر میں نے تیری صحت کے لئے دعا کی ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے والد حضرت علی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ والدین کی بددعا سے ڈرو، کیوں کہ جس طرح ان کی دعا میں برکت ہے اسی طرح ان کی بددعا میں ہلاکت اور بربادی ہے اور والدین بددعا اس وقت کرتے ہیں جب اولاد ان کی نافرمانی کرے، ان کو ایذا پہنچائے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش نہ آئے۔[1]

فائدہ: اپنی اولاد کے لئے بددعا کرنا جائز نہیں کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنی جانوں پر اپنے مالوں پر اور اپنی اولاد کے لئے بددعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم اپنی جان، اپنی اولاد، اپنے مال کے لئے بددعا نہ کیا کرو، ہوسکتا ہے کہ تمہاری بددعا کے وقت اللہ کی طرف سے مقبولیت کی گھڑی ہو تو پھر اس وقت جو دعا ہوگی وہ قبول ہوجائے گی۔[2]

بلکہ والدین کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کے لئے خیر کی اور ہدایت کی دعا کریں، اور اسی طرح آدمی کو بھی اپنے لئے اور اپنے مال کے لئے بھی بہتری کی دعا کرنی چاہیئے۔[3]

اور والدین کو چاہیئے کہ وہ ان کتابوں کا مطالعہ بھی کریں۔

① مثالی ماں۔ پسند فرمودہ مفتی نظام الدین شامزی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

② مثالی باپ۔ پسند فرمودہ مفتی نظام الدین شامزی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

نوٹ: مثالی ماں کا انگریزی زبان میں THE IDEAL MOTHER, کے نام سے بھی ترجمہ ہوچکا ہے۔

---

[1] کتاب التوابین ص ۲۳۷

[2] مسلم، کِتَابُ الزُّهد، بَابُ حَدِيْثِ جَابِرٍ: ۲/۲۱۶

[3] کتاب التوابین: صفحہ ۲۳۷، ۲۴۱ بحوالہ گناہوں کے پہاڑ اور بخشش کا سیلاب: صفحہ ۱۷۴

والدین کا ادب ضروری ہے[1]

ترغیب و ترہیب میں بروایت بعض تابعین ہے کہ ان کا کسی قبیلے پر گزر ہوا، وہاں انہیں قبرستان نظر پڑا۔ عصر کے بعد اس میں سے ایک قبر شق ہوگئی اور اس کے اندر سے ایک آدمی نکل آیا، اس کا سر گدھے کا سا تھا اور بدن آدمی کا سا، وہ تین مرتبہ گدھے کی بولی بولا، پھر قبر اس کے اُوپر جڑ گئی، پھر اُس کی عورت سے اس کا حال پوچھا، تو اس نے بتلایا کہ یہ شراب پیا کرتا تھا اور اس کی ماں اس سے کہتی تھی:

"اِتَّقِ اللّٰہَ" اِلٰی مَا تَشرَبُ ھٰذَالخَمْرَ؟
فَیَقُوْلُ لَھَا: إِنَّمَا أَنْتِ تَنھَقِینَ کَمَا یَنْھِقُ الْحِمَارُ"[2]

ترجمہ: "اللہ سے ڈر، تو وہ جواب میں کہتا تھا: تو گدھے کی طرح چلاتی ہے۔"

پھر عصر کے بعد اس کی موت واقع ہوئی، اسی وجہ سے عصر کے بعد اس کی قبر پھٹ جاتی ہے اور وہ نکل کر تین بار گدھے کی بولی بولتا ہے۔ پھر اس کی قبر دوبارہ بند ہوجاتی ہے۔

والدہ کی بددعا کا اثر[3]

علامہ زمخشری رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے عالم دین گذرے ہیں۔ ان کی مشہور تصنیف:

"اَلْکَشَّافُ عَنْ حَقَائِقِ غَوَامِضِ التَّنْزِیْلِ وَعُیُوْنِ الْأَقَاوِیْلِ فِی وُجُوْہِ التَّأْوِیْلِ" ہے۔ (عربی زبان کے ماہرین کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کی عربی فصاحت و

---

[1] واقعہ نمبر ۲۴
[2] الترغیب والترھیب: ۲۲۶/۳
[3] واقعہ نمبر ۲۵

بلاغت کو سمجھنے والے دنیا میں دو شخص گزرے ہیں، ان میں سے ایک علامہ زمخشری اور دوسرے جرجانی رحمہما اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور یہ دونوں اَعْرَجْ یعنی لنگڑے تھے)۔

ان کے متعلق کتابوں میں واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ان کا ایک پاؤں کٹا ہوا تھا جب ان سے پاؤں کے کٹ جانے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے بتایا کہ یہ ماں کی بددعا کا نتیجہ ہے۔

کہنے لگے کہ واقعہ کچھ یوں ہے کہ میں نے بچپن میں ایک چڑیا پکڑی اور اُس کے پاؤں میں دھاگہ باندھ دیا جس کی وجہ سے ننھی منی چڑیا کا نازک پاؤں کٹ گیا۔ والدہ ماجدہ نے کئی مرتبہ مجھے سمجھایا کہ بیٹا ایسا نہ کرو لیکن میں نے ماں کی بات نہیں مانی بہرحال جب ماں نے دیکھا کہ چڑیا کا پاؤں کٹ گیا ہے تو یہ دیکھ کر میری والدہ ماجدہ بہت رنجیدہ ہوئیں اور ان کی زبان سے یہ بددعا نکل گئی:

"قَطَعَ اللّٰهُ رِجْلَكَ كَمَا قَطَعْتَ رِجْلَهٗ."

تَرْجَمَہ: "جس طرح تو نے اس ننھی منی چڑیا کا پاؤں کاٹا ہے اسی طرح تیرا پاؤں بھی کاٹا جائے۔"

فرمانے لگے کہ یہ اسی بددعا کا اثر ہے کہ مجھے ایسی بیماری لاحق ہوگئی کہ طبیبوں نے اس کا علاج پاؤں کاٹنا تجویز کیا اور میرا پاؤں کاٹ دیا گیا اور اُس دن سے میں لنگڑا ہوں۔

اس لئے دوسرے بھائی بہنوں کو نصیحت ہے کہ ماں کی کبھی نافرمانی نہ کریں۔ ان کی بددعا نہ لیں۔[1]

اللہ عافیت میں رکھے[2]

"جلدی چلو!" کی آواز گونجی اور میری کمر پر پڑنے والی، بندوق کے دستے کی

---

[1] معجم الادباء ١٩/١٢٧، فضل بر الوالدین ص ٤٤

[2] واقعہ نمبر ٢٦

چوٹ نے سوچوں کا تسلسل توڑ دیا...... تکلیف کی شدت سے میری کراہ نکلی مگر دوسری ہی ضرب نے مجھے تیز چلنے پر مجبور کر دیا۔

''آہ...... !'' میری پشت پر ایک اور ضرب لمبے چوڑے خرکار نے جمائی اور دوسرے نے مجھے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا مگر تھوڑی دیر اسی طرح گھسیٹنے کے بعد جب وہ تھک گیا تو دوسرے کو مشورہ دیا:

''یار اس ہڈیوں کے پنجر کو یہیں گولی مار دو، خان سے کہہ دیں گے، بڑی چٹان کے پاس ہی مارا ہے، اب کون اس کی لاش دیکھنے آئے گا۔''

''نہیں ......! خان بہت تیز آدمی ہے، اگر اسے پتا چل گیا کہ ہم نے کام چوری کی ہے تو وہ ہمیں بھی اس ڈھانچے کی طرح دنیا سے رخصت کرا دے گا۔''

بھرے ہوئے جسم مگر خالی دماغ والے خرکار نے اپنی دانست میں عقل کی بات کی اور لگا مجھے گھسیٹنے، مگر میں ایسی تکلیفوں کا عادی ہو چکا تھا، اس لئے میں نے خود کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور زمین پر میرے گھسٹنے کی وجہ سے جو لکیر بنتی جا رہی تھی، اسے دیکھنے لگا جو جلد ہی ختم ہونے والی تھی۔

اس پہاڑی راستے پر چھوٹے بڑے پتھروں پر گھسٹتے ہوئے میرے جسم سے خون بہنے لگا، مگر آج میرے اس خون کو دیکھ کر پریشان ہو جانے والی میری ماں وہاں نہیں تھی جو میری ذرا ذرا سی تکلیف کو دیکھ کر پریشان ہو جایا کرتی تھی، مجھے اس طرح جانوروں کی طرح گھسٹتا ہوا دیکھنے کے لئے میرے والد کی آنکھیں نہیں جو یقیناً مجھے اس اذیت سے نجات دلانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ مجھے اس حال میں دیکھنے والی بہنیں نہیں جو زخموں سے رستے لہو کو روکنے میں والدہ کی مدد کرتیں، ان دردناک لمحات میں بھائی نہیں جو اور کچھ نہیں تو کم از کم چیخ و پکار کر کے لوگوں کو مدد کے لئے تو بلا ہی لیتے مگر وہ مجھے اس حال میں دیکھ بھی کیسے سکتے ہیں، اس میں غلطی تو میری ہی ہے، میری بری عادت نے ہی مجھے اس حال تک پہنچایا ہے، بری

عادت سے مراد یہ نہیں کہ میں کوئی پیشہ ور چور، ڈاکو، قاتل یا لٹیرا ہوں بلکہ میری سب سے بری عادت کسی کو خاطر میں نہ لانا تھا بس میں اپنی ہی بات منوانا جانتا تھا۔

امی جب نصیحتیں کرتیں کہ ''کسی سے چیز لے کر مت کھانا، کسی سے پیسے مت لینا، کہیں دور جاؤ تو مجھے بتا کر جاؤ، اسکول سے سیدھے گھر آؤ'' تو مجھے یہ نصیحتیں زہر لگتیں، بھلا ہم اپنی مرضی سے جی بھی نہیں سکتے، یہ نہ کرو، وہ نہ کرو، وہاں نہ جاؤ، ایسے لوگوں میں مت بیٹھو۔ اس لئے میں امی کی نصیحتوں کو ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے نکال دیتا۔ کئی کئی گھنٹے گھر پر بغیر بتائے باہر دوستوں کے ساتھ گذار دیتا، امی پوچھتی تو گول مول جواب دے دیتا، جس پر ڈانٹ پڑتی مگر میں اس طرح کی باتوں کا عادی ہوگیا تھا، پھر میری والدہ میری عادتوں کی وجہ سے پریشان رہنے لگی اور اسی وجہ سے مجھے ایک آدھ بار مار بھی پڑی جس نے مجھے گھر چھوڑنے کے فیصلے پر مجبور کیا، میں بھلا کیسے قیدیوں کی طرح زندگی گذار سکتا تھا، اس لئے ایک دن چپکے سے گھر سے بغیر بتائے نکل گیا۔

تین چار دن مختلف جگہوں پر گذارنے کے بعد میں بیزار ہوگیا تو مجھے گھر یاد آنے لگا، امی ابو یاد آنے لگے مگر اس ڈر سے گھر نہ جانا چاہا کہ ایک مرتبہ قید سے آزادی ملی ہے تو دوبارہ میں کیوں جاؤں؟

یہ سوچ کر میں نے گھر جانے کا ارادہ ترک کر دیا، مگر اپنی جیب میں بچ جانے والے پیسوں کو گنا تو بہت کم رہ گئے، یہ پیسے میں نے گھر سے چوری کئے تھے مگر میری فضول خرچی نے تین چار دن میں انہیں اتنا کم کر دیا تھا کہ ایک وقت کے کھانے کا ہی بمشکل بندوبست ہوسکتا تھا، یہ سوچ کر پھر میرے ذہن میں گھر جانے کا خیال کلبلانے لگا مگر میرے باغیانہ جذبات نے مجھے ان سے روکا اور دلاسا دیا کہ کوئی چھوٹا موٹا کام کر کے گذارا کرلوں گا مگر امی کی نصیحتیں سننے دوبارہ گھر نہیں جاؤں گا، اتنے میں نہ جانے کہاں سے ابو آگئے اور انہوں نے آتے ہی مجھے گلے لگا لیا اور

پیار کرنے لگے۔

اس سے پہلے کہ میں صورت حال کو سمجھ پاتا، امی بھی دوڑی ہوئی آئیں اور مجھے پیار کرتے کرتے رونے لگیں، مگر آنسوؤں کا بھی مجھ پر کوئی خاص اثر نہ ہوا اور ان قیمتی آنسوؤں کو میں مگر مچھ کے آنسو خیال کرنے لگا، میں نے دل ہی دل میں سوچا، اگر اتنا ہی مجھ سے پیار ہوتا تو مجھے کہیں آنے جانے سے نہ روکتیں اور کھیل کا وقت مخصوص نہ کرتیں اور اب کیسے مجھے دکھاوے کا پیار کر رہی ہیں۔

''بیٹا کہاں چلے گئے تھے تم؟'' اچانک ابو نے مجھ سے سوال کیا تو مجھ پر مار کے خوف سے کپکپی طاری ہوگئی تھی، مگر میں نے بہانہ کیا کہ میں کھیلتے کھیلتے دور نکل گیا تھا، اس لئے راستہ بھول گیا ورنہ میں خود گھر جانے کے لئے پریشان تھا۔

یہ کہتے ہوئے میں نے جھوٹ موٹ کے دو چار آنسو بھی بہا دیئے۔ ابو نے بجائے ڈانٹنے کے مجھے پیار کیا اور گھر لے آئے، لیکن میری عادتوں کو یہ پیار بھی تبدیل نہ کر سکا اور ابھی بمشکل دو ہفتے ہی گذرے ہوں گے کہ ایک دن امی نے مجھے سودا لانے کے لئے بازار بھیجنا چاہا، چونکہ اس وقت میں کہانی پڑھ رہا تھا اور کہانی میں بہادر شہزادے اور ظالم جادوگر کی لڑائی ہونے والی تھی، اس لئے میں نے امی سے کہا کہ کچھ دیر بعد سودا لے آؤں گا، مگر امی نے میرے ہاتھ سے کہانی چھین لی اور غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا:

''عصر کی نماز بھی تم نے اسی کہانی کی نذر کر دی ہے اور اب سودا لانے کے لئے بھی یہ رکاوٹ بن رہی ہے، ہر کام کا وقت ہوتا ہے، جاؤ پہلے سودا لے آؤ۔''

یہ کہہ کر پیسے میرے ہاتھوں میں تھما دیئے۔

میں غصے میں گھر سے نکلا لیکن دوبارہ گھر نہ جانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی انہی غلط سوچوں میں گم، گلیوں میں آوارہ گھومتا رہا، جب گھومتے گھومتے تھک گیا تو ایک ویرانے میں بنی پرانی عمارت کے ٹوٹے پھوٹے چبوترے پر بیٹھ گیا، ابھی مجھے بیٹھے

چند ہی منٹ ہوئے ہوں گے کہ اچانک میرے ناک کے قریب کوئی رومال نما چیز آئی اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

ہوش آیا تو خود کو ایک اندھیری کوٹھڑی میں آہنی زنجیر سے بندھا ہوا پایا، میں نے آزاد ہونے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا، بھوک کی شدت نے مجھے کمزوری پیدا کر دی تھی اور پیاس بھی ستا رہی تھی، کچھ ہی دیر بعد ایک بڑے بڑے بالوں اور ڈراؤنے چہرے والا شخص اندر آیا اور آدھی روٹی اور تھوڑا سا پانی میرے آگے رکھ کر چلا گیا۔ پہلے تو میں نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا مگر جب بھوک برداشت سے باہر ہونے لگی تو ناچار مجھے اسی سے پیٹ کی آگ بجھانا پڑی۔ اسی طرح نہ جانے کتنے دن گذر گئے اور میں ایک کوٹھڑی میں بند رہا۔

ایک دن اس شخص نے مجھے کوٹھڑی سے باہر نکالا اور باہر کھڑے ایک شخص کے حوالے کر دیا۔ اس نے پہلے شخص کو کچھ پیسے دیئے اور مجھے لے کر پہاڑی راستے پر پیدل چلنے لگا، کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ مجھے ایک ایسی آبادی میں لے گیا جہاں مجھ جیسے اور بھی لڑکے اور چھوٹے بچے موجود تھے۔ چونکہ اس وقت رات ہو چکی تھی، اس لئے مجھے لے جاتے ہی ان بچوں کے ساتھ بند کر دیا اور کھانے کے لئے بھی وہی آدھی روٹی دی گئی، لیکن اس کے ساتھ ایک پلیٹ میں ابلی ہوئی دال بھی تھی۔

اب مجھے اپنا گھر بہت یاد آنے لگا، نہ جانے میری امی کتنی پریشان ہوں گی ابو کس حال میں ہوں گے، بہن بھائی کیسے ہوں گے؟

یہ سوچتے سوچتے نہ جانے میں کب سو گیا۔ اچانک ہی میرے جسم پر ڈنڈے کی ایک زوردار ضرب پڑی جس نے مجھے ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا، دیکھا تو ایک جلاد قسم کا شخص ہاتھ میں ڈنڈا لئے کھڑا تھا اور میرے ساتھ بند تمام بچے غائب تھے، اس سے پیشتر کہ میں کچھ سمجھ پاتا، اس نے چنگھاڑتے ہوئے کہا:

"چلو اٹھو! باہر جا کر پتھر توڑو، اپنے باپ کے گھر میں نہیں ہو جو اس طرح آرام

کر رہے ہو۔"

پھر وہ مجھے کھینچ کر باہر لے گیا جہاں مجھے ایک بھاری ہتھوڑا دے دیا گیا اور میں نہ چاہتے ہوئے بغیر ناشتا کئے ایک چٹان پر بھاری ہتھوڑا برسانے لگا۔ اس طرح دن ہفتوں میں، ہفتے دنوں میں تبدیل ہوتے رہے، میں نے کئی دفعہ بھاگنے کا منصوبہ بنایا مگر یہ میرا اپنا گھر نہیں تھا کہ جب چاہا باہر نکل گیا، یہاں تو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مسلح پہرے دار کھڑے تھے جن کی نظروں سے اوجھل ہونا ناممکن تھا۔ ایک مرتبہ میرے دو ساتھیوں نے بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر انہیں اسی وقت گولی مار کر ہمیشہ کے لئے آزادی دے دی گئی تھی جس کی وجہ سے دوبارہ میری ہمت نہ ہوئی کہ میں یہاں سے فرار اختیار کروں۔

پتھر توڑتے توڑتے وقت کے ساتھ میرا جسم بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگا، میرے لڑکپن اور نوجوانی کے دن انہی پتھروں کے ساتھ شامل ہوتے گئے، پہرے دار بدلتے گئے، مگر نہ بدلی تو میری اور میرے ساتھ دوسرے قیدی ساتھیوں کی قسمت۔ گزشتہ کئی دنوں سے خان کو پہرے داروں نے رپورٹ دے دی تھی کہ اب میں ہڈیوں کا ڈھانچا بن چکا ہوں اور کسی کام کا نہیں رہا، اس لئے مجھے فارغ کر دیا جائے تاکہ میرے حصے کی آدھی روٹی اور ابلی ہوئی دال کے چند گھونٹ کسی نئے آنے والے کو منتقل کئے جا سکیں۔ اس وجہ سے خان نے بھی فیصلہ سنا دیا، مجھے ایک جگہ لایا گیا اور کہا گیا:

"بھاگو!"

میں جانتا تھا، جونہی میں بھاگوں گا، یہ پیچھے سے گولیاں چلا دیں گے اور میں کھائی میں جا گروں گا، لیکن میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ میں نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا، مشکل سے بولا:

"مجھ میں بھاگنے کی طاقت نہیں ہے۔"

وہ مسکرائے، پھر ان میں سے ایک نے مجھے دھکا دے دیا۔ میں نیچے کی طرف لڑھکنے لگا...... اوپر سے انہوں نے گولیاں چلا دیں لیکن اللہ کو ابھی میری زندگی منظور تھی۔ میں ان کی گولیوں سے بچ گیا...... جب کہ انہوں نے خیال کیا کہ گولیاں مجھے لگ گئی ہیں۔

اس طرح میں کئی سال بعد اپنے گھر پہنچ سکا۔ بڑھاپے کو پہنچ جانے والے ماں باپ نے مجھے بہت دیر کے بعد پہچانا...... یہ انجام تھا والدین کی نصیحتوں پر برا ماننے کا...... اور ان کی نافرمانی کا۔[1]

لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنے والدین کی نصیحتوں کو غور سے اور توجہ سے سنیں اور ان پر عمل کریں، اگر وہ کبھی کسی بات پر ڈانٹ بھی دیں تو اس کو بھی ان کا احسان سمجھیں، کیونکہ آج تو ہم کو یہ اپنی نا سمجھی کی وجہ سے اچھا معلوم نہیں ہوتا لیکن کل کو جب ہم بڑے ہوں گے اور ان کی نصیحتوں پر عمل کرنے اور ان کے تنبیہ کرنے کے فوائد دیکھیں گے تو ہم کو اپنے والدین کی قدر کا اندازہ ہوگا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے والدین کی اطاعت کرنے والا بنائیں اور ان کی نافرمانی سے بچائیں۔

والد کی نصیحت پر عمل نہ کرنے والا شیر بھی ناکام[2]

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے وعظ ''سائنس اور اسلام'' میں ایک قصہ بیان فرماتے ہیں جس سے ہم سب کو یہ اہم سبق حاصل کرنا چاہئے، کہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے بڑوں کی بات مان لینی چاہئے۔

جو شخص اپنے بڑوں کی بات مانتا ہے، والدین کی نصیحت پر عمل کرتا ہے وہ انجام کے اعتبار سے کامیاب رہتا ہے، لہٰذا والدین کی بات سمجھ آئے یہ نہ آئے اس پر عمل

---

[1] بچوں کا اسلام: ۷ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ
[2] واقعہ نمبر ۲۷

کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ فرماتے ہیں:

مثل مشہور ہے کہ ایک شیر نے اپنے چھوٹے بچہ کو نصیحت کی تھی کہ انسان سے بچتے رہنا، یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ وہ انسان کے شوق دید (دیکھنے کے شوق میں) میں تھا۔ کچھ شعور پا کر انسان کی تلاش میں نکلا کہ دیکھوں آخر یہ ہے کیا بلا؟

اس سے سلاطین صحرا بھی اپنے دارالسلطنت میں بیٹھ کر کپکپاتے ہیں۔ چلا تو پہلے اتفاق سے گھوڑے پر نظر پڑی۔ جس کی جسامت اور پھرتی و چالاکی کو دیکھ کر اسے شبہ ہوا کہ شاید یہ ہی انسان ہے۔

پوچھا تو گھوڑے نے کہا کہ مجھ بے چارے کی کیا مجال ہے کہ میں انسان کے سامنے ٹھہر سکوں۔ چوبیس ۲۴ گھنٹے گلے میں رسّی ...... پیروں میں بیڑیاں ...... اور اصطبل کا جیل ہے ...... اور جب حضرت انسان کا جی چاہا تو میری پیٹھ پر سوار منہ میں لگام ...... اور اوپر سے تڑا تڑ کوڑوں کی مار ...... جیسی مجھ پر گزرتی ہے میں ہی جانتا ہوں۔

شیر کا بچہ سہم گیا کہ یا اللہ کیا بلا ہے انسان! کہ عناصر ہی نہیں۔ موالید بھی گرفتارِ بلا ہیں۔ آگے بڑھا تو اونٹ نظر پڑا جو گھوڑے سے دوگنا اور عجیب الخلقت تھا۔ اسے یقین آ گیا کہ ہو نہ ہو یہی انسان ہے کہ یہ گھوڑے سے بھی چار ہاتھ اونچا ہے۔ اس سے دریافت کیا تو اسے بھی انسان سے دوہائی دیتے (فریاد کرتے) ہوئے سنا۔

وہ بولا کہ میرے اس قد و قامت پر نہ جاؤ۔ انسان نے بایں جسامت و قامت (اس جسم و قد کے باوجود) میرا ناطقہ بند (تنگ) کر رکھا ہے۔ میں کیا سینکڑوں مجھ جیسے میرے بھائی بند صرف ایک نکیل میں گرفتار اور ایک چھوٹا (انسان کا) بچہ ہمیں جنگل در جنگل لئے پھرتا ہے۔ منوں بوجھ کمر پر ہے۔ ہم بلبلاتے ہیں مگر شنوائی (پرواہ) نہیں انسانوں کے لئے ہماری گردنیں سیڑھیاں ہیں، جب چاہتا ہے کمر پر دھرا جاتا ہے (زبردستی بیٹھ جاتا ہے)۔ پھر ایک نہیں دو نہیں، تین تین آدمی لد جاتے

(سوار ہو جاتے) ہیں۔ اور نہ صرف خود لدتے بلکہ بڑے بڑے پلنگ ہماری کمروں پرکس کر براجمان ہوتے ہیں (بیٹھ جاتے ہیں)۔ ہم چپ چاپ کان دبائے منزلیں قطع کرتے رہتے ہیں۔ راتوں چلتے ہیں اور دنوں بلبلاتے ہیں مگر کوئی مخلص نہیں نکلتا۔

غرض ہماری یہ ساری مصیبت و غلامی اسی انسان کی بدولت ہے۔ بھلا ہم انسان تو کیا ہوتے؟

ہم تو اس کا نام بھی بے خوف ہو کر نہیں لے سکتے۔

شیر کا بچہ اور بھی زیادہ ہراساں (خوفزدہ) ہوا کہ خدا جانے انسان کیسے ڈیل ڈول کی چیز ہوگی جس سے ایسے عظیم الخلقت جانور پناہ مانگ رہے ہیں۔

آگے بڑھا تو اتفاق سے ہاتھی پر نظر پڑگئی۔ جو ایک عظیم الشان بلڈنگ کی طرح سامنے سے آتا ہوا نظر پڑا۔ جس کی عمارت چار بڑے بڑے ستونوں پر کھڑی ہوئی تھی، اسے یقین محکم ہوگیا کہ یہ ضرور بالضرور انسان ہے اور یہی ایسی ہستی ہے جو اونٹوں اور گھوڑوں پر غالب آسکتی ہے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ہاتھی سے کہا کہ غالباً جناب ہی کا نام نامِ انسان ہے؟

ہاتھی نے نہایت حیرت سے بچہ شیر کو دیکھا اور کہا کہ بیٹا تم ناسمجھ ہو۔ کس بری بلا کا نام لے رہے ہو، مجھ ایسے لمبے ڈول کی جوگت (برا حال) اس ظالم انسان نے بنائی ہے۔ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ گھوڑے کے منہ میں لگام تو دے دیتا ہے، اونٹ کی ناک میں نکیل تو پہنا دیتا ہے۔ لیکن مجھ پر تو بے ڈھانٹی (لگام یا نکیل کے بغیر) سوار ہوتا ہے۔ لگام میرے نہیں، نکیل میرے نہیں، مگر پھر بھی میں ایسا گرفتار اور مجبور محض ہوں کہ اس ظالم کے آگے چوں تک نہیں کرسکتا۔ ہر وقت میری گردن پر سوار لوہے کا آنکس (ہاتھی کو ہنکانے کے لئے لوہے کا آلہ) ہاتھ میں، ذرا چوں کروں تو تڑ تڑ پڑتے ہیں کہ کھایا پیا بھول جاتا ہوں۔

میری کیا مجال ہے کہ انسان کے سامنے اف بھی کرسکوں...... میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے باپ کی وصیت پر عمل پیرا رہیں اور اپنی جنگل کی بادشاہت کی حرمت قائم رکھیں۔ اس انسان کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ ورنہ یہ شہزادگی ساری کر کری ہوجائے گی اور کوئی پھر فریاد کو بھی نہ پہنچے گا۔

شیر کا بچہ حیران تھا کہ انسان آخر کس تن وتوش (قوت) کا ہوگا، جس کے غلبہ و تشدد کا چار دانگ عالم (پوری دنیا) میں یہ شہرہ اور شور نشور برپا ہے۔ آخر کار اس نے بے نیل ومرام واپسی کا قصد کرلیا۔ لوٹ رہا تھا کہ ایک بن میں ایک بڑھئی کے بچہ کو دیکھا کہ وہ ایک بڑے شہتیر کو آرے سے چیر رہا ہے۔ اور جتنا چیر چکا ہے اس میں ایک کھونٹی گاڑ رکھی ہے، بچہ شیر کا التفات بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ یہی انسان ہے۔ لیکن پتہ لینے کے لئے اس سے سوال کیا کہ جناب انسان سے واقف ہیں؟

اس نے کہا کہ آپ کو کیا کام ہے؟ کہا کہ میں اس کا درشن (دیدار) کرنا چاہتا ہوں۔

اس نے کہا بندہ ہی انسان کہلاتا ہے۔ شیر نے حقارت وتعجب سے دیکھ کر کہا۔ ارے کیا تو ہی وہ انسان ہے جس سے شیر گھوڑا اونٹ سب لرزتے ہیں؟

اس نے کہا جی ہاں واقعہ تو یہی ہے...... بچہ شیر نے کہا کہ او دشمن تو ہے کیا؟ تیرا کام تو میں ابھی اپنے ایک طمانچہ سے ختم کئے دیتا ہوں۔ بڑے ہی بے وقوف میرے آباؤ اجداد تھے۔ جو تجھ سے کانپتے رہے اور بڑے احمق وہ تھے جنہوں نے راستہ میں مجھے خواہ مخواہ سہا دیا۔

اس لاف زنی کے ساتھ بچہ شیر آگے بڑھا تا کہ قوت آزمائی کرے۔ بڑھئی کے بچے نے سمجھ لیا کہ وقت آبرا ہوا۔ اب تدبیر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ کہا کہ واقعی آپ بڑے بہادر ہیں، میں بے چارہ کیا چیز ہوں۔ آپ جو چاہیں فرمائیں۔ اس وقت میرا ایک کام درپیش ہے جسے میں اپنے ضعف کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتا۔

خدا نے آپ جیسا قوی اور بہادر بھیج دیا۔ پہلے وہ کام کر دیجیے۔ پھر میرے ساتھ جو چاہے سلوک فرمایئے۔

اور وہ یہ ہے کہ اس شہتیر میں سے یہ کھونٹی سرکانا چاہتا ہوں۔ ذرا اپنا ہاتھ اس شہتیر کے شگاف میں ڈال کر اسے تھام لیجیے تاکہ میں کھونٹی سرکادوں۔ شیر صاحب اس مدح وثنا سے مسحور ہوکر بے تکلف آگے بڑھے اور ایک نہیں دونوں ہاتھ شگاف میں ڈال دیئے۔ بڑھئی کے بچہ نے کھونٹی نکال لی۔ کھونٹی کا نکلنا تھا کہ شہتیر کے دونوں پاٹ مل گئے اور شیر صاحب کے دونوں ہاتھ اس میں پھنس کر رہ گئے ......اب شیر صاحب نے تو چیں چیں کرنا شروع کیا اور بڑھئی کے بچہ نے ہنسنا شروع کیا کہ فرمایئے انسان کو دیکھ لیا؟

اس وقت شیر نادم ہوا کہ واقعی تجربہ کاروں اور بڑوں کی نصیحت سے روگردانی کا انجام برا ہوتا ہے۔[۱]

بڑھاپے کی حالت میں خصوصاً اپنے والدین کی خدمت کیجیے[۲]

ایک عالم بیان فرماتے ہیں: ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتے تھے، جو مالی طور پر درمیانے طبقے سے تعلق رکھتے تھے، ان کے گھر میں ان کے ساتھ ان کے والد صاحب بھی رہا کرتے تھے، جو بڑی عمر کے تھے اور ان کے حواس بھی کافی کمزور ہوگئے تھے۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان صاحب کے حالات بہت اچھے ہوگئے، کیونکہ ان کے گھر کی بہت اچھی قیمت لگ گئی، اور ان کے پاس اتنی رقم آگئی جس

[۱] ماخوذ از خطبات حکیم الاسلام جلد۵ صفحہ ۱۳۸
[۲] واقعہ نمبر ۲۸

کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے یہاں تک کہ خواب میں بھی۔

چنانچہ انہوں نے اپنے لئے ایک جدید طرز کا مکان بنوایا، ان صاحب کی اہلیہ اپنے چچا (سسر) سے موافقت نہیں کرتی تھیں، وہ ان کو اپنے اوپر بوجھ محسوس کرتی تھیں، ایسا تو ہونا ہی تھا۔ کہ اب وہ اپنے فیلا (گھر کا نام) گھر میں رہنے لگے تھے جہاں ہر چیز بجلی سے چلتی تھی، اور جب انہوں نے اپنے گھر میں قالین بچھالیئے اور اسے ہرنئی اور خوبصورت چیزوں سے مزیّن کرلیا، تو اہلیہ نے اپنے شوہر سے کہا:

"لَوْ تَضَعُ وَالِدَكَ فِيْ غُرْفَةِ السَّطْحِ وَنَحْضُرُ لَهُ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ فِيْ غُرْفَتِهٖ، فَهُوَ كَبِيْرٌ وَلَا يَحُسُّ بِأَيِّ مَكَانٍ جَلَسَ فِيْهِ."

ترجمہ: "اگر آپ اپنے والد کو چھت کے اوپر جو کمرہ ہے وہاں لے جائیں، ہم ان کا کھانا وہیں پہنچا دیا کریں گے، وہ بوڑھے ہوگئے ہیں اور انہیں کچھ پتہ نہیں چلتا ہے کہ وہ کہاں بیٹھے ہیں۔"

شوہر نے جواب دیا جیسا کرنا ہے کرلو، تو وہ ان کو چھت والے کمرے میں لے گئے، ان کی اہلیہ نے اپنے چچا (سسر) کے لئے کچھ برتن خاص کردیئے کہ وہ انہیں میں کھاتے پیتے، تاکہ وہ ان کے برتنوں کو گندہ نہ کریں۔

لیکن چند ہفتے گزرنے کے بعد اہلیہ صاحبہ اترنے چڑھنے سے تھک گئیں اور بیزار ہوگئیں تو اپنے شوہر سے کہنے لگیں:

اے فلانے کے ابا! میں اور میرے بچے آپ کے والد کے لئے کھانا لے جانے اور واپس لانے سے تھک گئے ہیں، میرا خیال ہے کہ آپ انہیں نیچے لے آئیں اور جو کمرے سڑک کی طرف ہے اس میں لے جائیں۔

شوہر نے کہا: ٹھیک ہے، ان کو جہاں تم پسند کرو، رکھ لو۔

تو اہلیہ ان کو نیچے برابر والے گھر میں لے گئیں اور ان کے پاس ان کے کپڑے اور جس چیز کی ان کو ضرورت تھی، ان کے پاس رکھ دی، بوڑھے باپ کے پاس ایک

تھال تھا جس میں وہ دوپہر اور رات کا کھانا کھاتے۔

شوہر کی خوش قسمتی سے جب پورا خاندان دوپہر کے کھانے پر جمع تھا ان کا چھوٹا بیٹا یہ کہتے ہوئے بولا:

بابا! بابا! میں دادا جان کا برتن ان کی موت کے بعد سنبھال کر رکھ لوں گا

باپ نے لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا: تم اس کا کیا کرو گے؟

لڑکے نے جواب دیا:

"إِذَا صِرْتَ يَا أَبِيْ! مِثْلَ جَدِّيْ أَصنَعُ لَكَ بِهٖ طَعَامَكَ.
فَاعْتَرَضَتِ اللُّقْمَةُ فِيْ حَلَقِ الْأَبِ، وَجَحَظَتْ عَيْنَاهُ وَكَادَ يَخْتَنِقُ مِنْ هَوْلِ مَا سَمِعَ مِنِ ابْنِهِ الصَّغِيْرِ."

تَرْجَمَہ: "جب آپ دادا جان کی طرح ہوجائیں گے تو میں آپ کے لئے اس میں کھانا رکھا کروں گا، لقمہ باپ کے حلق میں اٹک گیا، اور ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، قریب تھا کہ بیٹے کی بات سن کر ان کا دم گھٹ جاتا، تو وہ اپنی اہلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا۔"

"اِسمَعِي! مِن هٰذِهِ اللَّحْظَةِ لَا آكُلُ طَعَامًا وَلَا أَشْرَبُ قَهْوَةً إِلَّا مَعَ وَالِدِيْ."

تَرْجَمَہ: سنو! اس لمحے کے بعد سے میں کھانا اور قہوہ اپنے والد صاحب کے ساتھ ہی پیوں گا، چلو ہم سب کھانا انہی کے ساتھ کھائیں گے۔"

اس کے بعد وہ ایک لقمہ اپنے والد صاحب کے منہ میں اور دوسرا اپنے منہ میں رکھتے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے والد کو اپنے کمرے کے ساتھ والے خاص کمرے میں لے آئے، اور اس کے بعد وہ جب بھی گھر میں آتے یا جاتے تھے تو اپنے والد صاحب کو سلام کرتے، پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کے بوڑھے والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔

ان کا انجام اپنے والد کے ساتھ اچھا رہا اپنے چھوٹے لڑکے کی وجہ سے، کہ جب ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بقیہ عرصہ اپنے والد کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہوئے گذارا۔[1]

لہٰذا آپ بھی اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو اگر بڑھاپے کی حالت میں پائیں تو خصوصیت کے ساتھ ان کا خیال رکھیے، اور ان کو جس طرح کی خدمت کی ضرورت ہو اس میں دریغ نہ کیجئے، اور یہ سوچئے کہ اگر آج میں نے اپنے والدین کا خیال کیا اور ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کی تو کل کو میری اولاد بھی میرے ساتھ حسنِ سلوک کرے گی، اور اگر آج میں نے اپنے والدین کی قدر نہ کی تو کل ہوسکتا ہے کہ میری اولاد بھی میری ناقدری کرے کیونکہ مثل مشہور ہے:

"جیسی کرنی ویسی بھرنی۔"

یعنی آج تم جس طرح کرو گے تو کل کو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا جائے گا۔

---

[1] سَوَالِفُ المَجَالِس: ص۱٤، نقلاً عَاقِبَةُ عُقُوقِ الْوَالِدَیْنِ: ص۱۰۱

والدین کی دعائیں اولاد کے حق میں کیسے قبول ہوتی ہیں

والدہ کی دعا کی برکت[1]

ثابت بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لئے گیا، میرے جانے کے بعد تھوڑی دیر میں ان کا انتقال ہوگیا، ہم نے ان کی آنکھیں بند کردیں اور ان پر کپڑا ڈال دیا۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی والدہ سے کہا کہ اللہ سے ثواب کی امید رکھیں، بے صبر نہ ہوں۔

عورت نے پوچھا کیا وہ انتقال کرگیا ہے؟

ہم نے کہا ہاں! عورت نے پوچھا کیا تم سچ بول رہے ہو؟

ہم نے کہا بالکل، یہ سن کر وہ عورت اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلا کے اللہ سے یوں مخاطب ہوئی:

"اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ اٰمَنْتُ بِكَ، وَهَاجَرْتُ إِلٰى رَسُوْلِكَ، فَإِذَا نَزَلَتْ بِیْ شِدَّةٌ دَعَوْتُكَ فَفَرَّجْتَهَا، فَأَسْئَلُكَ اللّٰهُمَّ لَا تَحْمِلْ عَلَيَّ هٰذِهِ الْمُصِيْبَةَ."

---

[1] واقعہ نمبر ا

تَرجَمَۂ: ''اے اللہ! میں تجھ پر ایمان لائی، تیرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہجرت کی، مجھ پر جب بھی کوئی مصیبت آئی میں نے تجھ سے دعا کی اور تو نے میری مصیبت دور کردی، اب بھی میں تیری ہی جانب دستِ دعا دراز کرتی ہوں کہ اے میرے معبود! آج تو مجھ پر مصیبت کا یہ بوجھ نہ ڈال۔''

عورت کی اس دعا کے بعد اس انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اوپر سے کپڑا ہٹا دیا، چنانچہ ہم نے کھانا کھایا اور اس انصاری صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بھی ہمارے ساتھ کھانا کھایا۔[1]

فَائِدَة: والدہ کی دعا کتنی طاقت ور ہے، والدہ کی دعا مردہ بچے کو زندہ کرواسکتی ہے تو زندہ بچے پر آئی ہوئی مصیبت کو بھی دور کرواسکتی ہے اور آنے والی مصیبت کو بھی روک سکتی ہے، اسی طرح آئی ہوئی بیماری کو بھی شفا میں بدلواسکتی ہے اور آنے والی بیماری کو بھی روک سکتی ہے۔

لہٰذا والدہ کی دعا کی قدر کرنی چاہیے، والدہ کی ہر وقت ایسی خدمت کرنی چاہیے کہ ان کی دل سے دعا نکلے۔

خدا نہ کرے والدہ محترمہ نماز کی پابند نہیں ہیں تو ان کی خدمت یہ ہے کہ ان کو بزرگوں کے بیانات میں یا محلے کی تعلیم میں لے کر جائیں تا کہ وہ نیک عورتوں کے ساتھ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن کر خود بھی دین دار بنیں گی۔ اور جب والدہ کو دینی زندگی حاصل ہوجائے گی تو آپ کے لئے دل سے دعا نکلے گی جو آپ کے لئے فلاحِ دارین کا سبب بنے گی۔

اسی طرح والدہ محترمہ کو قرآن مجید صحیح طرح پڑھنا نہیں آتا یا نماز صحیح طرح پڑھنے نہیں آتی تو اس کی بھی فکر فرمائیں اور کوشش کریں کہ والدہ محترمہ کی نماز سنت

[1] حیاۃ الصحابۃ (عربی) جلد۳ صفحہ ۸۴۶

کے موافق ہو قرآن کریم تجوید کے ساتھ اچھی طرح پڑھنے والی بن جائیں۔

اسی طرح اللہ نہ کرے والدہ محترمہ شرعی پردے کی پابندی نہیں کرتیں تو رو رو کر دعا مانگیں کہ اے اللہ! میری والدہ کو اپنی فرماں بردار بندیوں میں سے بنادے اور بے پردگی اور بے حیائی کی لعنت سے ساری مسلمان عورتوں کی حفاظت فرما، اس دعا کے ساتھ ساتھ والدہ کو اچھے بزرگوں کی کتابیں لاکر دیں اور کیسٹیں لاکر دیں تاکہ وہ اس کو سنتی رہیں۔

کچھ کتابوں کا نام ہم بتادیتے ہیں والدہ محترمہ پڑھ سکتی ہوں تو ضرور پڑھیں ورنہ آپ یا گھر کا کوئی اور فرد روزانہ پڑھ کر سنائے۔

①	فضائل اعمال	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ	کتب خانہ فیضی
②	جنتی عورت	مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب القاسمی مدظلہ	زم زم پبلشرز
③	مثالی ماں	پسند فرمودہ مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ	بیت العلم ٹرسٹ
④	تحفۂ خواتین	مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	بیت العلم ٹرسٹ
⑤	مستند مجموعۂ وظائف	پسند فرمودہ مفتی نظام الدین شامزئی	بیت العلم ٹرسٹ
⑥	چھ گناہ گار عورتیں	مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم	میمن اسلامک پبلشرز
⑦	گناہ کے نقصانات	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم	میمن اسلامک پبلشرز
⑧	جنت کا بیان	مولانا عمر فاروق صاحب	مکتبۃ الشیخ
⑨	اصلاحِ خواتین	حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ	نوید پبلشرز
⑩	ہدیۂ خواتین	مولانا محمد عثمان صاحب	بیت العلم ٹرسٹ
⑪	آئینۂ خواتین	امام ابن قیم الجوزی	درخواستی کتب خانہ
⑫	بیس بڑی خواتین	مولانا محمد حسین صدیقی	زم زم پبلشرز

والدین کی دعا لینا[1]

والدین کی دعا بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ایک ہے والدین سے آپ دعا کی درخواست کریں اور ایک یہ ہے کہ آپ ایسے کام کریں جن سے والدین خوش ہوکر آپ کو دعا دیں۔

آپ کی حتی الامکان کوشش ہو کہ آپ والدین کی دعا لیں ہم آپ کو ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ سناتے ہیں جن کا نام سعید بن زید تھا ان کے والد زید بن عمرو بن نفیل نے ان کے لئے دعا کی تھی:

"اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ حَرَمْتَنِيْ مِنْ هٰذَا الْخَيْرِ فَلَا تَحْرِمْ مِنْهُ اِبْنِيْ سَعِيْدًا."[2]

اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ بقیہ زندگی اللہ تعالیٰ نے ان کی ہر موقع پر مدد فرمائی، ان کو ترقی بھی عطا فرمائی اور حاسدین اور دشمنوں سے ان کی حفاظت بھی فرمائی۔ اب ان کا قصہ پڑھیے۔

زید بن عمرو بن نُفیل لوگوں کے ہجوم سے دُور کھڑے ہوکر قریش کو دیکھ رہے تھے جو ایک تہوار کے موقع پر جشن منانے اور مذہبی رسوم ادا کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ انھوں نے مَردوں کو دیکھا جو بیش قیمت ریشمی عمامے اپنے سروں پر باندھے، قیمتی یمنی چادروں میں لپٹے بڑے فخر وغرور کے ساتھ اتراتے پھر رہے تھے۔ اُن کی نظریں اُن عورتوں اور بچوں پر پڑیں جو زرق برق لباس زیب تن کئے اور نادر قسم کے زیوارت سے آراستہ، میلے کی رونق میں اضافہ کر رہے تھے۔

ان کی نگاہیں ان جانوروں کی طرف بھی گئیں، جنہیں مکّہ کے خوش حال لوگ

---

[1] واقعہ نمبر۲

[2] صور من حياة الصحابة: ص۲۳۰

قسم قسم کی زینتوں سے آراستہ کر کے بتوں کے سامنے ذبح کرنے کے لیے کھینچ لیے جا رہے تھے۔ وہ خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور قریش کو مخاطب کرتے ہوئے بولے:

''قریش کے لوگو! بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اُسی نے آسمان سے پانی برسایا جس کو پی کر وہ سیراب ہوئی۔ اُسی نے زمین سے گھاس اُگائی، جس کو کھا کر وہ آسودہ ہوئی اور تم ہو کہ اُسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لیے کھینچ لیے جا رہے ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم بڑے نادان اور جاہل لوگ ہو۔''

یہ سن کر اُن کے چچا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے والد خطّاب غصے میں بھرے ہوئے ان کے پاس پہنچے اور انھیں تھپڑ مارتے ہوئے بولے:

''تیرا ناس ہو! تیری یہ بکواس ہم مسلسل سنتے اور اسے برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں، مگر اب ہمارے صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔''

اور پھر اُنھوں نے اپنے قبیلے کے اوباشوں اور لچوں، لفنگوں کو ان کے خلاف اُبھارا جو اُن کے پیچھے پڑ گئے اور ان کو اتنا ستایا کہ انھیں مجبوراً مکّہ چھوڑ کر کوہِ حرا کی طرف نکل جانا پڑا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ صرف کبھی کبھی چھپ کر مکّے میں داخل ہو پاتے تھے۔

ایک مرتبہ وہ قریش کی لاعلمی میں ورقہ ابن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن حارث اور محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب سے جا ملے۔ اُن کی اُس مجلس میں وہ گمراہی زیرِ بحث تھی جس میں قریش کے لوگ سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے تھے۔ آخر زید نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''اللہ کی قسم! تم لوگوں کو یہ بات خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ ہدایت پر نہیں ہیں، انھوں نے دینِ ابراہیمی کو فراموش کر دیا، اور اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اگر نجات چاہتے ہو تو اپنے لیے کوئی دین تلاش کرو اور

اسی کے مطابق زندگی گذارو۔"

چنانچہ ان میں سے چاروں مرد، حنیفیت (دینِ ابراہیمی) کی تلاش میں یہودی اور نصرانی عالموں اور دیگر مذاہب کے اصحابِ علم کے پاس پہنچے۔ اور عثمان بن حارث کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے، رہے زید بن عمرو بن نفیل تو ان کی تلاشِ حق کی سرگرمیوں کی روداد انھیں کی زبانی سُنیے، وہ کہتے ہیں:

"میں نے یہودیت اور نصرانیت پر غور کیا مگر مجھے اُن دونوں مذاہب میں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے مجھے ان کے دینِ حق ہونے پر اطمینان حاصل ہوتا، چنانچہ میں نے ان دونوں سے صرفِ نظر کر لیا اور دینِ ابراہیمی کی تلاش میں مختلف علاقوں کی خاک چھانتا پھرا۔ اسی سلسلے میں جب شام پہنچا تو مجھے بتایا گیا کہ فلاں راہب کے پاس کتابُ اللہ کا علم ہے۔ میں اُس کے پاس پہنچا اور اپنے مقصد سے اس کو باخبر کیا۔

میری باتیں سن کر اس نے کہا:

"مکی بھائی! میرا خیال ہے کہ تم دینِ ابراہیمی کی تلاش میں ہو۔"

"میں نے کہا ہاں! مجھے اُسی کی جستجو ہے۔"

تب اس نے مجھ کو بتایا:

"تم وہ دین ڈھونڈ رہے ہو جس کا آج کہیں وجود نہیں ہے۔ تم اپنے شہر واپس جاؤ اللہ تعالیٰ عنقریب وہاں سے ایک شخص کو منصبِ رسالت پر مامور کرنے والا ہے، جو دینِ ابراہیم کی تجدید کرے گا۔ اگر تم نے اس کو پایا تو اسے لازم پکڑ لینا۔"

زید نبی موعود کی طلب میں تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے وہاں سے مکّہ کی طرف واپس لوٹے۔

ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دینِ حق دے کر مبعوث فرمایا۔ لیکن زید آپ کی خدمت میں حاضر نہ

ہو سکے کیونکہ دورانِ سفر بدّوؤں (دیہاتیوں) کی ایک ٹولی نے حملہ کر کے مکّہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کو قتل کر ڈالا، اور ان کی تشنہ گام (پیاسی) آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے دیدار سے سیراب نہ ہوسکیں۔ جس وقت وہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے، انھوں نے اپنی نِگاہیں آسمان کی طرف اُٹھاتے ہوئے دعا کی:

"اَللّٰھُمَّ اِنْ حَرَمْتَنِیْ مِنْ ھٰذَا الْخَیْرِ فَلَا تَحْرِمْ مِنْهُ ابْنِیْ سَعِیْداً."

تَرجَمَۃ: "اے اللہ! اگر چہ تو نے مجھے اس خیر سے محروم کر دیا ہے مگر میرے بیٹے سعید کو اس سے محروم نہ کرنا۔"

اور اللہ تعالیٰ کی مشیّت نے زید کی اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نواز دیا چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو زید کے بیٹے سعید ان لوگوں میں تھے، جو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔

اور اس میں کسی حیرت واستعجاب کی بات اس لیے نہیں ہے کہ ان کی نشو ونما ایک ایسے گھر میں ہوئی تھی جوان گمراہیوں سے سخت متنفر تھا جس میں قریش کے لوگ مبتلا تھے اور ان کی پرورش ایک ایسے باپ کی آغوشِ تربیت میں ہوئی تھی، جو زندگی بھر حق کی تلاش میں سرگرداں رہا اور اسے موت آئی تو اس حال میں کہ حق کو پا لینے کی آرزو دل میں لئے تیزی سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

سعید بن زید رضی اللہ عنہ تنہا اسلام میں داخل نہیں ہوئے، بلکہ ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ، حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن بھی مسلمان ہوئیں۔ اس قریشی نوجوان نے اپنی قوم کے ہاتھوں اپنے دین کی آزمائش کی راہ میں ایسی ایسی سخت اور صبر آزما اذیتوں کا سامنا کیا جن کا وہ اپنے مقامِ بلند کی وجہ سے مستحق تھا۔

لیکن قریش اس کو دینِ اسلام سے پھیر لینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بلکہ اس

کے برعکس وہ اور ان کی بیوی دونوں مل کر کفر کی نہایت اہم شخصیت کو اسلام کی طرف کھینچ لینے میں کامیاب ہوگئے۔ یعنی وہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبولِ اسلام کا سبب بنے۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جس وقت دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، اس وقت ان کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اُس کے بعد اُنھوں نے اپنی جوانی اور اس کی ساری توانائیاں اور صلاحیتیں خدمتِ اِسلام کی راہ میں کھپادیں۔ وہ بدر کے سوا تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ غزوۂ بدر کی عدم شرکت بھی ان کی کسی غفلت یا بے اعتنائی کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ایک دُوسری ذمہ داری ان کے سپرد کی تھی۔

مسلمانوں کو جب بھی کسی خطرناک معرکے کا سامنا کرنا پڑا، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اس میں بے مثال جرأت وشجاعت کا مظاہرہ کیا اور نہایت تابناک اور قابلِ تعریف کارنامے انجام دیئے۔ ان کی دلیری وجاں بازی کا حیرت ناک کارنامہ وہ ہے جو جنگِ یرموک میں انہوں نے انجام دیا تھا اور جو اس تاریخ کا روشن ترین باب ہے۔ اس کی ہلکی سی جھلک ان کے اس بیان سے ہمارے سامنے آتی ہے جسے تاریخ نے اُن کے اِن الفاظ میں ہمیشہ کے لیے اپنے صفحات میں محفوظ کرلیا ہے۔

''غزوۂ یرموک کے موقع پر ہماری تعداد تقریباً چوبیس ہزار تھی۔ اس کے مقابلے میں رُومی فوج ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ وہ اس طرح بھاری قدموں کے ساتھ ہماری طرف بڑھ رہے تھے جیسے پہاڑ ہوں جنھیں خفیہ ہاتھ حرکت دے رہے ہوں۔

ان کے راہب اور بزرگ مذہبی پیشوا اپنے ہاتھوں میں صلیبیں اُٹھائے اُن کے آگے آگے چل رہے تھے۔ وہ بلند آواز سے اپنی فوج کی فتح وکامرانی کی دعائیں

مانگ رہے تھے۔ اور ان کے پیچھے ان کی پوری فوج ان کے الفاظ کو اس طرح بلند آہنگی کے ساتھ دہرارہی تھی جیسے بجلی گرج رہی ہو۔ جب مسلمانوں نے ان کو اس حال میں دیکھا تو ان کی کثرتِ تعداد کی وجہ سے ان کے اُوپر گھبراہٹ طاری ہوگئی، اور ان کے دلوں میں اُن کا خوف سرایت کر گیا۔ اس وقت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جو فوج کے سپہ سالار تھے۔ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں کو جہاد وقتال اور جاں بازی وجاں سپاری پر اُبھارتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے بندو! اللہ تعالیٰ کی مدد کرو، وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کے بندو! اللہ کی راہ میں ڈٹ جاؤ اور صبر سے کام لو۔ صبر یقیناً کفر سے نجات کا، رضاءِ الٰہی کے حصول کا اور ذلت وعار کو دفع کرنے کا ذریعہ ہے۔ اپنے نیزے کو تان لو، اپنی ڈھال کو آڑ بنالو اور جب تک میں تمہیں حملہ کرنے کا اشارہ نہ کروں، خاموشی اختیار کئے رہو اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو۔''

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے آگے فرماتے ہیں:

''اسی وقت مسلمانوں کی صف میں سے ایک شخص باہر نکلا اور آگے بڑھ کر اُس نے ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

''میں اسی وقت اللہ کی راہ میں اپنی جاں نثار کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ تو کیا آپ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہیں؟''

انہوں نے فرمایا: ہاں! ''تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں میری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے سلام پہنچانے کے بعد عرض کر دینا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمارے رب نے ہم سے جو وعدے کئے تھے وہ سب ایک ایک کرکے پورے ہوگئے۔''

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے جیسے ہی اس کی باتیں سُنیں اور اسے میان سے تلوار کھینچ کر دشمن کے مقابلے میں جاتے دیکھا، زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنا نیزہ سیدھا کر لیا اور لڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اور دشمن کی طرف سے سب سے پہلا سوار جو ہماری طرف بڑھا اُسے اپنے نیزے پر لے لیا پھر دشمن پر جھپٹ پڑا۔ اُس وقت تک اللہ تعالیٰ میرے دل سے ہر قسم کے خوف و ہراس کو دُور کر چکا تھا۔ اور پھر سارے مسلمان رومیوں پر یک بارگی ٹوٹ پڑے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نصرت اور کامیابی سے نوازنہیں دیا، برابر ان سے مصروفِ جدال رہے۔"

اس کے بعد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ دمشق کی فتح میں شریک ہوئے۔ جب اہلِ دمشق نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس طرح حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ دمشق کے سب سے پہلے مسلمان گورنر تھے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ایسا حادثہ پیش آیا، جس کو مدینے کے لوگ بہت دنوں تک بیان کرتے رہے۔ ہوا یہ کہ اَرویٰ بنتِ اُویس نامی ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اس کی زمین کا ایک حصہ غصب کر کے اپنی زمین میں شامل کر لیا ہے۔ پہلے تو اس بات کو مسلمانوں میں اِدھر اُدھر بیان کر کے سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدنام کرتی رہی، پھر اسے ایک مقدمے کی شکل میں مروان کی عدالت میں پیش کر دیا جو اس وقت مدینے کا گورنر تھا۔

جب مروان نے اس معاملے میں گفتگو کرنے کے لیے چند آدمیوں کو اُن کے پاس بھیجا، تو یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معزز صحابی کو بہت شاق گذری اور انھوں نے فرمایا لوگ سمجھتے ہیں کہ میں نے اس کی زمین دبالی ہے!!! میں

یہ ظالمانہ حرکت کیسے کرسکتا ہوں؟

جب کہ میں نے خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"مَنْ ظَلَمَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِيْنَ."[1]

تَرْجَمَہ: "جو شخص کسی کی تھوڑی سی زمین غصب کرے گا، قیامت کے روز ساتوں زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔"

پھر انھوں نے اس کے حق میں بددُعا کرتے ہوئے فرمایا:

"اے اللہ! وہ کہتی ہے کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے۔ اگر وہ جھوٹی ہے تو اسے نابینا کر کے اس کنویں میں گرادے جس کے بارے میں وہ مجھ سے جھگڑ رہی ہے۔"

اس کے چند ہی دنوں کے بعد وادیٔ عقیق میں ایسا زبردست سیلاب آیا جس نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ دیے۔ اس سیلاب نے دونوں زمینوں کے درمیان واقع حدِ فاصل کو ظاہر کردیا، جس کے متعلق دونوں کے درمیان اختلاف واقع ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی کھل کر سب کے سامنے آگئی کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اس معاملے میں حق پر تھے اور ایک مہینہ گذرتے گذرتے وہ عورت اندھی ہوگئی، اور ایک دن جب وہ اپنی زمین میں گھوم رہی تھی کنویں میں گر پڑی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

"ہم لوگ اُس وقت اپنے لڑکپن میں ایک شخص کو دُوسرے شخص سے یہ کہتے ہوئے سنتے تھے۔"

"اَعْمَاكَ اللّٰهُ كَمَا اَعْمَى الْاَرْوٰى."

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ تجھے اندھا کردے جیسا کہ اروی کو کیا ہے۔"

اور اس میں کسی تعجب کا مقام نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

[1] بخاری، ابواب المظالم، باب اثم من ظلم شيئا من الارض: ۳۳۲/۱

ہے:

"إِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ."

تَرْجَمَہ: "مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اس کے اوراللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں ہے۔[1]"

خصوصاً اس وقت اللہ تعالیٰ اور بندۂ مظلوم کے درمیان کیسے کوئی حجاب حائل ہوسکتا تھا جب کہ مظلوم حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جو ان دس نفوسِ قدسیہ میں سے تھے جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔

مذاکرہ

سُؤَال: والد کی دعا سے سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیا فوائد حاصل ہوئے؟

جَوَاب:

١. اسلام کی دولت ملی۔
٢. ان کی بیوی کو بھی اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔
٣. شجاعت، بہادری، جرأت میں سے ان کو وافر حصہ ملا تھا۔
٤. مسلمانوں میں سے پہلے دمشق کے گورنر بنائے گئے۔
٥. دشمن سے حفاظت ہوئی۔
٦. اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف ملا۔

سُؤَال: جس وقت وہ اسلام لائے ان کی عمر کیا تھی؟

جَوَاب: جس وقت وہ اسلام لائے اُس وقت اُن کی عمر بیس (۲۰) سال سے متجاوز نہ تھی۔

---

[1] بخاری، ابواب المظالم، باب الاتقاء والحذر: ۳۳۱/۱

والدہ کی دُعا کی وجہ سے بینائی کا لوٹنا[1]

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوانح حیات میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ بچپن میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی آنکھیں چلی گئیں تھی یعنی روشنی ختم ہوگئی تھی۔ ان کی ماں ان کے لئے دعا کرتی رہتی تھیں!

اے اللہ! میرے بیٹے کی آنکھوں کی روشنی کو لوٹا دے۔

"فَرَأَتْ وَالِدَتُهَا الْخَلِيْلَ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ لَهَا: يَا هٰذِهٖ قَدْ رَدَّ اللّٰهُ عَلَى ابْنِكِ بَصَرَهٗ بِكَثْرَةِ دُعَائِكِ، قَالَ: فَأَصْبَحَ وَقَدْ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَصَرَهٗ."[2]

تَرجَمَہ: "بس ایک مرتبہ ان کی ماں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا وہ فرما رہے ہیں کہ تیری دُعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تیرے بیٹے کی آنکھیں لوٹا دیں جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ واقعۃً اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں لوٹا دی تھیں۔"

جب ماں کی دعائیں بچوں کو لگتی تھیں تو پھر کوئی بچہ محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ بنتا تھا، کوئی بچہ سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ بنتا تھا، کوئی بچہ بایزید رحمہ اللہ تعالیٰ بسطامی بنتا تھا، کوئی جنید رحمہ اللہ تعالیٰ بغدادی بنتا تھا، کوئی بہاؤالدین رحمہ اللہ تعالیٰ نقشبند بخاری بنتا تھا، یہ ماں کی دعائیں ہوتی تھیں جو بچوں کو سعادت مند بنا دیتی تھیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ماں ہی ہے کہ جب کبھی ہاتھ اٹھا دیا کرتی ہے تو اس کی دعا سیدھی عرش پہ جاتی ہے، آسمان کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اور

---

[1] واقعہ نمبر ۳

[2] هدى السارى مقدمة فتح البارى: ص ٦٦٢

اس دعا کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا اور دعا کو پروردگار کے حضور پہنچا دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو والدہ کی دعا سے رہائی دلائی [1]

عبدالرحمٰن بن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ایک عورت امام حافظ بقی بن مخلد کے پاس آئی، اور کہا:

"اِنَّ ابْنِيْ قَدْ أَسِرَهُ الرُّوْمُ وَلَا أَقْدِرُ عَلٰى مَالٍ أَكْثَرَ مِنْ دُوَيْرَةٍ، وَلَا أَقْدِرُ عَلٰى بَيْعِهَا، فَلَوْأَشَرْتَ إِلٰى مَنْ يُفْدِيْهِ بِشَيْءٍ فَلَيْسَ لِيْ لَيْلٌ وَلَانَهارٌ وَلَا نَومٌ وَلَا قَرَارٌ"

تَرجَمَہ: "میرے بیٹے کو روم والے قیدی بنا کر لے گئے ہیں اور میرے پاس چھوٹے گھر کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے اور اس مکان کو میں بیچ بھی نہیں سکتی، اور میرے پاس اتنا مال بھی نہیں کہ میں وہ مال دے کر اپنے بیٹے کو آزاد کر والوں، اور بیٹے کی جدائی سے میں دن رات پریشان رہتی ہوں اور نہ نیند آتی ہے اور نہ چین آتا ہے۔"

امام صاحب نے کہا میں بھی دعا کرتا ہوں تم بھی دعا کرو، والدہ کی دعا جلدی قبول ہوتی ہے اور ابھی تو تم واپس چلی جاؤ میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس معاملے پر غور کروں گا۔

میرے والد صاحب نے کہا کہ اُس کی والدہ نے خوب دعائیں کرنی شروع کیں، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی ایک مرتبہ ہم لوگ شیخ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، وہی عورت اپنے بیٹے کے ساتھ شیخ کی مجلس میں آئی، اور کہا اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو کافروں کی قید سے آزادی دلوادی اور کہا کہ میرا بیٹا صحیح سلامت آگیا

---

[1] واقعہ نمبر ۴

ہے اور اس کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے جو وہ آپ کے سامنے بیان کریگا۔

پھر نوجوان نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں قیدیوں کی ایک جماعت کے ساتھ روم کے بادشاہوں کے ہاتھ میں تھا۔ ان بادشاہوں کے پاس ایک آدمی تھا جو کہ ہم سے خدمت لیا کرتا تھا۔ روزانہ وہ ہم کو صحرا کی طرف لے جاتا تھا اور شام کو واپس لے آتا اس حالت میں کہ ہم پر بیڑیاں ہوتیں تھیں۔ بس ایک مرتبہ اسی طرح مغرب کے وقت کام سے واپس آرہے تھے کہ میرے پاؤں کی بیڑیاں خود بخود کھل گئیں اور زمین پر گر گئیں۔

اب وہ شخص جو ہماری نگرانی کیا کرتا تھا وہ میری طرف آیا اور اس نے کہا کہ تم نے اس بیڑی کو توڑا ہے۔ نوجوان نے کہا کہ نہیں یہ تو خود بخود گر گئی وہ شخص بڑا حیران ہوا اور اپنے ساتھی کو خبر دی پھر لوہار کو لایا گیا اور اس نے پھر میرے پاؤں میں دوبارہ مضبوط بیڑی لگائی اس کے بعد میں چند قدم ہی چلا تھا تو بیڑی میرے پاؤں سے پھر گر گئی۔ اب تو وہ اس معاملے میں بڑے حیران ہوگئے اور انہوں نے اس معاملے کو دیکھتے ہوئے اپنے پادریوں کو بلایا۔ کہ ایک نوجوان قیدی کے ساتھ عجیب معاملہ ہو رہا ہے ہم اس کے ہاتھ پاؤں کو زنجیروں سے باندھتے ہیں وہ زنجیر خود بخود کھل جاتی ہے۔

ان پادریوں نے مجھ سے پوچھا:

"اَلَكَ وَالِدَةٌ ؟ قُلتُ: نَعَمْ! قَالُوْا: قَدْ رَافَقَ دُعَاءُ هَا الْإِجَابَةَ"

تَرجَمَہ: "کیا تمہاری والدہ زندہ ہے؟

میں نے کہا کہ بالکل زندہ ہیں۔ تو انہوں نے کہا معلوم ایسا ہو رہا ہے کہ اس کی والدہ نے دعا کی ہوگی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی والدہ کی دعا کو قبول کرلیا ہے۔"

پھر انہوں نے کہا:

"اَطْلَقَكَ اللّٰهُ لَا يُمْكِنُنَا تُقَيِّدُكَ"

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ نے تم کو آزاد کردیا ہے اب ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم تم کو قید کریں۔"

بس انہوں نے مجھ کو واپس مسلمانوں کے علاقے میں بھجوادیا۔[1]

والدہ کی دُعا کی وجہ سے بیٹے کا عالم بننا[2]

استاد حسان محمد ابو الولید نیشا پوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ میں جس وقت تمہاری وجہ سے حاملہ تھی، اس وقت عباس بن حمزہ کی ایک دینی مجلس تھی جس میں عورتوں کے لئے پردہ کا انتظام تھا، میں نے تمہارے والد سے اس مجلس میں وعظ سننے کی اجازت طلب کی۔

تمہارے والد نے اجازت دے دی میں وہاں گئی وعظ سن کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

"اَللّٰهُمَّ هَبْ لِیْ اِبْنًا عَالِمًا."

تَرْجَمَہ: "یا اللہ تو مجھے ایسا بیٹا دے جو عالم باعمل بنے۔"

جب میں گھر لوٹی اور وہ رات گذاری تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے مجھ سے کہا:

"اَبْشِرِیْ فَاِنَّ اللّٰهَ اسْتَجَابَ دَعْوَتَكِ، وَ وَهَبَ لَكِ وَلَدًا ذَكَرًا وَجَعَلَهُ عَالِمًا وَيَعِيْشُ كَمَا عَاشَ اَبُوْكِ."

تَرْجَمَہ: "تجھ کو خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری دعا کو قبول کرلیا اور تجھ کو ایسا بیٹا دے گا جو عالم باعمل بنے گا اور دین کی اتنی مدت خدمت

---

[1] البداية والنهاية: ۱۱/۴۵

[2] واقعہ نمبر۵

کرے گا جتنی تمہارے والد نے کی۔"

والدہ نے کہا:

"كَانَ اَبِیْ عَاشَ اِثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ سَنَةً."

تَرجَمَہ: "میرے والد صاحب بہتّر (۷۲) سال تک زندہ رہے تھے۔"

استاد نے کہا:

"وَهٰذِهٖ قَدْ تَمَّتْهُ لِیْ"

تَرجَمَہ: "میرے لئے بھی بہتّر (۷۲) سال کا عرصہ پورا ہوگیا۔"

حاکم حسّان کے شاگرد کہتے ہیں:

"فَعَاشَ الْاُسْتَاذُ بَعْدَ هٰذِهِ الْحِكَايَةِ اَرْبَعَةَ اَيَّامٍ."

تَرجَمَہ: "استاد اس واقعہ بیان کرنے کے بعد چار دن تک زندہ رہے۔[1]"

یہ تھی والدہ محترمہ کی دعا اور پھر اس کی قبولیت، کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو عالم بھی بنایا اور دین کی خدمت کے لئے قبول بھی فرمایا۔

اور یہی اصل میں انسان کی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے، اس کو علم نافع عطا فرمائے اور پھر اس علم نافع پر عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے، اور اس کو پھیلانے کے لئے بھی قبول فرمائے۔ ہر شخص کو یہ دعا خود اپنے لئے اپنی اولاد کے لئے اور بھائی بہنوں کے لئے بھی مانگنی چاہیے۔

والدہ کی دعا کی وجہ سے علم حاصل کرنے کی توفیق کا ملنا[2]

سہل بن بشر نے کہا کہ ہم کو سُلیم بن ایوب نے بیان کیا میں بچپن میں رائی

---

[1] طبقات الشافعیه للامام السبکی ۲۲۷/۳

[2] واقعہ نمبر ۲

(علاقے کا نام ہے) میں رہتا تھا تقریباً دس سال کی عمر ہوگی میرے اساتذہ نے بھی کوشش کی کہ میں کسی طرح پڑھ لوں اور مجھے بھی کافی شوق تھا، میں نے بہت کوشش کی کہ میں سورہ فاتحہ پڑھ سکوں لیکن میں اپنی زبان کے بند ہونے کی وجہ سے پڑھ نہیں سکا تو ایک مرتبہ ایک عالم تجربہ کار ہمارے مدرسہ میں تشریف لائے، اساتذہ نے ان سے کمزور بچوں کے بارے میں مشورہ کیا جب میری باری آئی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا! اے سلیم!

"أَلَكَ وَالِدَة؟"

ترجمہ: "تمہاری والدہ موجود ہیں؟"

میں نے کہا: جی ہاں!

پھر انہوں نے کہا:

"قُلْ لَهَا تَدْعُوْلَكَ اَنْ يَرْزُقَكَ اللّٰهُ قِرَاءَ ةَ الْقُرْاٰنِ وَالْعِلْمِ."

ترجمہ: اپنی والدہ سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں کہ اللہ تمہارے لئے قرآن پڑھنا آسان کردے، اور علم نصیب فرمائے۔"

میں نے کہا: جی بالکل اور پھر اس کے بعد میں گھر لوٹا اور اپنی والدہ سے دعا کے لئے کہا:

"فَدَعَتْ لِيْ"

ترجمہ: "انہوں نے میرے لئے رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔"

پھر جب میں بڑا ہوا تو بغداد گیا وہاں میں نے عربی اور فقہ پڑھی اور الحمدللہ اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم عطا فرمایا، عربی زبان میں مہارت نصیب فرمائی، فقہ کا علم عطا فرمایا، پھر پڑھائی مکمل ہونے کے بعد جو کچھ علم سیکھا تھا اس پر عمل کرتے ہوئے اس کو پھیلانے کے لئے میں واپس اپنے شہر (رَیْ) آ گیا۔

میں ایک مرتبہ ایک بڑے عالم شیخ مزنی کے ساتھ بحث کررہا تھا، تو وہی شیخ حاضر ہوئے اور ہم کو سلام کیا اور ان کی حالت یہ تھی کہ وہ مجھ کو نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے ہمارا علمی مباحثہ سنا اور وہ تعجب فرمانے لگے اور خوش بھی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں میں اتنے بڑے بڑے علماء پیدا کئے ہیں۔ اور جو فقہ وتفسیر کی باریکیوں میں مذاکرہ ہورہا تھا تو وہ نہیں سمجھ سکے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا:

"حَتّٰی نَتَعَلَّمَ مِثْلَ هٰذَا"

تَرْجَمَہ: "کاش ہم بھی ایسا علم سیکھیں۔"

میرے دل میں خیال آیا کہ جواب میں کہوں:

"اِنْ كَانَتْ لَكَ وَالِدَةٌ قُلْ لَهَا تَدْعُوْلَكَ فَاسْتَحْيَيْتُ"

تَرْجَمَہ: "اگر آپ بھی اس طرح کا علم سیکھنا چاہیں تو میں ایک تدبیر بتلاتا ہوں وہ یہ کہ اگر آپ کی والدہ محترمہ زندہ ہیں تو آپ ان سے درخواست کریں کہ وہ آپ کے لئے دعا کریں، لیکن پھر میں شرما گیا (اور میں نے نہیں کہا)۔[1]"

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیر اعلام النبلاء میں ان کو شیخ الاسلام کا لقب عطا فرمایا ہے۔[2]

---

[1] طبقات السبكی: جلد٤ ص٣٩٠

[2] وفيات الاعيان: جلد٢ ص٣٩٧

متفرقات

اپنے والدین کی قدر کیجیے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد آپ کی عزت وعظمت کرے، آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھے، اور آپ کی فرمانبرداری کرے، اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کے دل میں آپ کی عزت وعظمت بٹھادے، اور آپ کو آخرت کی کامیابی کے علاوہ بے شمار دنیوی فوائد بھی حاصل ہوں تو آپ کو چاہیئے کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک (برتاؤ) کریں۔ مشہور محاورہ ہے کہ:

"آدمی جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔"

گندم بو کر جو کی تمنا رکھنا اور باجرہ بو کر چاول حاصل کرنے کی توقع بے وقوفی ہے۔

آج ہم اپنے والدین کے ساتھ جیسا برتاؤ کریں گے، کل اپنی اولاد سے ویسا ہی صلہ پائیں گے۔

اس لئے ہم اپنی اصلاح اور اعمال کی فکر کریں، کیونکہ اگر آپ نیک ہوں گے تو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہوں گے اور یہ ان کے لئے ایک بڑی نعمت ثابت ہوگی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

نِعَمُ الإِلٰهِ عَلَى العِبَادِ كَثِيْرَةٌ   وَأَجَلُّهُنَّ نَجَابَةُ الأَبْنَاءِ

ترجمہ: "بندوں پر اللہ کی نعمتیں بہت ہیں، اور سب سے بڑی نعمت اولاد کا نیک ہونا ہے۔[1]"

---

[1] مختصر بر الوالدین: ص۱۰۷

لہٰذا والدین کے ساتھ نیک سلوک کیجئے یہ ان کا حق ہے اور ان کی قربانیوں اور محبتوں کا تقاضہ بھی کہ وہ تو ہر آن ہر گھڑی اپنا سب کچھ آپ پر لٹانے کے لئے تیار رہتے ہیں یہاں تک کہ آپ کی خاطر اپنی جان کو بھی نچھاور کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ چنانچہ ابراہیم بن داحہ کے خط کا جواب اس بات کی گواہی دیتا ہے۔

"كَتَبَ اِبْرَاهِيمُ بْنُ دَاحَةَ إِلٰى أَحَدِ أَبَوَيْهِ. جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاكَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ: لَاتَكْتُبْ بِمِثْلِ هٰذَا فَأَنْتَ عَلٰى يَوْمِي، أَصْبَرُ مِنِّيْ عَلٰى يَوْمِكَ، اَيْ اَنَّكَ عَلٰى يَوْمِ مَوْتِيْ أَكْثَرُ صَبْرًا مِنِّيْ عَلٰى يَوْمِ مَوْتِكَ، لِأَنَّ مَوْتِيْ يُؤْلِمُكَ ثُمَّ يَزُوْلُ هٰذَا الْأَلَمُ بَعْدَ حِيْنٍ، أَمَّامَوْتُكَ فَيَجْرَحُ قَلْبِيْ وَجُرْحُ الْقَلْبِ لَايَبْرَأُ."[1]

تَرْجَمَۃ: "ابراہیم بن داحہ نے اپنے والدین میں سے کسی کی طرف خط بھیجا اور اس میں لکھا کہ:

"جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاكَ"

"اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔"

والد صاحب نے جواب میں کہا کہ اس طرح مت کہو کیونکہ میرے مرنے سے جو تمہیں غم ہوگا وہ کچھ دنوں کے بعد زائل ہوجائے گا۔ لیکن تمہاری موت سے جو مجھے غم ہوگا اس کا زخم کبھی نہیں بھر سکتا۔"

والدین کا ان ٹوٹ رشتہ بذات خود بہت بڑی نعمت ہے اس پر مزید براں ان کی محبتیں اور چاہتیں یہ سب آپ سے مطالبہ کرتی ہیں کہ آپ ان کی ایسی قدر کریں جیسی کہ کرنے کا حق ہے آپ کی خوشی ان کی خوشی اور آپ کا غم ان کا غم ہوتا ہے، آپ ان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں آپ کے بغیر ان کی زندگی ویران ہوجاتی ہے اور ایسی خزاں آجاتی ہے جس کے بعد بہار کی امید نہیں ہوتی، یہاں تک کہ آپ ان کے

[1] مختصر بر الوالدین: ص۹۱

لئے ہر چیز، ہر رشتے سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں جیسا کہ عبداللہ بن بکرہ سے کسی نے پوچھا:

"وَقَالَ رَجُلٌ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَكْرَةَ: مَاتَقُولُ فِي مَوْتِ الوَالِدِ؟
قَالَ: مِلْكٌ حَادِثٌ.
قَالَ فَمَوتِ الْوَلَدِ؟
قَالَ: صَدْعٌ فِي الفُؤَادِ لَايُجْبَرُ."

تَرجَمَہ: "ایک شخص نے عبداللہ بن بکرہ سے پوچھا آپ والد کی موت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟
فرمایا: کسی نئے کو مالک بنانا، پھر پوچھا: کہ بیٹے کی موت؟
تو فرمایا: کہ یہ ایسا درد دل ہے جس سے شفا ملنا مشکل ہے۔ ایسا دل کا زخم ہے جسکا مندمل ہونا مشکل ہے۔"

ہمارے دوست مولانا محمد خالد امین صاحب نے سفر میں ایک بہت پیارا شعر سنایا تھا ؎

اللہ نہ دکھائے کسی کو الم نورِ نظر کا بہہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب وجگر کا

والدین کی نعمت اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے ان کی قدر جانیے کہ وہ آپ کے لئے بہت سی مشکلوں، مصیبتوں اور دشمنوں سے بچاؤ کا سبب ہیں، وہ آپ کے لئے سایہ دار درخت کی مانند ہیں، کیا خوب خوبصورتی کے ساتھ عربی زبان میں شیخ نے والد کے وجود کا بیان کیا ہے:

"آبَاءُ كُمْ هُمُ الدَّارُ الَّتِيْ تَجمَعُ شَمْلَكُم، وَتَحمِيكُمْ مِنْ بَأْسِ عَدُوِّكُمْ، وَتَدْفَعُ عَنكُمْ آفَاتِ الْأَيَّامِ. فَإِذَا هُدِمَتْ تَفَرَّقَ جَمْعُكُمْ، وَاسْتَضْعَفَكُمُ النَّاسُ، وَأَصْبَحْتُم كَالْأَغْنَامِ تَسِيرُ بِلَا رَاعٍ فَيَعِيثُ فِيهَا الذِّئْبُ."

تَرجَمۃ: ''وہ بچاتے ہیں تمہیں تمہارے دشمنوں سے اور تم سے روز مرہ کی آفات کو دور کرتے ہیں اور جب وہ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں تو تمہاری اجتماعیت ختم ہوجاتی ہے اور لوگ تمہیں کمزور سمجھنے لگتے ہیں اور تم بغیر چرواہے کی بکریوں جیسے ہوجاتے ہو جن پر بھیڑیا حملہ کردے[1]''

کسی عربی شاعر نے اشعار کہے ہیں۔ حقیقتِ حال کا اظہار کیا ہے۔

جرمن کے شہر ہین ''اُووز'' کے سفر میں ''شیخ جوہر'' کے تعاون سے مکتبہ میں مطالعہ کا موقعہ ملا اور یہ پیارے اشعار نظر سے گذرے، کسی زبان میں اس کی ترجمانی تو مشکل معلوم ہوتی ہے عربی زبان سے واقفیت رکھنے والا ہی اس کی حلاوت وحرارت محسوس کرسکتا ہے کسی والد نے ان شعروں میں اپنے قلب وجگر کا لہو پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

لَوْ كَانَ يَدْرِىْ الإِبْنُ أَيَّةَ غُصَّةٍ ... قَدْ جَرَّعَتْ أَبَوَيْهِ بَعْدَ فِرَاقِهٖ
أُمٌّ تَهِيْمُ بَوَجْدِهٖ حَيْرَانَةً ... وَأَبٌ يَسِحُّ الدَّمْعَ مِنْ آمَاقِهٖ
يَتَجَرِّعَانِ لَبَيْنِهٖ غُصَصَ الرَّدَىٰ ... وَيَبُوْحُ مَاكَتَمَاه مِنْ أَشْوَاقِهٖ
لَرَثَا لِأُمٍّ سَلَّ مِنْ أَحْشَائِهَا ... وَبَكٰى لِشَيْخٍ هَامٍ فِىْ آفَاتِهٖ
وَلَبَدَّلَ الْخُلُقَ الأَبِيَّ بَعَطْفِهٖ ... وَجَذَاهُمَا الْعَذْبِ مِنْ أَخْلَاقِهٖ[2]

تَرجَمۃ:

① ''اگر بیٹے کو معلوم ہوتا کہ اس کے والدین نے اس کی جدائی کے بعد کون سا کڑوا گھونٹ پینا ہے۔''

② ''ماں اس کے غم کی خاطر سرگرداں اور پریشان گھومتی ہے اور باپ اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کے سمندر بہاتا ہے۔''

---

[1] مختصر برالوالدین: ص۹۰، ۹۱

[2] برالوالدین: ص۱۸۸

٣ ''وہ دونوں اس کی زندگی کے لئے موت کا گھونٹ پیتے ہیں جس چیز کو وہ اس کے شوق میں چھپاتے ہیں وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔''

٤ ''تو وہ اپنی ماں جس کے بطن سے وہ پیدا ہوا اس کے لئے روتا جو باپ اس کی مشکلوں کے حل کے لئے سرگرداں رہتا تھا اس کے لئے روتا۔''

٥ ''اور اپنے نازیبا اخلاق رحم وشفقت سے بدل دیتا اور اپنے شیریں اخلاق سے ان کو بدلہ دیتا۔''

لمحۂ فکریہ

اے احسان فراموش بیٹے! تو اپنی ماں کے ساتھ یہ برتاؤ کرتا ہے، جس نے تجھے جنم دیا، جس نے تیری پرورش کی اور جس نے تیرا سایہ بن کر زندگی گزاری۔ آج وہ تجھ سے بات کرنے کو ترستی ہے اور تو کہتا ہے کہ میرے پاس فرصت نہیں۔

افسوس ہے تیری زندگی پر کہ تو اپنی ماں کے لئے دل میں اتنی محبت بھی نہیں رکھتا۔ ارے! ماں تو وہ ماں ہے جو تجھے اپنے ہاتھ سے جوتا پہناتی تھی، آج تو اس کے لئے جوتے سیدھے نہیں کر سکتا۔ ارے! بچپن میں وہ تجھے پہلے کھلاتی تھی بعد میں خود کھاتی تھی، پہلے تجھے پلاتی تھی اور بعد میں خود پیتی تھی، پہلے تجھے سلاتی تھی بعد خود سوتی تھی۔ کیا اس کی وفاؤں کا آج یہی صلہ ہے کہ تمہیں اپنی جوانی کا نشہ اپنی ماں کے کمرے میں پانچ منٹ کے لئے بھی نہیں آنے دیتا؟

ہمارے محترم استاد حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے: ماں بیس سال تک بچے کی تربیت کرتی ہے، ہر قسم کی خوشی وغمی میں اس کا ساتھ دیتی ہے۔

جب اس بچے کی شادی کروادیتی ہے تو نئی دلہن جس کو آئے ہوئے بیس ۲۰ ہی دن ہوئے ہیں اس کی محبت میں حدودِ شرعیہ سے تجاوز کر کے بیس ۲۰ سال کی ماں کو

بھول جاتا ہے۔ اِلَّا مَنْ عَصِمَهُ اللّٰه، (مگر یہ کہ جس کی اللہ حفاظت کرے)۔ لہٰذا ہمیں اپنی ماں کے بے شمار احسانات اور اس کی عظیم قربانیوں کو یاد رکھنا چاہیے اور ماں کے ساتھ ایسے طریقے سے پیش آنا چاہیے جس سے اس کو راحت پہنچے۔

حضرت ہشام بن حسان سے روایت ہے کہ میں نے حسن سے کہا:

"اِنّی أَتعَلَّمُ القُرآنْ، وَاِنَّ أُمِّي تَنْتَظِرُنِیْ بِالعَشَاءِ"

تَرْجَمَہ: "میں قرآن مجید سیکھتا اور میری والدہ رات کھانے پر میرا انتظار کرتی ہیں۔"

تو حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"تَعَشَّ العَشَاءَ مَعَ أُمِّكَ تَقَرُّبِهٖ عَيْنُهَا، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ حَجَّةٍ تَحُجُّهَا تَطَوُّعاً"[1]

تَرْجَمَہ: "اپنی والدہ کے ساتھ رات کھانا کھایا کرو کہ اس کی وجہ اس کو راحت ملے گی۔ یہ عمل میرے نزدیک تمہارے نفلی حج سے زیادہ محبوب ہے۔"

واقعی ماں کی قربانیوں اور محبتوں کا مقتضیٰ یہی ہے بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جو قدم جنت کو سموئے ہوئے ہیں ان پر نچھاور ہو جانا چاہیے۔

"لَوْ أَنصَفَ الأَبنَاءُ لَمَا تَرَكُو أُمَّهَاتِهِمْ يَمْشِيْنَ عَلَى الأَرْضِ، وَلَغَسَلُوا أَقْدَامَهُنَّ بِدُمُوْعِ عُيُونِهِمْ."

تَرْجَمَہ: "اولاد کے لئے انصاف کی بات یہی ہے کہ وہ اپنی ماؤں کے پاؤں کو زمین پر نہ لگنے دیں، اور ان کے پاؤں کو اپنے آنسوؤں کے ذریعے دھوئیں۔"

لیکن کیا ہم ماں کی قدر کرتے ہیں کیا اس کو اس کا حق دیتے ہیں یہ سوالات

[1] برالوالدین لابن الجوزی: ص۸۴

ہماری طرف متوجہ ہیں۔

"لَوْ أَنَّ أُمَّكَ مَرِضَتْ فَهَلْ تَبْقَى بِجَانِبِ سَرِيْرِهَا لَيْلَتَيْنِ مُتَتَالِيَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ أَنْ تَنَامَ؟"

"وَلَوْ أَنَّهُ غَمَضَ لَكَ جَفْنٌ فَهَلْ تَهْجُرُ نَوْمَكَ مُسْرِعاً لِتُلَبِّيَ نِدَاءَ هَا؟"

"وَلَوْ أَصَابَ ثَوْبَهَا نَجَاسَةٌ فَهَلْ تُزِيْلُهَا عَنْهُ مَرَّةً وَاحِدَةً كَمَا كَانَتْ تُزِيْلُ نِجَاسَتَكَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ؟"

"وَلَوْ أَنَّكَ تَزَوَّجْتَ، وَرَغِبَتْ أَنْ تُحْضِرَ مَعَكَ شَيْئاً مِنَ الْفُسْتُقِ أَوِ اللَّوزِ أَوِالسَّكَاكِرِ فَهَلْ تَرْغَبُ أَنْ تَدْفَعَهُ إِلَيْهَا عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ مِنْكَ، أَمْ تَدُسُّهُ فِي جَيْبِكَ، وَتَدْخُلُ بِهِ مُبَاشَرَةً إِلَى غُرْفَتِكَ لِئَلَّا يَرَاكَ اَحَدٌ؟"

"وَلَوْ أَنَّهَا تَخَاصَمَتْ مَعَ زَوْجَتِكَ يَوْماً وَكَانَ الْحَقُّ عَلَيْهَا. فَهَلْ تَصْفَحُ عَنْهَا، أَمْ تُؤَنِّبُهَا وَتَرْفَعُ صَوْتَكَ عَالِياً وَتَغْضَبُ؟"[1]

ترجمہ: "اگر آپ کی والدہ بیمار ہوجائیں تو کیا آپ دو راتیں مسلسل بغیر سوئے ان کے سرہانے گزار سکتے ہیں؟

اور اگر وہ اسی طرح کرلے تو کیا تم اسی طرح خوشی سے اٹھ کھڑے ہوگئے جیسے وہ اٹھا کرتی تھیں؟

اور اگر ان کے کپڑے نجاست آلود ہوجائیں تو کیا تم ان کے کپڑے اسی طرح صاف کرو گے جس طرح وہ تمہارے کپڑے دن، رات صاف کیا کرتی تھیں؟

اور اگر تمہاری شادی ہوجائے، اور بیوی تمہیں اپنے لئے کوئی

---

[1] مختصر برالوالدین ص: ٦٥ تا ٦٧

کھانے کی چیز لانے کا کہے تو کیا تم اپنی ماں کے لئے بھی وہی چیز لاؤ گے یا وہ چیز براہِ راست اپنے کمرے میں لے جاؤ گے، اس طرح کہ کوئی تمہیں نہ دیکھ پائے؟

اور اگر کسی دن تمہاری ماں کا تمہاری بیوی سے جھگڑا ہو جائے اور غلطی تمہاری ماں کی ہو تو اس وقت تم درگذر سے کام لو گے یا اپنی ماں پر غصہ کا اظہار کرو گے؟"

محسن کی قدر کرنی چاہیئے

بچے پر والد کا یہ حق ہے کہ بیٹا باپ سے محبت کرے، اس کا احترام کرے، اس کی فرمانبرداری کرے، تعظیم و تکریم کرے اور اس کے ساتھ ادب سے پیش آئے، اس کے لئے دُعا کرے اور حسبِ طاقت اس پر خرچ کرے۔ محبت احترام اور بڑائی کا خیال رکھنا ہر ایک مسلمان کا دوسرے پر فریضہ ہے۔ چنانچہ ہر چھوٹے کو............ بڑے کا اور مامور ومحکوم کو...... امیر و حاکم کا اور بیٹے کو...... باپ کا احترام وادب اور اکرام کرنا چاہیئے۔

چونکہ انسان میں یہ بات فطری طور سے رکھ دی گئی ہے کہ وہ محسن سے محبت کرتا ہے تو پھر یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے بعد انسان پر والدین سے بڑھ کر کسی اور کا احسان نہیں ہے۔

شاعر کہتا ہے:

وَقَيَّدْتُ نَفْسِيْ فِيْ هَوَاكَ مُحِبَّةً
وَمَن وَّجَدَ الْاِحْسَانَ قَيْدًا تُقَيِّدَا

تَرْجَمَہ: "میں نے آپ کی محبت میں اپنے آپ کو گرفتار کر دیا ہے اور جو شخص احسان کو ذریعہ قید سمجھتا ہے وہ تو خوب قید ہی ہوتا ہے۔"

بچہ سب سے پہلے اپنی ماں سے محبت کا اظہار کرتا ہے، وہ اگر ذرا سی دیر نظروں سے دور ہو جائے تو اس کو آواز دیتا ہے اور اگر وہ اس سے اعراض کرے تو اس سے سرگوشی کرنے لگتا ہے اور اگر بچے کو کوئی تکلیف یا مصیبت پہنچے تو اسے پکارتا ہے اسی سے فریاد کرتا ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ ساری خیر و بھلائی ماں کے ہاتھ میں ہے اور وہ برائی سے اس وقت تک بچ سکتا ہے جب تک اس کی ماں کے دل میں اس کی محبت ہے۔

ماں کی محبت کے بعد بچے کو پھر اپنے اس باپ سے محبت ہوتی ہے۔ جسے دیکھ کر وہ ہشاش بشاش ہو جاتا ہے اور جب وہ گھر سے جانے لگتا ہے تو بچہ اس سے چمٹ جاتا ہے۔ اور جب وہ گھر میں ہوتا ہے تو یہ اس کی گود اور سینے پر چڑھ کر بیٹھ جاتا ہے اور اگر یہ موجود نہ ہو تو بچہ اس کے بارے میں پوچھتا رہتا ہے اور اس کی آمد کا منتظر رہتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر میرا والد مجھ سے خوش ہے تو مجھے سب کچھ دے دیگا اور اگر وہ مجھ سے ناراض ہو گیا تو وہ مجھے جو چاہے گا سزا دیگا وہ سب کو اپنے والد سے ڈراتا ہے آپ ہی بتلائیے کہ اس سے بڑھ کر محبت اور احترام اور کیا ہوگا۔

لیکن یہی بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو کم قسمتی سے حسنِ سلوک کو بھول جاتا ہے اور والدین کے احسان کو بھلا دیتا ہے اور اپنے بچوں پر اپنی شفقت و محبت اور فرماں روائی سے یہ یاد نہیں کرتا کہ اپنے ماں باپ کے سامنے میں وہ بھی ایسا ہی تھا۔

شاعر کہتا ہے۔

؎ اِنَّ لِلْوَالِدَیْنِ حَقًّا عَلَیْنَا
بَعْدَ حَقِّ الْاِلٰہِ فِیْ الْاِحْتِرَامِ

تَرجَمَہ: ”احترام و تعظیم کے اعتبار سے اللہ جل شانہٗ کے بعد ہم پر والدین کا حق ہے۔“

؎ أَوْجَدَانَا وَرَبَّیَانَا صَغِیْرًا
فَاسْتَحَقَّا نِہَایَۃَ الْاِکْرَامِ

ترجمہ: ''وہ ہمیں عدم سے وجود بخشنے کا ذریعہ بنے اور بچپن میں ہماری پرورش کی، پس زیادہ اکرام کے مستحق بن گئے۔''

پتر [۱]

''اللہ خوش رکھے بیٹا۔''

ٹورنٹو کی سرد ہواؤں میں صبح ہی صبح اس چادر پوش بڑھیا نے شکر گذار لہجے میں کہا تو مجھے برسوں بعد اپنی ماں یاد آگئی۔ آج صبح سے موسم سخت سرد تھا، میں ٹورنٹو کی اس شاہراہ پر اپنے میڈیکل اسٹور میں مصروف تھا۔ اتنے میں مجھے یہ بوڑھی خاتون نظر آئی جو ہانپتے کانپتے اندر آرہی تھی، وہ یقیناً کوئی مسلمان تھی، میں باقی گاہکوں کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوا اور جلدی سے اس کی مطلوبہ دوائیں اسے تھما دیں، قیمت میں بھی خاص رعایت کر دی، نہ جانے کیوں اس کے ساتھ میرا ہمدردی کا جذبہ ابھر آیا تھا، اس پر اس نے میرا شکریہ ادا کیا تو مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی ماں یاد آگئی۔

اپنا دیس چھوڑے ہوئے پورے دس برس ہو گئے تھے۔ ان دس برسوں میں میں نے ایک بار بھی اپنے گھر کا رخ نہیں کیا تھا، شروع شروع میں کبھی کبھار صرف پیسے بجھوا دیتا تھا یا خط لکھ دیتا تھا مگر دو تین برس سے میں نے انہیں بالکل نظر انداز کر دیا تھا، عام دنوں میں تو درکنار عید پر بھی انہیں یاد نہیں کیا تھا۔ میں نے انہیں اپنا پتا اور فون نمبر بھی نہیں دیا تھا، میں انہیں یاد کرنا بھی نہیں چاہتا تھا، اس لئے نہیں کہ مجھے ان سے نفرت تھی، بلکہ اس لئے کہ مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نے انہیں نہ بھلایا تو ایک دن مجھے پاکستان واپس جانا پڑے گا۔

وہ پاکستان جس کی بدامنی، لوٹ مار اور سب سے بڑھ کر فرسودہ روایات سے

---

[۱] واقعہ نمبر ا

میں تنگ آ گیا تھا، وہاں میری ترقی میں بے شمار رکاوٹیں تھیں، ماں باپ کا احترام، بڑوں کی فرماں برداری، معاشرتی پابندیوں کی رعایت، مذہب کی حدود کے اندر رہنا، یہ سب پابندیاں پوری طرح نہیں تو کسی نہ کسی حد تک مجھے نباہنا ہی پڑتیں اور ایسا میں کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں ترقی کی راہ میں اس طرح آزادی سے دوڑنا چاہتا تھا جس طرح مجھے یورپ اور امریکہ والے دوڑتے نظر آتے تھے، نہ کوئی پابندی نہ رکاوٹ، میں نے باہر جانے کی تگ و دو کی اور قسمت تھی کہ ایک دوست کی مہربانی سے مجھے کینیڈا کا ویزا مل گیا۔

کینیڈا آکر میں نے شروع میں بہت تکلیف دہ دن گزارے، کئی جگہ عارضی ملازمتیں کیں، مزدوری بھی کی، آخرکار خوش قسمتی سے مجھے بڑے میڈیکل اسٹور میں سیلز مین رکھ لیا گیا، آمدنی بھی پاکستان کے لحاظ سے بہت معقول تھی پاکستان میں ہم کرائے کے گھر میں رہتے تھے، میں کرائے کے گھر سے ہمیشہ نفرت کرتا تھا، مگر یہاں مجھے فی الحال کرائے پر ہی ایک چھوٹے سے فلیٹ میں دن گزارنے پڑ رہے تھے، ابھی اپنا مکان خریدنے کے قابل نہیں تھا۔

بہرحال میں یہاں کی چمکتی دمکتی دنیا میں وطن، ماں باپ، رشتے داروں کو بالکل بھلا چکا تھا، مگر آج اس بڑھیا سے "بیٹے" کا لفظ سن کر میں دیر تک اپنی ماں کے منہ سے نکلے ہوئے "پتر" کو یاد کرتا رہا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ بڑی غلطی کر رہا ہوں، میری ماں چاہے پرانے خیالات کی تھی، ترقی کی مخالف تھی مگر تھی تو ماں ...... اگر میں اسے ملنے نہیں جاتا تو کم از کم خرچ کے لئے پیسے تو بھجوانا میرا فرض تھا ...... اور میرا دادہ باپ جو دن بھر مزدوری کرتا تھا، یقیناً اس کا حق دار تھا کہ اس بڑھاپے میں اسے آرام دیا جائے۔ رات کو دیر تک میں اس قسم کے خیالات میں کھویا رہا، پھر نہ معلوم کب میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح میں نے چھ سو ڈالر کا ڈرافٹ والدہ کے نام روانہ کیا، ساتھ ہی میں ایک

خط میں اپنی خیریت اور اپنا پتا وغیرہ بھی لکھ دیا۔ اس سے میرے دل کو اطمینان نصیب ہوا مگر یہ اطمینان چند دن سے زیادہ باقی نہ رہ سکا۔ مجھے ملنے والے والدہ کے جوابی خط نے میرے اعصاب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

''پتر بشیر السلام علیکم! اللہ تجھے خوش رکھے، میرے بچے مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں، ہاں مرنے سے پہلے ایک بار تجھے دیکھنا ضرور چاہتی ہوں۔ میں سول ہسپتال کے جنرل وارڈ میں بستر ۲۰۴ پر تیرا انتظار کر رہی ہوں۔ اور دیکھتی ہوں تو پہلے آتا ہے یا موت۔ تیری ماں۔''

جس چیز سے میں ڈر رہا تھا، وہی ہوا یعنی ماں باپ کی یاد اور ان کی تکلیف کے احساس نے مجھے وطن واپس آنے پر مجبور کر ہی دیا۔ میں نے اپنے مالک سے دو ہفتے کی چھٹی لی اور پاکستان آگیا۔

ماں مجھے ہسپتال کے بستر پر ملی۔ وہ امراض قلب کے وارڈ میں داخل تھی:

''بشیر پتر! میری آنکھوں نے تیرے انتظار میں دس برس گزار دیئے۔ یہ سب کہتے تھے کہ اب بشیر کبھی نہیں آئے گا مگر میں نے اپنے اللہ سے تجھے مانگا، اس نے میری سن لی۔ اب تو میرے سامنے کھڑا ہے، آ پتر! ماں کے سینے سے لگ جا۔''

مجھے اپنے ساتھ لپٹا کر وہ زار و قطار روئی۔ میں نے ابا کا پوچھا تو وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی ''تیرے بابا تیرے انتظار میں کب کے دنیا چھوڑ گئے پتر۔'' میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ بعد میں پتا چلا کہ والد صاحب تین برس پہلے ایک ٹریفک حادثے میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ عزیز رشتے دار مجھے اطلاع کیسے کرتے، میرا پتا کسی کے پاس تھا ہی نہیں، یہ میری کم بختی تھی کہ اتنے بڑے سانحے سے بھی لاعلم رہا اور اپنی دنیا میں مگن رہا۔

ایک ہفتہ میں نے ہسپتال میں ماں کی تیمارداری میں گذارا، میرے آنے کی خوشی سے اس کی صحت تیزی سے بحال ہونے لگی، ساتویں دن اسے ہسپتال سے

فارغ کر دیا گیا، جب دس سال بعد اسی کرائے کے مکان میں داخل ہوا تو ہر چیز اس طرح نظر آئی جیسے میں چھوڑ گیا تھا، بس کمی تھی تو والد صاحب کی جو اب واپس نہیں آسکتے تھے۔ مجھے اس مکان سے ہول سا آنے لگا میں سوچنے لگا:

"بس میں ٹورنٹو واپس جا کر پہلی فرصت میں ایک ذاتی مکان لوں گا، چاہے قسطوں میں لینا پڑے اور پھر ماں کو بھی وہیں بلا لوں گا...... ہاں میں ایسا ہی کروں گا۔"

"کیا سوچنے لگے بشیر پتر۔" ماں نے جھلنگا سی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں...... کچھ نہیں ماں۔"

"پتر ایک بات کہوں۔"

"کہو ماں ضرور کہو۔" مگر میرے دل میں ساتھ ہی یہ دھڑکا پیدا ہوا کہ ماں مجھے واپس جانے سے روکے گی۔

"پتر میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ تو واپس نہ جا...... مگر اتنا ضرور چاہتی ہوں کہ مرنے سے پہلے تیرا گھر بسا ہوا دیکھ لوں...... تیری شادی کر دوں۔"

گھر بسا ہوا تب دیکھو گی ماں جب گھر ہوگا، اس کرائے کے مکان میں تو کم از کم میں نہیں رہ سکتا۔

"تجھے کس نے کہا ہے پتر کہ کرائے کے گھر میں رہ، تو اپنے گھر میں رہ پتر۔"

"میرا گھر؟" میں ششدر رہ گیا۔

"ہاں! ہاں تیرا گھر! وہ جو ریلوے لائن کے پاس نئی کالونی بن رہی ہے نا، وہاں ایک تیار شدہ مکان چار کمروں کا خریدا ہوا ہے تیرے لئے ...... فرنیچر، گدے، تکیے، الماری، برتن سب کچھ تیار کر رکھا ہے میں نے...... بس تیری کمی ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو ماں، یہ تم نے کیسے کیا؟"

"کیسے کا کیا مطلب؟ وہ جو تو پیسے بھیجتا رہا تھا پہلے ۷۰ ڈالر بھیجے تھے، پھر سو،

پھر کئی سال تک ہر دوسرے تیسرے مہینے سو، دو سو ڈالر ملتے ہی رہے...... وہ سب تیرے گھر اور شادی کے لئے جمع کرتے رہے۔ مکان تو تیرے ابا نے خود ہی پسند کر کے لیا تھا، بس اب شادی کے انتظامات، مہمانوں کی دعوت اور زیور وغیرہ کا خرچہ ہے مگر جو تو نے چھ سو ڈالر بھیجے تھے نا، ان سے یہ خرچہ پورا ہو جائے گا، شاید کچھ رقم پھر بھی بچ جائے گی۔"

ماں کہتی جا رہی تھی اور میں حیرت سے اسے تک رہا تھا۔ ماں باپ کی بے غرضی اور قربانی کا یہ روپ دیکھ کر میں حیران تھا۔

"مگر ماں! یہ سب تو بچا بچا کر میرے لئے رکھتی رہی تو تیرا گزارا کیسے ہوتا رہا۔"

"پتر! جب تک تیرے ابا تھے، وہ محنت مزدوری کرتے رہے، وہ گزر گئے تو میں نے سلائی کڑھائی کا کام کرنا شروع کر دیا، وقت بھی کٹ جاتا ہے اور پیٹ بھی بھر جاتا ہے...... بشیر پتر! یہ تو سب کے وسیلے ہیں، ذریعے ہیں...... اللہ اس کے بغیر بھی روزی دے سکتا ہے۔ وہ چڑیوں کو بھی رزق دیتا ہے اور کیڑوں کو بھی ہمیں کیسے بھول جائے گا۔"

میری آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ میں کتنا نادان تھا، رزق کے پیچھے کہاں کہاں بھاگتا رہا مگر پھر بھی دس سال میں اپنے لئے وہ کچھ نہ بنا سکا، جو میری پرانے خیالات والی ماں اور ترقی سے روکنے والے دیہاتی باپ نے میرے لئے بنا ڈالا تھا۔ پھر میں نے واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب میں اپنی ماں اور بیوی بچوں کے ساتھ یہاں بہت خوش ہوں۔[1]

والدہ نے آپ کے آنے سے قبل کتنی دعائیں مانگی ہوں گی

بات: ایک عورت کے دل میں بچے کی کتنی محبت ہوتی ہے۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا

[1] بچوں کا اسلام ۱۷ شعبان ۱۴۲۵ھ

سکتا۔ جوان بچیاں اس بات کو نہیں سمجھ سکتیں۔ جب تک وہ زندگی کے اس حصہ تک نہ پہنچیں۔ جب خود ماں بنیں گیں تب محسوس ہوگا کہ ماں کی محبت کیا چیز ہے۔ یہ اللہ ربّ العزت نے ماں کے دل میں ودیعت کردی کیوں کہ اس نے پرورش کرنی تھی، اس نے بچوں کو پالنا تھا، ماں کے دل میں ایسی محبت ہے کہ بچوں کو ہر معاملہ میں اپنے اوپر ترجیح دیتی ہے۔ ایک بچی جس کی شادی کو چند سال ہوگئے اور اولاد نہیں ہورہی، اپنے گھر میں غمگین بیٹھی مصلے پہ رورہی ہوگی، دعائیں مانگے گی، اے اللہ! مجھے اولاد عطا فرمادے۔ اگر کوئی اس بچی سے پوچھے کہ تمہیں اللہ نے حسن وجمال عطا فرمایا ہے، اچھی تعلیم عطا کی، محبت کرنے والا خاوند عطا کیا، مال ودولت کے ڈھیر عطا کیے، دنیا کی عزتیں عطا کیں، ہر نعمت تمہارے پاس موجود ہے، کیوں پریشان ہو؟

وہ جواب دے گی کہ ایک نعمت ایسی ہے جوسب سے بڑی ہے، میں اللہ سے وہ مانگ رہی ہوں یہ حج پہ جائے گی تو طواف کعبہ کے بعد اولاد کی دعائیں کرے گی، مقامِ ابراہیم پہ سجدے کرے گی تو اولاد کی دعائیں کرے گی، غلاف کعبہ کو پکڑے گی تو اولاد کی دعائیں کرے گی، تہجد کی نماز پڑھے گی تو اولاد کی دعائیں کرے گی، کبھی لیلۃ القدر میں جاگنا نصیب ہوا تو اولاد کی دعائیں کرے گی۔

کسی نیک بزرگ کی محفل میں جانے کا اتفاق ہوا اولاد کی دعائیں کرے گی۔ آخر یہ کیسی نعمت ہے! جس کی وجہ سے مغموم ہے، پریشان ہے، حالانکہ بچی جانتی ہے کہ جب میں ماں بننے لگوں گی تو مہینے کا عرصہ میری بیماری میں گذرے گا، نہ میرا دل کچھ کھانے کو چاہے گا، جوکھاؤں گی کئی مرتبہ وہ بھی باہر نکل آئے گا، مجھے بھوک برداشت کرنی پڑے گی، بیماروں جیسی زندگی گزارنی پڑے گی۔

مگر اس کے دل میں ایسی محبت ہوتی ہے کہ اس سب کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوتی ہے۔ اس کو یہ بھی پتہ ہے کہ جب وضع حمل کا وقت آتا ہے تو عورت کو اس قدر تکالیف ہوتی ہیں کہ اس کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا ہے، بچہ ضائع بھی

ہوسکتا ہے، والدہ کی ڈیتھ (Death) (موت) بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود وہ اس مشقت کو اٹھانے کے لئے تیار ہے۔

اسے یہ بھی پتہ ہے کہ جب بچہ ہوجائے گا تو دو سال کے لئے مجھے راتوں کو سونے کا موقع نہیں ملے گا۔ میں سارا دن بچے کے کام کروں گی، اور رات کو بھی بچے کی خاطر جاگوں گی۔ اس کو اپنی سلیپ لیس نائٹ (Sleep Less Night) کا پتہ ہوتا ہے۔ اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ مجھے بچے کی خدمت چند گھنٹے نہیں بلکہ چوبیس گھنٹے کرنی پڑے گی مگر اس کی وہ خادمہ بننے کے لئے تیار ہے۔

آخر کیوں؟ اللہ رب العزت نے اس کے دل میں اولاد کی محبت ڈال دی۔ لیڈی ڈاکٹروں کو چیک اپ کروائے گی، کسی سے پڑھنے کا عمل لے گی۔ رات کی تنہائیوں میں قرآن پڑھ پڑھ کر اللہ سے مانگے گی، آخر یہ کیا ہے؟ یہ اولاد کی محبت ہے۔

جب بچے کی ولادت ہوتی ہے تو ماں کی زندگی میں تبدیلی آجاتی ہے۔ یہ اپنے آپ کو بیچاری بھول جاتی ہے۔ ہر وقت بچے کی فکر لگی ہے، کبھی اسے پلا رہی ہے، کبھی سلا رہی ہے، کبھی پہنا رہی ہے، کبھی بہلا رہی ہے، ہر وقت اس کی سوچیں بچے کے بارے میں، ہر وقت اس کی فکر بچے کے بارے میں، بچے کو خوش دیکھ کر یہ خوش ہوجاتی ہے اور بچے کو دکھی دیکھ کر یہ غم زدہ ہوجاتی ہے۔

بچے کی پیدائش کے بعد محبتوں کے پیمانے بدل گئے۔ اس کا کوئی قریبی رشتہ دار بچے کو پیار نہ کرے تو یہ اسے اپنا نہیں غیر سمجھے گی اور اگر کوئی غیر عورت اس بچے سے محبت کا اظہار کرے گی تو یہ اسے اپنا سمجھے گی۔ بچے کی جدائی اس سے برداشت نہیں ہوسکتی۔

کبھی اپنی بہن کے گھر اپنے بچے کو بھیج دیا تو تھوڑی دیر کے بعد فون کرتی ہے کہ جلد پہنچا دیں۔ اور جب بچہ اس کی گود میں آتا ہے تو یہ سمجھتی ہے کہ ساری دنیا کی

خوشیاں میری گود میں آگئیں۔ یہ کیا چیز ہے؟ بچے کی محبت ہے۔ جو اللہ رب العزت نے ماں کے دل میں ڈال دی۔

یہ پہلے بچے کو کھلاتی ہے پھر خود کھاتی ہے۔ پہلے بچے کو پلاتی ہے پھر خود پیتی ہے۔ پہلے بچے کو سلاتی ہے بعد میں خود سوتی ہے۔ سارا دن اس نے کام کیا، تھکی ہوئی تھی آنکھیں نیند سے بھری ہوئیں تھیں۔ جیسے ہی لیٹی بچے نے رونا شروع کر دیا، یہ بچے کو اٹھا کے بیٹھ جائے گی، اپنے آرام کو قربان کر دے گی۔ اگر بچے کو اس کی گود میں نیند آگئی تو وہیں بیٹھی رہے گی، حرکت بھی نہیں کرے گی۔ دل میں یہ آئے گا میری حرکت سے بچہ جاگ نہ جائے، یہ خود بھی تھکی ہوئی تھی۔ جاگ رہی ہے، لیکن جب بچے کا جاگنا اس کو گوارا نہیں۔ یہ اللہ رب العزت نے اولاد کی محبت ماں کے دل میں ڈال دی۔

چنانچہ ہم نے دیکھا بچہ جوان ہوگیا۔ کام کرنے باہر نکلا، رات کو آنے میں دیر ہوگئی۔ گھر کے سب لوگ اپنے وقت پہ کھانا کھالیں گے۔ اک ماں ہوگی جو انتظار میں رہے گی۔ بیٹی بھی کہتی ہے کہ امی کھانا کھالو، میاں بھی کہتا ہے کہ کھانا کھالو، یہ کہے گی نہیں میں بعد میں کھاؤں گی۔

اس کے دل میں یہ ہوتا ہے معلوم نہیں میرے بیٹے کو کھانا ملا ہوگا یا نہیں۔ جب میں اسے دیکھوں گی پھر وہ بھی کھائے گا، میں بھی کھاؤں گی۔ سارے گھر کے لوگ سوجاتے ہیں، یہ ماں بستر پہ کروٹیں بدل رہی ہوتی ہے۔ کبھی دروازے کو دیکھتی ہے کبھی فون کی گھنٹی سننے لگتی ہے۔ میرے بچے کا کہیں سے پیغام آئے، دل گھبراتا ہے اٹھ کے مصلیٰ پہ بیٹھ جاتی ہے، دوپٹہ آنسوؤں سے تر کر لیتی ہے۔ اللہ میرے بیٹے کی حفاظت کرنا، خیریت سے واپس آجائے۔ آخر یہ کیا ہے؟

یہ ماں کے دل میں اولاد کی محبت ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے، کہ دنیا کے سب لوگ نیکوں سے محبت کرتے ہیں لیکن ماں ایک ایسی ہستی ہے جو بد اولاد سے بھی

محبت کرتی ہے۔ خاوند ناراض ہو رہا ہے، تمہارے پیار نے بچوں کو بگاڑ دیا، یہ کہے گی یہ تو مقدر تھا ان کا۔ میں کیا کروں آخر میرا تو بچہ ہے۔

باپ غصے میں کہے جائے بچے کو کہ گھر سے چلے جاؤ۔ ماں کبھی اپنی زبان سے کہہ نہیں سکتی۔ یہ نیک اولاد سے بھی محبت کرتی ہے اور بری اولاد سے بھی محبت کرتی ہے۔ اللہ رب العزت نے اس کے دل کو ممتا سے بھر دیا۔ یہ وہ نعمت ہے جو بازار سے نہیں مل سکتی۔ ممتا وہ نعمت ہے جس کی قیمت کوئی ادا نہیں کر سکتا۔ اور اس کو ماں کے سوا کوئی دوسرا سمجھ نہیں سکتا۔[۱]

لہٰذا ہمیں اپنی والدہ کی نہایت ہی قدر کرنی چاہیئے اور ان کا ہر طرح سے خیال رکھنا چاہیئے، ان کا حکم جاننا چاہیئے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے اور ہمیں بھی اپنی والدہ کے لئے خوب دعائیں مانگنی چاہئیں اللہ تعالیٰ ہم کو والدہ جیسی عظیم نعمت کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

والد کی تعظیم والدہ کی خدمت

بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کوئی ہدیہ یا تحفہ دینا ہو تو ماں کو زیادہ دینا چاہیئے، بزرگوں نے یہ بھی فرمایا کہ دو چیزیں علیحدہ ہیں، ایک ہے ''تعظیم'' اس میں تو باپ کا حق ماں پر مقدم ہے۔ ''تعظیم'' کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس کی عظمت زیادہ ہو، اس کی طرف پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھے، اس کے سرہانے نہ بیٹھے یا جو تعظیم کے آداب ہیں، اس میں باپ کا حق مقدم ہے، لیکن جہاں تک خدمت کا تعلق ہے، اس میں ماں کا حق مقدم ہے، اور باپ کے مقابلے میں تین چوتھائی زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر ماں کے اندر یہ بات رکھی ہے کہ ماں کے ساتھ اولاد کی بے تکلفی زیادہ ہوتی ہے، بہت سی باتیں بیٹا کھل کر باپ سے نہیں کہہ سکتا،

[۱] تربیتی بیانات: صفحہ ۲۷

لیکن ماں کے سامنے وہ کہہ دیتا ہے تو شریعت نے اس کا بھی لحاظ رکھا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''فتح الباری'' میں بزرگوں کا بیان کیا ہوا یہ اصول لکھا ہے کہ: ''اولاد باپ کی تعظیم زیادہ کرے اور ماں کی خدمت زیادہ کرے[1]''

والدین زیادہ بیمار ہوں تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے

والدین بیمار ہوں تو............

والدین بیمار ہوں اور وہ آپ سے اپنی بیماری کا تذکرہ کریں تو ان کو تسلی دینی چاہیئے۔ ان کے علاج کی فکر کرنی چاہیئے اور ان کے لئے دعا کرنی چاہیئے اور کسی پر بدگمانی سے بچیں۔

۱ تسلی:

آپ اپنے والدین کو یہ تسلی دیجئے کہ انسان کے ساتھ دکھ، سکھ، بیماری، تندرستی وغیرہ کے مختلف حالات پیش آتے رہتے ہیں۔ جس میں اللہ رب العزت کی طرف سے بے شمار مصلحتیں ہوتی ہیں۔ بیماری سے غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ ہوتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق ہوتی رہتی ہے۔

بعض اوقات آدمی اپنے اعمال سے ان درجات تک نہیں پہنچ سکتا جہاں کسی تکلیف پر صبر کرنے کی وجہ سے پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بیماری کی حالت میں صبر کو اپنا شعار بنایا جائے۔ اس لئے آپ فکر نہ کریں پریشان نہ ہوں ان شاء اللہ بہت جلد ٹھیک ہوجائیں گے۔

ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی حالت پیش آنے کی صورت میں ہمیں وہ اعمال بتائے ہیں جن کو اختیار کرنے سے زحمت بھی رحمت بن

---

[1] اصلاحی خطبات: جلد ۴ صفحہ ۴۷

جاتی ہے اور ان سنتوں پر عمل کرنے کا اجر وثواب الگ ملتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيْضِ فَنَفِّسُوْا لَهُ فِيْ أَجَلِهٖ فَإِنَّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَيُطَيِّبُ نَفْسَهُ.﴾[1]

تَرجَمہ: "جب تم مریض کے پاس جاؤ تو اس کو لمبی عمر کی امید دلاؤ، یہ بات اللہ کے کسی فیصلے کو تو رد نہیں کر سکے گی، لیکن اس سے مریض کا دل خوش ہو جاتا ہے۔"

یعنی مریض سے ایسی بات کی جائے جس سے اس کی فکروں اور غم میں کمی آئے، جیسے یہ کہا جائے: ان شاء اللہ آپ کی بیماری جلد ختم ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ ابھی آپ سے بہت نیک کام لیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم پر تادیر رکھے گا۔

بسا اوقات والدین بیماری کی حالت میں اپنی کسی اولاد کی آپ سے شکایت کریں گے، یا اپنی بہو یا اپنے داماد کی شکایت کریں گے، اس وقت بھی آپ کو صبر اور خاموشی کا تعاون حاصل کرنا ہوگا، صرف ایک طرف کی بات سن کر اپنی اہلیہ...... یا اپنے بھائی بہن سے یا بہنوئی سے جھگڑا نہ مول لیجئے گا، بلکہ والدین کو اس وقت معاف کرنے کے فوائد اور فضائل بتلایئے گا۔ کہ ابو چھوٹے بھائی کو معاف کر دیجئے۔ امی بہو کو آپ کی دعا کی ضرورت ہے۔ امی آپ صبر کیجئے صبر کا بدلہ میٹھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

❷ دعا:

آپ اپنے والدین کے لئے دعا بھی کیجئے کیونکہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماروں کی مزاج پرسی اور دعا کا حکم دیا ہے اور والدین تو بدرجۂ اولیٰ دعا کے حق دار ہیں جب والدین کی عیادت اور مزاج پرسی کرے تو یہ الفاظ کہے:

[1] ترمذی، ابواب الطب، باب تطیب نفس المریض: ۲/۲۹

﴿لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾[۱]

تَرجَمَۃ: ’’کوئی گھبرانے کی بات نہیں، ان شاء اللہ یہ بیماری ظاہری اور باطنی آلودگیوں سے پاک کردینے والی ہے۔‘‘

یا تین مرتبہ یہ دعا مانگ کر دم کردیں:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ فِيْكَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ.﴾[۲]

تَرجَمَۃ: ’’میں اللہ کے نام کے ساتھ تجھ پر دم کرتا ہوں، اور اللہ ہی تجھ کو شفا دے گا ہر اس بیماری سے جو تیرے اندر ہو اور جھاڑ پھونک کرنے والی عورتوں کے شر سے اور ہر حسد کرنے والے کے شر سے جب کہ وہ حسد کرنے لگے۔‘‘

یا سات مرتبہ یہ دعا مانگ کر دم کردیں:

﴿اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ﴾[۳]

تَرجَمَۃ: ’’میں خدائے بزرگ و برتر سے دعا کرتا ہوں جو عرش عظیم کا مالک ہے کہ وہ تجھے شفا دے دے۔‘‘

حدیث میں آتا ہے: جس شخص نے بھی کسی ایسے مریض کی عیادت کی جس کی موت نہ آئی ہو اور یہ (مذکورہ بالا) دعا سات مرتبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس مریض کو اس مرض سے ضرور شفا دے دیں گے۔

۳ صلوٰۃ الحاجت اور صدقہ:

مسلمان کی شان تو یہ ہونی چاہیے کہ ہر حال میں وہ اللہ پر بھروسہ کرنے والا اور

---

[۱] بخاری، کتاب المرضٰی، باب ما یقال للمریض: ۸٤٥/۲

[۲] ابن ماجه، ابواب الطب، باب ماعوّذ به: ص٢٦٠

[۳] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمریض: ٨٦/٢

اُس کی طرف رجوع کرنے والا ہو لہذا بیماری کے آتے ہی دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کریں۔

یعنی پہلے اللہ سے مانگیں اے اللہ یہ بیماری آپ ہی کے حکم سے آئی ہے اور آپ ہی اس بیماری کو دور کرنے والے ہیں، آپ ہی شفا عطا فرما دیجئے۔

دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں عورت عذر کی بنا پر فوری نماز نہیں پڑھ سکتی تو دل کا دھیان مکمل طور پر اللہ تعالیٰ سے باندھ لے اور استغفار کرے۔

جب بھی ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جانا ہو تو اس سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ کر جائیں کہ ڈاکٹر یا دوا یہ سب اللہ کے حکم کی محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اس میں شفا ڈال دیں گے ورنہ وہی دوا بعض اوقات کوئی نیا مرض پیدا ہونے یا موجودہ مرض بڑھنے کا سبب بن جاتی ہے۔

کئی مرتبہ دیکھا گیا کہ ایک ہی قسم کے دو مریض ایک ہی ڈاکٹر کے پاس گئے ایک ہی دوا دونوں کو ملی۔ ایک کو اس سے فائدہ ہوا دوسرے کو نہیں ہوا۔ اس لئے بچوں کو بھی اسی ایمان، یقین کی تربیت دیجئے کہ بچے بھی جب بیمار ہوں تو دل میں پہلا خیال یہ آئے کہ اللہ سے دعا مانگ کر بیماری دور کروانی ہے۔ مسلمان کے لئے وہ بیماری بہت مبارک ہے جس میں اس کا اللہ کی ذات سے تعلق بڑھے اور اس کا ایمان قوی ہو۔

اور اسی طرح صدقہ کا اہتمام بھی کرے، کیونکہ صدقہ دنیا میں بیماریوں، مصیبتوں اور بلاؤں کے دور ہونے کا اور آخرت میں بلندی درجات اور رحمتِ خداوندی کا ذریعہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے صدقے کے سایہ میں ہوگا جب تک کہ حساب کا فیصلہ نہ ہو۔ یعنی قیامت کے دن جب آفتاب نہایت قریب ہوگا ہر شخص پر اس کے صدقات کی مقدار سے سایہ ہوگا۔ جتنا زیادہ صدقہ دیا

ہوگا اتنا ہی زیادہ سایہ ہوگا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ صدقہ قبروں کی گرمی دور کرتا ہے اور ہر شخص قیامت میں اپنے صدقہ سے سایہ حاصل کرے گا اور یہ مضمون تو بہت سی روایات میں آیا ہے کہ صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے۔

اس زمانہ میں جب کہ مسلمانوں پر ان کے اعمال کی بدولت ہر طرف سے ہر قسم کی بلائیں مسلط ہو رہی ہیں۔ صدقات کی بہت زیادہ کثرت کرنا چاہیے، بالخصوص جب کہ دیکھتی آنکھوں عمر بھر کا سرمایہ کھڑے کھڑے چھوڑنا پڑ جاتا ہے، ایسی حالت میں بہت اہتمام سے بہت زیادہ مقدار میں صدقات کرتے رہنا چاہیے کہ اس میں وہ مال بھی ضائع ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے، جو صدقہ کیا گیا اور اس کی برکت سے اپنے اوپر سے بلائیں بھی ہٹ جاتی ہیں۔ مگر افسوس کہ ہم لوگ ان احوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی صدقات کا اہتمام نہیں کرتے[1]

یاد رکھیے! کہ ضروری نہیں کہ کالے بکرے یا کالی مرغی کا ہی صدقہ دیا جائے بلکہ مسکین کی ضرورت کے موافق جو بھی اللہ کو راضی کرنے کی خاطر دیا جائے وہ صدقہ ہے۔ اور کوشش کرے کہ چھپ کر صدقہ کرے اس طرح کہ دائیں ہاتھ سے دے تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔

④ بدگمانی سے بچیں:

بلاوجہ کسی پر برا گمان باندھنے سے بہت بچیں۔ یعنی لمبی مدت سے بیماری چل رہی ہے یا ظاہری علاج سے فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے تو کسی پر برا گمان ہرگز نہ باندھیں مثلاً فلاں نے جادو کروا دیا ہے...... یا بیٹی کی ساس نے جو میری بہو کا جوڑا نمونہ کے طور پر منگایا تھا پتہ نہیں اس کے بعد سے جو زینب نے یہ جوڑا پہنا اس کی طبیعت صحیح نہیں چل رہی ہے اور وہ اکھڑی اکھڑی رہتی ہے۔ زینب اور زاہد

---

[1] فضائل صدقات: صفحہ ۲۱

(میرے بہو بیٹے) میں اسی دن سے تو تو میں میں بھی چل رہی ہے بلکہ اگر اس طرح کے خدشات ہوں تو سورۃ الفلق، سورۃ الناس اور دیگر مسنون دعائیں اہتمام سے پڑھیں اور خود پر اور دوسروں پر بھی دم کریں۔

یاد رکھیں! سورۃ الفلق اور سورۃ الناس آیت الکرسی اور منزل، جادو کے اثر کو توڑنے کے لئے مجرب ہے۔

۵ علاج:

مذکورہ تمام باتوں کا اہتمام کرتے ہوئے آپ اپنے والدین کا کسی ماہر معالج سے علاج بھی کروایئے، اور بار بار معالج تبدیل نہ کیجئے معالج کی دی ہوئی ہدایات پر عمل کیجئے کیونکہ حدیث میں آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً﴾[1]

تَرجَمَہ: ”اللہ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری جس کی شفا نازل نہ کی ہو۔“

اس طرح ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ، فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءَ بَرَأَ بِإِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى﴾[2]

تَرجَمَہ: ”ہر بیماری کی دوا ہے جب دوا بیماری پر اثر کرتی ہے تو مریض اللہ کے حکم سے شفایاب ہو جاتا ہے۔“

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمیں ہر بیماری کا علاج کروانا چاہیئے، کوئی بھی بیماری ایسی نہیں ہے جس کا علاج نہ ہوسکتا ہو۔

البتہ ہمارا یقین یہ ہونا چاہیئے کہ دوا میں شفا کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے رکھی

[1] بخاری، کتاب الطب، باب ما انزل اللہ داءً: ۸۴۷/۲
[2] مسلم، کتاب السلام، باب لکل داء دواءٌ: ۲۲۵/۲

ہے، جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تب ہی دوا فائدہ دیتی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا خط اپنی والدہ کے نام

اپنے والدین کو کس طرح خط لکھنا چاہیے اور سفر و حضر کے اندر ان سے دعاؤں کی طلب اور ان کی خدمت کو دوسرے کاموں پر فوقیت کس طرح دینی چاہیے، اس کے لئے ہم مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کے حصہ دوم سے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا ایک خط نقل کرتے ہیں۔

اللہ کرے ہم سب کے لئے یہ خط ہماری تربیت اور رہنمائی کا ذریعہ بن جائے ''آمین''

ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مصر آنا چانک ہوا تھا، اور یہ اندازہ نہ تھا کہ ان کو یہاں اتنے عرصہ قیام کرنا ہوگا، ان کی والدہ اور سارا کنبہ شام میں تھا، جو ان کی بخیریت واپسی کے لئے چشم براہ تھا، ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دینی مصالح کے پیش نظر جب کچھ عرصہ مصر میں قیام کا فیصلہ کیا تو انھوں نے والدہ محترمہ کو اس ارادہ کی اطلاع دی، اوران سے اجازت طلب کی، یہ خط لطیف جذبات، پاک محبت، فرزندانہ سعادت مندی اور مردانہ حوصلہ مندی اور اولوالعزمی کا آئینہ ہے، اور بے ساختہ اور بے تکلف زبان میں لکھا گیا ہے، اس لئے پورا نقل کرنے کے قابل ہے، جو عربی میں ہے اور پھر اس کا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

''مِن اَحْمدَبْنِ تَيْمِيَّةَ اِلَى الْوَالِدَةِ السَّعِيْدَةِ اَقَرَّ اللّٰهُ عَيْنَيْهَا بِنِعَمِهٖ وَاَسْبَغَ عَلَيْهَا جَزِيْلَ كَرَمِهٖ وَجَعَلَهَا مِنْ اَمَائِهٖ وخَدَمِهٖ.

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اِنَّا نَحْمَدُ اِلَيْكُمُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، وَهُوَ لِلْحَمْدِ اَهْلٌ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيْرٌ، وَنَسْأَلُهُ اَنْ يُّصَلِّيَ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيّيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً۔

كِتَابِيْ اِلَيْكُمْ عَنْ نِعَمٍ مِّنَ اللّٰهِ عَظِيْمَةٍ، وَمِنَنٍ كَرِيْمَةٍ وَاٰلَاءٍ جَسِيْمَةٍ نَشْكُرُ اللّٰهَ عَلَيْهَا وَنَسْأَلُهُ الْمَزِيْدَ عَنْ فَضْلِهٖ وَنِعَمِ اللّٰهِ كُلَّمَا جَاءَتْ فِيْ نُمُوٍّ وَازْدِيَادٍ وَاَيَادِيْهِ جَلَّتْ عَنِ التِّعْدَادِ وَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ مَقَامَنَا السَّاعَةَ فِيْ هٰذِهِ الْبِلَادِ اِنَّمَا هُوَ لِاُمُوْرٍ ضَرُوْرِيَّةٍ مَتٰى اَهْمَلْنَاهَا فَسَدَ عَلَيْنَا اَمْرُ الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا۔

وَلَسْنَا وَاللّٰهِ مُخْتَارِيْنَ لِلْبُعْدِ عَنْكُمْ وَلَوْ حَمَلَتْنَا الطُّيُوْرُ لَسِرْنَا اِلَيْكُمْ وَلٰكِنَّ الْغَائِبَ عُذْرُهٗ مَعَهٗ وَاَنْتُمْ لَوِاطَّلَعْتُمْ عَلٰى بَاطِنِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّكُمْ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. مَا تَخْتَارُوْنَ السَّاعَةَ اِلَّا ذٰلِكَ، وَلَمْ نَعْزِمْ عَلَى الْمُقَامِ وَالْاِسْتِيْطَانِ شَهْرًا وَاحِدًا بَلْ كُلَّ يَوْمٍ نَسْتَخِيْرُ اللّٰهَ وَلَكُمْ وَادْعُوْا لَنَا بِالْخِيْرَةِ فَنَسْأَلَ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ اَنْ يُّخَيِّرَلَنَا وَلِلْمُسْلِمِيْنَ مَافِيْهِ الْخِيْرَةُ فِيْ خَيْرٍ وَعَافِيَةٍ۔

وَقَدْ فَتَحَ اللّٰهُ مِنْ اَبْوَابِ الْخَيْرِ، وَالرَّحْمَةِ وَالْهِدَايَةِ وَالْبَرَكَةِ مَالَمْ يَكُنْ يَخْطُرُ بِالْبَالِ وَلَا يَدُوْرُ فِي الْخَيَالِ وَنَحْنُ فِيْ كُلِّ وَقْتٍ مَهْمُوْمُوْنَ بِالسَّفَرِ مُسْتَخِيْرِيْنَ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى فَلَا يَظُنَّ الظَّانُّ اِنَّا نُؤْثِرُ عَلٰى قُرْبِكُمْ شَيْئاً مِنْ اُمُوْرِالدُّنْيَا قَطُّ بَلْ لَا نُؤْثِرُ مِنْ اُمُوْرِالدِّيْنِ مَايَكُوْنُ قُرْبُكُمْ اَرْجَحَ مِنْهُ وَلٰكِنْ ثَمَّ اُمُوْرٌ كِبَارٌ نَخَافُ الضَّرَرَ الْخَاصَّ وَالْعَامَّ مِنْ اِهْمَالِهَا وَالشَّاهِدُ يَرٰى مَالَا يَرَى الْغَائِبُ۔

وَالْمَطْلُوْبُ كَثْرَةُ الدُّعَاءِ بِالْخَيْرَةِ فَإِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَلَا نَعْلَمُ وَيَقْدِرُ وَلَا نَقْدِرُ وَهُوَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ اٰدَمَ اسْتِخَارَتُهُ اللّٰهَ وَرِضَاهُ بِمَا يُقَسِّمُ اللّٰهُ لَهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ تَرْكُ اسْتِخَارَتِهِ اللّٰهَ وَسَخَطُهُ بِمَا يُقَسِّمُ اللّٰهُ لَهُ وَالتَّاجِرُ يَكُوْنُ مُسَافِرًا وَيَخَافُ ضِيَاعَ مَالِهِ فَيَحْتَاجُ اَنْ يُقِيْمَ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ وَمَا نَحْنُ فِيْهِ أَمْرٌ يَجُلُّ عَنِ الْوَسْفِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ كَثِيْرًا كَثِيْرًا وَعَلٰى سَائِرِ مَنْ فِي الْبَيْتِ فِي الْكِبَارِ وَالصِّغَارِ وَالْاَهْلِ وَالْاَصْحَابِ وَاحِدًا وَاحِدًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا.»[1]

ترجمہ: احمد بن تیمیہ کی جانب سے مخدومہ والدہ صاحبہ کی خدمت میں، اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے، اور ان کو اپنے احسانات سے مالا مال فرمائے، اوران کو اپنی مقبول بندیوں میں شامل فرمائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اس خدائے پاک کا شکر گذار ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ لائق حمد وستائش ہے، اور ہر چیز پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ کا درود وسلام اپنے رسول اور بندۂ خاص جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر جو خاتم النبیین، امام المتقین ہیں، اوران کے آل پر۔

[1] تاریخ دعوت وعزیمت: ۹۲/۲

میں یہ عریضہ آپ کی خدمت میں لکھ رہا ہوں، اور حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر بڑی نعمتیں بڑے انعامات اور بڑے عظیم الشان عطیے پاتا ہوں جن پر اس کی بارگاہ میں شکر گذار اور مزید کا طلب گار ہوں، اللہ کی نعمتیں روز افزوں، اور اس کے احسانات لا تعداد ہیں، آپ کی اطلاع کے لئے لکھ رہا ہوں کہ اس وقت ہمارا مصر میں قیام چند ایسے ضروری امور کی بنا پر ہے کہ اگر ہم ان سے غفلت برتیں تو دین ودنیا کی خرابی اور نقصان کا اندیشہ ہے۔

اللہ کی قسم! ہم اپنے اختیار اور خواہش سے یہاں ٹھہرے ہوئے نہیں ہیں اور ہم نے آپ سے دوری خود اختیار نہیں کی ہے (اپنے جذبہ اور شوق کا حال تو یہ ہے کہ) جی چاہتا ہے کہ پر لگ جائیں اور ہم اڑ کر آپ کے پاس پہنچ جائیں، لیکن دورافتادہ کا صحیح صحیح حال اور اس کے معذوری سمجھ میں نہیں آسکتی، وہ اپنے حالات تو خود ہی جانتا ہے اگر آپ کو حقیقت حال معلوم ہوجائے تو آپ بھی (اپنے دینی شوق اور بلند ہمتی کی بنا پر) یہی فیصلہ کریں گی کہ اس وقت میرا مصر ہی میں ٹھہرنا زیادہ مناسب ہے، جہاں تک ہمارے ارادہ کا تعلق ہے ہم نے ایک مہینہ بھی مصر میں قیام کرنے اور سکونت اختیار کرنے کا کبھی عزم نہیں کیا، بلکہ ہم روزانہ اپنے اور آپ کے لئے اللہ سے خیر کی دعا کرتے رہتے ہیں، آپ بھی ہمارے لئے اس کی دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ خیر مقدر کرے، اور اسی چیز کا فیصلہ فرمائے جو ہمارے حق میں بہتر ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے خیر ورحمت اور ہدایت وبرکت کے ایسے ایسے دروازے کھولے ہیں، جو پہلے وہم وگمان میں بھی نہیں تھے، ہم کو ہر وقت سفر کی فکر ہے اور اللہ سے استخارہ کرتے رہتے ہیں، کوئی یہ

خیال نہ کرے کہ ہم آپ کے قرب پر دنیا کی کسی دولت کو ترجیح دیتے ہیں، بلکہ دین کے امور میں سے بھی (نوافل وغیرہ کے درجہ کی چیزوں میں سے) کسی ایسی چیز کو ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں جن کے مقابلہ میں آپ کا قرب اور آپ کی خدمت دینی اعتبار سے افضل اور اعلیٰ ہے، لیکن کچھ ایسے اہم امور و مسائل درپیش ہیں جن کے چھوڑ دینے سے ہم کو عمومی اور خصوصی ضرر کا اندیشہ ہے۔ اور اس کا اندازہ اسی کو ہوسکتا ہے، جو موقع پر موجود ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ اس کی دعا کثرت سے کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے ایسی چیز کا فیصلہ فرمائے جو ہمارے حق میں بہتر ہو (قیام یا سفر) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے، ہم بے خبر ہیں، اسی کو صحیح اندازہ ہے، ہم بے انداز ہیں، وہ سب ڈھکی چھپی چیزوں سے واقف ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کی سعادت مندی یہ ہے کہ وہ اللہ سے خیر طلب کرتا ہو اور اس کا فیصلہ اسی پر چھوڑتا ہو اور پھر جو فیصلہ فرمادیں اس پر راضی ہوجاتا ہو، اور بدبختی اور شقاوت ہے کہ وہ استخارہ اور خیر طلبی چھوڑ دے اور اس کے فیصلہ سے ناراض اور غیر مطمئن ہو۔ والدہ صاحبہ! آپ جانتی ہیں کہ تاجر بھی جب کبھی پردیس میں ہوتا ہے اور اس کی رقمیں اور مال پھیلا ہوا ہوتا ہے تو وہ بھی اتنا انتظار کرتا ہے اور مجبوراً قیام اختیار کرتا ہے کہ وہ اپنی سب رقمیں وصول کرلے اور اپنا مال سمیٹ لے۔ اور ہم تو جس بڑے کام اور جس عظیم مقصد کے لئے ٹھہرے ہوئے ہیں وہ تو چیز ہی کچھ اور ہے، اس سے تجارت کو کیا نسبت؟

بس سب سہارا اور آسرا اللہ ہی کا ہے، آپ پر اور گھر کے سب

چھوٹے بڑوں پر اور سب متعلقین اور گھر والوں پر بہت بہت سلام ہو۔"

والدہ کے حقوق

ماں بچے کی پرورش اور حفاظت کی ذمہ دار ہوا کرتی ہے اس لئے اس کے مندرجہ ذیل حقوق ہیں۔

1. ماں کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، اگرچہ اس کی طرف سے کچھ زیادتی بھی ہو۔
2. اپنے قول و فعل سے ماں کی تعظیم کی جائے۔
3. جائز کاموں میں اس کی اطاعت کی جائے۔
4. اگر ماں کافرہ ہو تب بھی اس کی ضرورت کا خیال رکھا جائے اور مال سے مدد کی جائے۔
5. ماں کے انتقال کے بعد دعائے مغفرت و رحمت کی جائے۔
6. نوافل اور صدقات مالیہ کا ثواب پہنچایا جائے۔
7. ماں کی ملنے والیوں سے رعایت، مالی خدمت اور حسن اخلاق سے پیش آیا جائے۔
8. ماں کے ذمہ جو قرضہ ہو اس کو ادا کیا جائے۔
9. والدین کے انتقال کے بعد ماں کی قبر کی زیارت کی جائے اور ایصالِ ثواب کیا جائے۔[1]
10. جو سفر (خواہ تجارت کا ہو خواہ حج وغیرہ کا بشرطیکہ وہ سفر فرض واجب نہ ہو) ایسا ہو جس میں غالب ہلاکی کا اندیشہ نہیں بغیر اجازت والدین درست ہے، اگر والدین اس سفر سے منع کریں تو ان کے کہنے سے سفر نہ کرنا ضروری نہیں، چنانچہ یہ مسئلہ درمختار، عالمگیری میں موجود ہے اور جو سفر فرض یا واجب ہو اس

---

[1] حقوق الاسلام وحقوق الوالدین

میں تو بطریق اولی یہ حکم ہوگا جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب والدین اپنی ضرورت خدمت کے محتاج نہ ہوں خواہ ان کو حاجت ہی نہ ہو یا ہو تو دوسرا کوئی خدمت کرنے والا موجود ہو، وجہ یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں والدین کو کوئی رنج وتکلیف واقعی اور قابل اعتبار نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اور ان سب **صورتوں** میں والدین کے خلاف کام کرنا درست ہے نہ حرام نہ مکروہ۔

۱۱ اگر والدین کو ضروری حاجت کے لئے (جس کو شریعت نے ضروری کہا ہے مثلاً طعام ولباس وغیرہ ادائے قرض) خرچ کی ضرورت نہ ہو اور اولاد کے پاس اپنی ضروری حاجت سے روپیہ یا دوسری قسم کا مال زائد ہو اور والدین سے طلب کریں تو اولاد کو دینا ضروری نہیں۔

۱۲ والدین بغیر احتیاج خدمت نوافل پڑھنے کو منع کریں یا کسی دوسرے غیر ضروری کام کرنے سے روکیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں، ہاں اگر وہ خدمت ضروری کے محتاج ہوں اور نوافل وغیرہ میں مشغولی ان کو تکلیف دے اور کوئی دوسرا خادم نہ ہو تو اولاد پر ضرور واجب ہے کہ نوافل وغیرہ چھوڑ کر ان کی خدمت کرے۔

۱۳ اگر والدین حقہ نوش ہوں اور حقہ پینا بغیر مرض اور معذوری کے ہو اور اولاد سے حقہ تیار کرنے کی فرمائش کریں (حقہ پینا سخت مکروہ تنزیہی ہے، ہاں اگر کوئی خاص حقہ ہو اور اس سے کسی ضرر اور بدبو منہ میں پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو یا کوئی ایسا مریض ہو کہ سوائے حقہ کے کسی وجہ سے دوسرا علاج ممکن نہ ہو تو شرعاً بلا کراہت اجازت ہے، صاحب مجالس الابرار نے نہایت تحقیق اور تفصیل سے حقہ کی مذمت ثابت کی ہے) تو اولاد پر اس کہنے پر عمل کرنا ضروری نہیں، بلکہ ایک فعل مکروہ کا مرتکب ہونا جو شرعاً مذموم ہے اور ضرورت کی حالت میں جس کی تفصیل بیان ہو چکی اس فرمائش کی تعمیل واجب ہے۔

۱۴ اگر کسی کی بیوی سے کوئی (واقعی) تکلیف اور رنج اس شخص کے والدین کو نہ پہنچتا ہو خواہ مخواہ والدین اس شخص کو حکم کریں کہ تو اپنی عورت کو طلاق دے دے، اس کہنے کی تعمیل اس آدمی پر ضروری نہیں، بلکہ اس صورت میں طلاق دینا عورت پر ایک طرح کا ظلم کرنا ہے، طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی بری چیز ہے فقط مجبوری میں جائز رکھی گئی ہے خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم اور مکروہ تحریمی ہے، نکاح تو وصال کے لئے موضوع ہے یہ فراق بلاوجہ کیسے روا ہوسکتا ہے۔

۱۵ اگر والدین کسی گناہ کا حکم دیں کہ فلاں گناہ کرو مثلاً فرمائیں کہ اہلِ حق کی مدد نہ کرو یا زکوٰۃ نہ دو یا دینی تعلیم نہ کرو یا اور کوئی ایسی ہی بات کا حکم دیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا حرام ہے اور ان کی مخالفت فرض ہے جب کہ وہ کام ضروری ہو جس سے وہ روکتے ہیں۔

ہاں اگر ان کو کوئی (واقعی اور سخت) تکلیف ہو مثلاً وہ بیمار ہوں اور کوئی خادم نہ ہو اور نماز کا وقت ہے اگر ان کی خبر گیری نہ کی جائے تو سخت تکلیف کا اندیشہ ہے، پس ایسی صورت میں اگر نماز قضا کرنے کو کہیں تو قضا کر دے، پھر کسی وقت قضا پڑھ لے اور اگر کسی مستحب کام سے روکیں اور اپنی کسی ضروری حاجت (واقعی اور معتبر) کی وجہ سے روکیں تو ان کے حکم کی تعمیل واجب ہے اور خواہ مخواہ روکیں تو واجب نہیں ہے۔

۱۶ اگر والدین کہیں کہ تم ہماری فلانی اولاد کو (کہ وہ صاحب حاجت نہیں ہے) اس قدر رقم دے دو تو باوجود گنجائش کے بھی یہ رقم واجب نہیں۔[۱]

والد کی محبت کی قدر کیجئے[۲]

بسا اوقات والد یا والدہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بار بار بچوں کو تنبیہ کرتے ہیں یا

---

[۱] حقوق العباد: صفحہ ۱۱۸

[۲] واقعہ نمبر ۲

تکرار کرتے ہیں۔ ایک بات صبح کہہ دی، دوبارہ ملنے جائیں گے دوبارہ وہی بات، شام کو ملنے جائیں گے پھر وہی بات، آپ سن کر ہرگز غصہ میں نہ آیئے، اور نہ یہ کہیے کہ کتنی مرتبہ آپ یہ بات کہیں گے؟

بار بار ایک ہی بات کرتے رہیں گے، میں کوئی چھوٹا بچہ تو نہیں ہوں، سنبھال کر رکھوں گا، وغیرہ کہنے کے بجائے یہ سوچیں کہ یہ پدری شفقت اور ماں کی محبت ہے جو ایک بات کو دہرا رہے ہیں۔ ہرگز ہرگز ان کے جذباتِ محبت کی ناقدری نہ کیجئے۔

آپ کو بار بار مجبور کریں گے کہ جہاں جاؤ ہمیں اطلاع ضرور دیا کرو، اب ذرا آپ نے اطلاع دینے میں دیر کی وہ پریشان ہوگئے، ہائے میرا بچہ کہاں چلا گیا؟ اتنی دیر کیوں ہوگئی؟

اور آپ کے آتے ہی اماں بھی ناراض والد صاحب بھی ناراض، بھائی بتاتے نہیں ہو، تم کو ہزار مرتبہ کہہ چکے ہیں موبائل فون پر اطلاع دو، فلاں جگہ خبر کردو، اب آپ خاموشی سے سن لیجئے، اور سوچئے یہ سب محبت کی وجہ سے ڈانٹ رہے ہیں، محبت ہی کی وجہ سے انہوں نے انتظار کی تکلیف اُٹھائی۔ انہی کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے حادثہ سے بچایا ہوگا، بڑی مصیبت سے بچایا ہوگا۔

اسی محبت کو سمجھنے کے لئے ایک والد کے چند اشعار آپ کی خدمت میں پیش ہیں، ان اشعار کے ذریعہ آپ والد کی محبت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے اس شخص کا بیٹا گم ہوگیا تھا۔ اُس کے فراق میں جو انہوں نے درد بھرے اشعار کہے ہیں وہ پڑھئے اور عزم کرلیجیے کہ والدین کی ڈانٹ اور تنبیہ اور تکرار، کو محبت پر محمول کریں گے۔

سعدی بن ثعلبہ اپنے بچے زید بن حارثہ کو ساتھ لئے ہوئے اپنے رشتہ داری قبیلے بنو معن سے ملاقات کے ارادے سے روانہ ہوئی۔

لیکن ابھی وہ اپنی برادری کے ایک گھر میں اتری ہی تھی کہ بنوقین کے چوروں

نے اچانک حملہ کر کے ان کے مال واسباب پر قبضہ کرلیا، ان کے اونٹ ہانک کر لے گئے اور بال بچوں کو گرفتار کرلیا۔ جن بچوں کو وہ پکڑ کر لے گئے تھے ان میں سے اس کا بچہ زید بن حارثہ بھی تھا۔

زید ایک کم سن بچہ تھا۔ اس وقت اس کی عمر آٹھ سال تھی۔ ڈاکو اسے فروخت کرنے کی غرض سے ''عکاظ'' کے بازار میں لے گئے، جہاں سے قریش کے ایک دولت مند سردار حکیم بن حزام بن خویلد نے اسے چار سو درہم میں خرید لیا۔

حکیم بن حزام نے اس کے علاوہ بھی بہت سے غلام خریدے اور ان کو لے کر مکہ مکرمہ واپس آگیا۔ جب اس کی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کو اس کی واپسی کی اطلاع ملی اور وہ اس سے ملنے اور اس کو خوش آمدید کہنے گئیں تو اس نے کہا:

''يَا عَمَّةُ، لَقَدِ ابْتَعْتُ مِنْ سُوْقِ عُكَاظٍ طَائِفَةً مِنَ الْغِلْمَانِ فَاخْتَارِيْ اَيًّا مِّنْهُمْ تَشَائِيْنَهُ، فَهُوَ هَدِيَّةٌ لَكِ.''

تَرْجَمَہ: ''اے میری پھوپھی! یہ چند غلام میں ''عکاظ'' کے بازار سے خرید کر لایا ہوں۔ آپ ان میں سے جس کو چاہیں پسند کرلیں، میں اسے آپ کی خدمت میں ہدیہ کرتا ہوں۔''

سیدہ خدیجہ نے ایک ایک کر کے سب غلاموں کے چہروں کو غور سے دیکھا۔ ان کی نگاہیں زید کے چہرے پر جا کر ٹک گئیں۔ وہ اسے دیر تک دیکھتی رہیں اور اس میں نظر آنے والی ذہانت کی علامات کی وجہ سے اس کو پسند کیا اور لے کر گھر واپس آگئیں۔

کچھ دنوں بعد سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگیا۔ اس موقع پر وہ ان کی خدمت میں کوئی بیش قیمت تحفہ پیش کرنا چاہتی تھیں۔ اور اس کے لئے انہیں اپنے عزیز غلام زید بن حارثہ سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں ملی، چنانچہ زید کو آپ کی خدمت میں پیش کردیا۔

ادھر یہ خوش نصیب بچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں ان کی بہترین صحبت اور بہترین سیرت سے متاثر ہوتے ہوئے خوشی اور آزادی کے دن گزار رہا تھا۔

اد۔ادھر اس کی پریشان حال اور مامتا کی ماری ہوئی ماں اس کی گمشدگی کے صدمے سے نڈھال ہو رہی تھی۔ نہ اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو رک رہے تھے نہ اس کے غم میں کوئی کمی واقع ہو رہی تھی اور نہ ہی اسے کسی لمحے سکون وقرار نصیب ہو رہا تھا۔

اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ آیا اس کا بیٹا زندہ ہے کہ اس سے ملنے کی امید رکھے یا وہ مرچکا ہے کہ اس سے مایوس ہوکر صبر کرلے۔ اور یہ بات اس کے غم کی شدت میں مزید اضافے کا سبب تھی۔ زید کا باپ ملک کے گوشے گوشے میں اسے ڈھونڈتا اور ہر گذرنے والے قافلے سے اس کا پتہ پوچھتا پھر رہا تھا۔ اور بے چینی اور بے قراری میں یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔[1]

۱ بَكَيْتُ عَلىٰ زَيْدٍ وَلَمْ اَدْرِمَا فَعَلَ
أَحَيٌّ فَيُرْجٰى أَمْ أَتٰى دُوْنَهُ الْأَجَلُ

۲ فَوَاللّٰهِ لَا أَدرِى وَإِنِّىْ لَسَائِلٌ
أَغَالَكَ بَعْدِىْ السَّهْلُ أَمْ غَالَكَ الْجَبَلُ

۳ فَيَالَيْتَ شِعْرِىْ! هَلْ لَكَ الدَّهْرَ أَوْبَةٌ
فَحَسْبِى مِنَ الدُّنْيَا رُجُوْعُكَ لِىْ بَجَلْ

۴ تُذَكِّرُنِيْهِ الشَّمْسُ عِنْدَ طُلُوعِهَا
وَتَعْرِضُ ذِكْرَاهُ اِذَا غَرْبُهَا اَفَلْ

---

[1] صور من حياة الصحابة: ص٢١٤

۵ وَاِنْ هَبَّتِ الرِّيَاحُ هَيَّجْنَ ذِكْرَهُ
فَيَاطُولُ مَا حُزْنِیْ عَلَيْهِ وَمَا وَجَلْ

۶ سَاُعْمِلُ نَصَّ العِيْسِ فِي الْاَرْضِ جَاهِدًا
وَلَا اَسَامُ التَّطْوَافَ اَو تَسْاَمُ الْاِبِلْ

۷ حَيَاتِیْ اَو تَأْتِیْ عَلَیَّ مَنِيَّتِی
فَكُلُّ أمْرِيء فَإِنْ وَاِنْ غَرَّهُ الاَمَلْ

:ترجمہ:

۱ ''میں زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی یاد میں روتا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے تاکہ اس کی اُمید کی جائے یا موت نے اس کو نمٹا دیا۔''

۲ ''اللہ کی قسم مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تجھے اے زید نرم زمین نے ہلاک کیا یا کسی پہاڑ نے ہلاک کیا۔''

۳ ''کاش مجھے یہ معلوم ہوجاتا کہ تو عمر بھر میں کبھی بھی واپس آئے گا یا نہیں۔ ساری دنیا میں میری انتہائی غرض تیری واپسی ہے۔''

۴ ''جب آفتاب طلوع ہوتا ہے جب بھی مجھے زید ہی یاد آتا ہے اور جب بارش ہونے کو ہوتی ہے جب بھی اسی کی یاد مجھے ستاتی ہے۔''

۵ ''اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو بھڑکاتی ہیں۔ ہائے میرا غم اور میرا فکر کس قدر طویل ہوگیا۔''

۶ ''میں اس کی تلاش اور کوشش میں ساری دنیا میں اونٹ کی تیز رفتاری کو کام میں لاؤں گا اور دنیا کا چکر لگانے سے نہیں اکتاؤں گا۔ اونٹ چلنے سے اُکتا جائیں تو اُکتا جائیں لیکن میں کبھی بھی نہیں اُکتاؤں گا۔''

۷ ''اپنی ساری زندگی اسی میں گذار دوں گا۔ ہاں میری موت ہی آگئی تو آخر کہ موت ہر چیز کو فنا کر دینے والی ہے۔ آدمی خواہ کتنی ہی اُمیدیں لگاویں۔[1]''

والد کی شفقتیں اور بیٹی کے فرائض

۱ بیٹی یاد رکھو! والد کا وجود تمہارے وجود کا سبب بنا ہے، وہ صبح کو آپ کی خاطر گھر سے نکلتے ہیں اور شام کو آپ کے لئے کما کر تھک ہار کر واپس لوٹتے ہیں، انہیں صرف یہ غم ہے کہ میری بیٹی صحت و عافیت سے رہے، خوشی و مسرت میں رہے، نعمتوں و خوشیوں میں پرورش پائے، ان کے مال جمع کرنے کا مقصد صرف آپ پر خرچ کرنا ہے تا کہ آپ کی ضروریات، آپ کی خواہشات کو پورا کریں اور آپ کو ہر طرح خوش رکھیں۔

لہٰذا اے بیٹی!

تمہارے ذمے واجب ہے کہ جیسے ہی وہ لوٹیں، فوراً استقبال کے لئے آگے بڑھو اور ان کو سلام کرو، ان کے ہاتھ چومو، اچھی اچھی باتیں کر کے ان کی تکلیف و پریشانی کو دور کرو تا کہ ان کا دل سکون پائے اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ تھکے ماندے باپ کے لئے اچھی بچی ہوا کے ٹھنڈے جھونکے کی مانند ہے، پل بھر میں مزاج کا موسم بدل جاتا ہے اور باپ کا دل بیٹی کے عمدہ سلوک سے گلاب کی طرح کھل اٹھتا ہے۔

۲ والد نے ہی آپ کو اسکول و مدرسہ میں بٹھایا ہے تا کہ علم وتہذیب حاصل کرو۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم ہمیشہ کامیاب ہو، اسی لئے وہ تمہاری کتابیں، کاپیاں وغیرہ تمام اشیاء مہیا کرتے ہیں لہٰذا تم بھی ان سے خالص محبت رکھو اور ان کی پوری فرماں

---

[1] فضائل اعمال: صفحہ ۱۸۹

داری کرو۔

③ جب آپ بیمار ہو جاتی ہیں تو فوراً طبیب کو بلاتے ہیں اور پھر میٹھی میٹھی باتیں کر کے آپ کو دوا پلاتے ہیں، اس طرح کڑوی دوا کو بھی آپ کے لئے شیریں کر دیتے ہیں۔ آپ کیلئے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں کہ جلد آپ کو شفا نصیب ہو۔

لہٰذا تم پر بھی واجب ہے کہ ان کا احترام کرو، ان کا شکریہ ادا کرو، ان کی طویل زندگی کی دعا کرو۔ ان کے لئے دونوں جہانوں میں کامیابی کی دعا کرو، اس طرح ان شاء اللہ تم نیک بخت اور کامیاب بیٹی بن جاؤ گی۔

④ آپ کے والد ہی آپ کی زندگی کی حفاظت کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں۔ آپ کی غیرت اور نیک نامی کے لئے کیا کچھ جتن کرتے ہیں، لہٰذا تم پر بہت ضروری ہے کہ تم بھی ان کی عزت و وقار کا پورا لحاظ رکھو اور پاکیزہ لڑکیوں کا چلن اپناؤ اور بری خواہشات اور برے کاموں کی وجہ سے انہیں دل آزردہ نہ کرو۔

⑤ جب اپنے والد سے کچھ سوال کرو تو پورے ادب و احترام کے ساتھ کرو، بات کو زور مت دو، نہ زیادہ اصرار کرو، کہیں ان کا دل میلا نہ ہو جائے، اور ہمیشہ یاد رکھو کہ لوگوں میں سب سے زیادہ وہی تمہاری خواہشوں و ضروریات کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔

⑥ جب والد کے پاس بیٹھو تو پوری طرح عاجزی و انکساری کے ساتھ بیٹھو۔ ٹانگ پر ٹانگ مت رکھو، نہ زیادہ ہنسو، نہ اپنی آواز ان کی آواز سے اونچی کرو، نہ ان کے حکم کی خلاف ورزی کرو، ان کی نصیحتوں پر ہمیشہ کاربند رہو تا کہ وہ تم سے بہت خوش ہوں اور لوگوں کے نزدیک بھی تمہارا اچھا نام ہو اور اللہ کی رضا بھی حاصل ہو جائے۔[1]

والدین کے آداب

مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ان آداب کے ساتھ اپنے والدین کے

---

[1] تربیت البنات: صفحہ ۸۱

ساتھ نیکی کا برتاؤ کریں۔

۱ ان کو نام سے مت پکاریں بلکہ ان کو ان کی اُس کنیت سے پکاریں جس کو وہ پسند کرتے ہوں۔

۲ ان سے پہلے نہ بیٹھیں۔

۳ ان سے آگے نہ چلیں۔

۴ چہرے کی بشاشت اور خندہ پیشانی سے بات کریں۔

۵ اچھے طریقے سے نصیحت کریں اور اگر قبول نہ کریں تو چھوڑ دیں۔

۶ ناراض ہوئے بغیر ان کی بات کو قبول کریں۔

۷ ان سے نرمی سے بات کریں۔

۸ اگر بھوک لگے تو کھانا کھلائیں۔

۹ اگر کپڑے نہ ہوتو کپڑے پہنائیں۔

۱۰ ان کی خدمت کریں اگر ان کو ضرورت ہو۔

۱۱ ان کے حکم کی فرمانبرداری کریں اگر معصیت میں نہ ہو۔

۱۲ کھانے پینے میں اُن سے سبقت نہ لے جائیں۔

۱۳ ان کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کریں۔

۱۴ ان کی خطاؤں سے درگذر کریں اور ان کو نرمی سے نصیحت کریں۔

۱۵ ان کی عزت اور ان کا احترام کریں۔

۱۶ ان کے سامنے تکبر سے پیش نہ آئیں اور نہ اونچی آواز میں بات کریں۔

۱۷ ایسے افعال کریں جو ان کی خوشی کا سبب ہوں۔

۱۸ ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کر کے ان سے دعائیں لیں۔

والدین کے سامنے بات کرنے کا ادب[1]

بڑوں کے سامنے ادب سے پیش آنے میں یہ بھی ہے کہ اپنی آواز کو ان کے سامنے پست رکھا جائے ان کے سامنے اونچی آواز سے بات نہ کی جائے، ان کے مرتبے کا خیال رکھا جائے۔

یہ بڑی ہی بے ادبی کی بات ہے کہ ہم ان کے سامنے بات کرتے ہوئے بلند آواز سے بات کریں بلکہ ہر حال میں بڑوں کے سامنے ہم ادب کو ملحوظ رکھیں، اگر کوئی رائے دینی ہو تو بڑے احترام کے ساتھ دی جائے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ کے پہلو میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے آئے ان کو دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بیٹھنے کی جگہ بنادی۔ چنانچہ نبی علیہ السلام اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان بیٹھ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (خوش ہو کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اِنَّمَا يَعْرِفُ الْفَضْلَ لِاَهْلِ الْفَضْلِ اَهْلُ الْفَضْلِ"

تَرجَمہ: "فضیلت والوں کی فضیلت کو فضیلت والے ہی جانتے ہیں۔"

پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آواز کو بہت ہی زیادہ پست کرلیا، اس پر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک سخت بیماری پیش آگئی ہے

---

[1] واقعہ نمبر۳

(جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آواز اونچی نہیں کر پا رہے ہیں) میرے دل کو اس بیماری سے سخت پریشانی ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے، اور جب کام پورا ہوگیا تو وہ واپس چلے گئے۔

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ!

"حَدَثَتْ بِكَ عِلَّةُ السَّاعَةَ؟"

تَرجَمَہ: "کیا آپ کو ابھی کوئی بیماری پیش آگئی تھی؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنی آواز بہت پست کر لی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَنَّ جِبْرِيلَ اَمَرَنِی اِذَا حَضَرَ الْعَبَّاسُ اَنْ اَخفِضَ صَوتِی کَمَا اُمِرْتُمْ اَنْ تَخْفَضُوْا أَصْوَاتِکُمْ عِنْدِیْ."

تَرجَمَہ: "حضرت جبریل نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ آیا کریں، تو میں اپنی آواز پست کر لیا کروں جیسے حضرت جبریل نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم میرے سامنے اپنی آواز پست کر لیا کرو[۱]"

فوائد

❶ حدیث بالا سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دوران مجلس اگر کوئی معزز یا کوئی بڑا مرتبہ والا شخص اگر آجائے تو ان کے لئے جگہ بنا دینا چاہیے۔

❷ اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بڑوں کے سامنے اپنی آواز کو پست کرنا چاہیے۔

[۱] کنز العمال ۲۲۱/۱۳، کتاب الفضائل رقم: ۳۷۳۱۸

۴ اگر درمیان گفتگو کوئی بات ہم کو یاد آجائے تو جب بڑے اپنی بات پوری کر لیں تب ہم کو پوچھنا چاہیے، اسی طرح والدین بات کر رہے ہوں تو بیچ میں نہیں بولنا چاہیے۔ اور وہ آپ سے مخاطب ہوں۔ تو ان کی پوری بات سن لیجیے۔ ہرگز ہرگز یہ نہ کہئے ہاں ہاں میں سمجھ گیا، بلکہ ان کو پوری بات کرنے دیجیے، چاہے آپ سمجھ گئے ہوں پھر بھی خاموش رہ کر سن لینا چاہیے، شاید آگے کی بات کوئی ایسی ہو کہ جو آپ نے سمجھا ہو وہ والد کا مقصود نہ ہو، تو پوری بات سننے سے فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کی محنت بھی ضائع نہیں ہوگی، اور والد کی بات پر بھی پورا عمل ہو جائے گا۔

اسی طرح والد جب بات کر رہے ہوں والدہ کوئی بات سمجھا رہی ہوں، اور آپ کو کوئی بات پوچھنی ہے تو اس موقعہ پر بھی بات کے مکمل ہونے کا انتظار کیجیے، ہوسکتا ہے آپ کے سوال کا جواب اگلی بات میں خود ہی مل جائے، بیچ میں بولنے کا نقصان یہ ہوسکتا ہے کہ والدین کے ذہن میں جو بات تھی وہ ادھوری رہ جائے گی، جس سے نہ وہ اپنا مقصود سمجھا سکیں گے، نہ آپ سمجھ سکیں گے۔

اکابر نے اپنے بڑوں سے گفتگو کرنے میں بھی ادب کا بہت خیال رکھا ہے، کہ بڑوں کی شان میں کسی طرح بھی گستاخی نہ ہو جائے۔ ہمیں بھی چاہیے اپنے بڑوں سے گفتگو کرنے میں ادب کا خیال رکھیں خصوصاً والدین سے، کہ ادب اور تأدب دین کی بنیاد ہے۔

حضرت حکیم الاسلام رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی خطبات میں فرما رہے ہیں:

ادب اور تأدب دین کی بنیاد ہے۔ جس کو عارف رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا

؎ از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

حق تعالیٰ شانہ کے ہاں اس کا کوئی مقام نہیں جو گستاخ اور بے ادب ہے۔

بہت سے ایسے فضلاء ہماری نگاہوں میں ہیں۔ جنہوں نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی اچھے اور ذی استعداد تھے مگر اساتذہ سے بے ادبی کا معاملہ تھا، وہاں سے فارغ ہونے کے بعد علم کی خدمت سے محروم رہے، کوئی دکانداری کر رہا ہے، کوئی گاڑی چلا رہا ہے۔

یہ نصیب نہیں ہوا کہ محدث یا مفسر بن کر بیٹھیں اور ویسے بھی ہماری نگاہوں میں ہیں کہ استعداد اور علمی قوت بہت محدود تھی۔ لیکن تأدب اور خدمت اتنی تھی کہ رات دن اساتذہ کی خدمت میں ادب کے ساتھ لگے رہتے۔ اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ اتنی خدمت کر رہے ہیں کہ بڑے بڑے ذی استعداد اور فضلاء اتنی نہیں کر رہے، تو مقبولیت ان کے اندر ادب کی وجہ سے پیدا ہوگئی۔

حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک رسالہ خود لکھا اور حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ کو جو ان کے مرید ہیں دیا کہ اس کی نقل کر کے لاؤ، اس کے اندر ایک جگہ املاء کی غلطی تھی، عین کے بجائے ہمزہ لکھا ہوا تھا۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے از خود صحیح نہیں لکھا بلکہ وہ جگہ چھوڑ دی اور حضرت سے آکر کہا کہ یہ لفظ سمجھ میں نہیں آتا، یہ کیا ہے؟ تو اشتباہ کا راستہ اختیار کیا، تلقین کا راستہ اختیار نہیں کیا کہ شیخ کو جا کر یوں کہیں کہ آپ نے کیا لکھا یہ جرأت نہ تھی کہ یوں کہیں کہ یہ غلطی ہوگئی۔ گویا صورتاً بھی بے ادبی نہ کر سکے۔ حقیقتاً بے ادبی کیا کرتے؟

تفسیر فتح العزیز میں ہے:

"مَنْ تَهَاوَنَ فِي الْآدَابِ حُرِمَ مِنَ السُّنَّةِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالسُّنَّةِ حُرِمَ مِنَ الْوَاجِبَاتِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالْوَاجِبَاتِ حُرِمَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ حُرِمَ مِنَ الْمَعْرِفَتِ."

تَرجَمَہ: "جس نے آداب پر عمل کرنے میں سستی دکھلائی، وہ سنت

سے محروم ہوگیا جس نے سنت پر عمل سے سستی کی وہ واجبات سے محروم ہو جائے گا اور جس نے واجبات پر عمل سے سستی دکھلائی وہ فرائض پر عمل سے محروم ہو جائے گا اور جس نے فرائض کی ادائیگی میں سستی کی وہ اللہ کی پہچان سے محروم ہوگیا۔"

فرائض پر عمل کرے گا تو معرفت بڑھے گی۔ اس واسطے سنتوں کو مکمل فرائض کہا گیا تو جس نے آج سنتیں چھوڑ دی، صرف فرائض کو پڑھ لیا۔ کل وہ بھی نہ پڑھے گا۔ رفتہ رفتہ محروم ہو جائے گا۔[1]

ایک ذہین خادم نے اپنے حاکم مصر کو کسی معاملے کی خبر جو دی، تو بہت ادب سے دی، وہ واقعہ آپ بھی پڑھ لیجیے۔

اندازِ بیان[2]

ایک حاکمِ مصر کبوتر بازی کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے ایک خادم سے ان کا مقابلہ ہوگیا، کبوتروں کی دوڑ میں خادم کا کبوتر بازی لے گیا اس نے اپنے امیر کو یہ لکھنا برا جانا کہ آپ ہار گئے، اور سمجھ میں نہ آیا کہ کس طرح خبر دی جائے جس سے واقعہ معلوم ہو جائے۔ وہاں ایک کاتب تھا، اس نے کہا اگر آپ چاہیں تو یہ شعر لکھ کر بھیج دیجیے ؎

يَاأَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِيْ جَدُّهٗ لِكُلِّ جَدٍّ قَاهِرٌ غَالِبٌ

تَرجَمَہ: "اے بادشاہ! جس کی خوش قسمتی ہر دوسرے شخص کی قسمت کو دبانے والی اور غالب رہتی ہے۔"

طَائِرُكَ السَّابِقُ لٰكِنَّهٗ اَتٰى وَفِيْ خِدْمَتِهٖ حَاجِبٌ

---

[1] خطبات حکیم الاسلام: جلد ۳ صفحہ ۱۷۴
[2] واقعہ نمبر ۴

ترجمہ: ”آپ ہی کا پرندہ جیتا ہوا رہا لیکن وہ اس طرح آیا کہ اس کی خدمت میں (آگے چلنے والا) ایک حاجب بھی تھا۔“

اس نے اس جواب کو پسند کیا اور انعام دیا اور یہی لکھ بھیجا۔[1]

والدین کی بات ماننے میں ہی ہماری کامیابی ہے

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ والدین نے ہمیں حکم دیا کہ یہ کام ابھی کرو، اس طرح کرو، اور یہ کام مت کرو، اس طرح نہ کرو، تو اس کے جواب میں نفس یا شیطان ہم سے یوں کہلوا دیتے ہیں امّی یوں نہیں، امّی اس طرح نہیں۔

اور بعض بچوں کے منہ سے تو یہ بات بھی نکل جاتی ہے کہ امّی آپ کو پتہ نہیں، ابو میں ابھی نہیں کرسکتا، ابو آپ تو بار بار یہی بات کہتے رہیں گے؟

اور بعض بچے امّی کو جا کر ابو کی شکایت کرتے ہیں کہ امّی دیکھیں ابو فجر کے بعد سونے نہیں دیتے، امّی دیکھیں ابو بار بار سبق یاد کرنے کا کہتے ہیں۔ اور کبھی امّی کی شکایت ابو سے کرتے ہیں۔

ایسے بچوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہمیں بہت تھوڑے سے وقت کے لئے بھیجا ہے۔ اور اس میں ہم امتحان کی زندگی گذار رہے ہیں۔ جس طرح طالب علم امتحان کے ہال میں تین گھنٹے گذارتا ہے، اسی طرح ہم ساٹھ سال کی زندگی امتحان میں گذار رہے ہیں۔

ہر وقت، ہر حال، ہر موقع، ہمارا امتحان لے رہا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہیں یا نفس اور جی چاہی کی زندگی پر عمل کرتے ہیں۔

ہم فجر کے وقت سو رہے ہیں سخت سردی کی رات ہے اور موذّن نے اذان دے کر ہمیں مسجد میں بلا لیا۔

---

[1] پرچھائیاں: صفحہ ۱۴۱

"اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ"

تَرجَمَہ: "نماز بہتر ہے نیند سے۔"

اب ہمارا امتحان ہے کہ ہم فجر کی نماز کے لئے بستر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو ہم امتحان میں پاس ورنہ ناکام۔

رات سے امتحان شروع ہوا کہ عشا کی نماز پڑھ کر سوئے؟ وضو کر کے سوئے؟ سورہ ملک پڑھ کر سوئے یا نہیں؟

گھر سے باہر نکلے امتحان شروع ہو گیا گھر سے نکلنے کی دعا پڑھی یا نہیں؟

گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

"بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ"[1]

تَرجَمَہ: "میں اللہ کے نام سے (نکلتا ہوں) میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، طاقت وقوت اللہ ہی کی وجہ سے ہے اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ بے راہ ہو جاؤں ...... یا بے راہ کر دیا جاؤں ...... یا میرے قدم ڈگمگائیں یا ڈگمگا دیا جاؤں ...... یا میں خود ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے ...... یا میں نادان بنوں یا مجھ سے نادانی کی جائے۔"

راستہ میں نگاہ نیچی کر کے چلے یا نہیں؟

جی چاہا کہ فلاں ...... کو دیکھ لوں۔ اب امتحان ہے جی چاہی پر عمل کیا یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے نیچے نگاہ کر لی؟

اسی طرح ہماری گھریلو زندگی میں بھی امتحان ہوتا رہتا ہے، آپ تھک کر گھر میں آئے۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب: باب مایقول الرجل اذا خرج مِنْ بَيْتِهٖ ۲/۳۳۹

والدہ نے کہا: بیٹا سنو! باہر سے دہی لے آنا۔

بیٹا! جی امّی ابھی ابھی لے کر آتا ہوں، کوئی اور چیز چاہیں تو وہ بھی منگوالیں لے آؤں گا۔

آپ گہری نیند میں سو رہے ہیں ابو نے کہا:

بیٹا! اٹھو فجر کی نماز کا وقت ہوگیا، ابو کی بات سنتے ہی آپ نے کہا جی ابو...... اور دعا پڑھی:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ"

تَرْجَمَہ: "شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں زندہ کیا بعد مار دینے کے، اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔[1]"

والدہ: بیٹی سنو۔

بیٹی: جی امّی کیا کام ہے؟

بیٹی: میرے سر میں بہت درد ہے۔ سر تو دبا دو، جی امّی! ابھی دبا دیتی ہوں، آپ نے مجھے پہلے سے کیوں نہیں بتایا، اب تک آپ سر کا درد کیوں برداشت کرتی رہیں؟

والدہ: بیٹی مجھے یہ فکر تھی تمہارے سالانہ امتحانات ہو رہے ہیں تمہیں یاد بھی کرنا ہوگا؟

بیٹی: نہیں امّی! میرا اصل کام آپ کی دعا لینا ہے، آپ کی دعا سے اللہ مجھے دنیا و آخرت دونوں کے امتحانوں میں پاس کردے گا۔ آپ کی دعا سے میرے نصیب اچھے ہوں گے، آپ کی دعا سے میرے وقت میں برکت ہوگی، تھوڑا سا میں یاد کرونگی، وہی امتحان میں آجائے گا، آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں گے

---

[1] بخاری، کتاب الدعوات باب مایقول اذا اصبح ۹۳۶/۲

آپ میرے سالانہ امتحان کی بالکل فکر نہ فرمائیں۔

آپ کسی شادی کے ولیمہ میں جانے کے لئے بالکل تیار ہیں، کئی دنوں سے اس ولیمے میں جانے کے لئے آپ نے تیاری کی ہوئی ہے، اچانک آپ کا امتحان شروع ہوتا ہے اور ایسا امتحان جس میں کامیاب ہونے پر (۱۰۰) سو کے (۱۰۰) سو پورے نمبر بھی اور تھوڑے سے صبر کے بعد بہت بڑا انعام بھی۔

یعنی آپ کا ایک پاؤں گھر سے باہر اور ایک گھر کے اندر ہے اور امی نے کہہ دیا بیٹا۔ میری رائے ہے کہ آپ نہ جاؤ۔ آپ کا جواب۔ جی امی آپ فکر نہ کریں، میں نہیں جاتا، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں آپ کے پاس رہوں گا۔

دادی اماں اور چچی اور بھائی جان اور آپی چلی جائیں کوئی بات نہیں میں آپ کے پاس رہوں گا جتنا شادی میں جانے میں ان کو مزہ آئے گا اس سے زیادہ مجھے آپ کی دعا لینے میں مزہ آئے گا، اس لئے آپ کی دعا سے اللہ جل جلالہ راضی ہو جائیں گے اور جس سے مَالِکُ الملک رَبُّ العَالَمِیْن راضی ہو جائیں اس کی تو دنیا بھی بن گئی اور آخرت بھی بن گئی۔ اور اس کے لئے تو پھر ہمیشہ مزے ہی مزے ہوں گے۔

اور بسا اوقات تو معمولی امتحان ہوتا ہے جس میں نہ ہمیں اپنی کسی قسم کی خوشی قربان کرنی پڑتی ہے، نہ کوئی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، صرف اطاعت اور محض اطاعت کرکے ہم بہت بڑا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

مثلاً! امی نے کہا دیکھنا بیٹا شاید فون کی گھنٹی بجی ہے۔ اب آپ کو یقین ہے کہ نہیں بجی۔ پھر بھی امی کی بات پر عمل کرتے ہوئے آپ فون تک جایئے اگر بج رہی ہو تو ریسیور اٹھا کر سلام کر کے بات کر لیجئے، اور جانے کے بعد معلوم ہو کہ نہیں بجی تو کہہ دیں کہ امی کسی کا فون نہیں تھا۔

ابو نے کہا بیٹا! فلاں میز پر کتاب رکھی ہے اسے لے آنا، اب آپ تھوڑی دیر

پہلے بلکہ ابھی ہی وہاں سے ہو کر آئے تھے اور میز پر کوئی کتاب نہیں تھی اس کے باوجود آپ یہ نہ کہیے کہ ابو وہاں پر تو کوئی کتاب نہیں رکھی ہوئی، بلکہ آپ میز تک جائیں اور دیکھیں شاید کسی نے آپ کے بعد کتاب رکھی ہو، دیکھ کر آئیں تاکہ آپ کو ابو کی بات پر عمل کرنے کا ثواب مل جائے۔

لہٰذا یہ یقین رکھیں کہ بڑوں کی بات ماننے میں ہی کامیابی ہے، جی چاہے یا نہ چاہے ...... سمجھ آئے یا نہ آئے ...... مشکل ہو یا آسان ...... ہر حال میں بڑوں کی بات ماننی ہے اور فوراً ماننی ہے، سب کاموں کو چھوڑ کر امی ابو کی پکار پر لبیک کہنا ہے۔ آپ کہانی پڑھ رہے ہیں، امی نے آواز دی، فوراً کہانی بند کر کے لبیک کہیے، جی امی میں حاضر ہوں، جی امیں میں حاضر ہوں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"إِنَّا بَايَعنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمعِ وَالطَّاعَةِ فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ، وَالنَّفَقَةِ فِي العُسْرِ وَاليُسْرِ"[1]

تَرجَمَہ: "ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت ہوئے کہ دل چاہے یا نہ چاہے ہم ہر حال میں بات سنا کریں گے، اور مانا کریں گے، تنگی اور وسعت دونوں حالتوں میں اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہر حال میں اطاعت کرتے تھے، اور ہم میں سے ہر ایک کو یہ دعا مانگنی چاہیے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا سَامِعِينَ مُطِيْعِينَ وَاَوْلِيَاءَ مُخْلِصِينَ وَرُفَقَاءَ مُصَاحِبِينَ"[2]

---

[1] حیاة الصحابه (عربی) ۲۶۵/۱ البیعة علی السمّع والطّاعَة

[2] الحزب الاَعْظَم: ص ۱۴۰

تَرْجَمَۃ: ''الٰہی تو ہم کو ایسا بنادے کہ تیرے حکموں کے سننے والے اور اس کے ماننے والے بن جائیں، اور باہم مخلص دوست اور ہم صحبت رفیق بن جائیں۔''

اب آپ تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قصّے پڑھ کر دیکھیں کہ صحابہ کرام کس طرح اطاعت کرنے والے تھے، حکم سنتے ہی اطاعت کرنے لگ گئے، جہاں جس حال میں حکم کی آواز آئی اس پر لَبَّیْك کہہ دیا حکم تو حکم ہے بلکہ وہ تو اپنے بڑوں کی منشا دیکھ کر چلنے والے تھے کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت[1]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں ''اِجْلِسُو'' بیٹھ جاؤ۔

یہ وہیں مسجد سے باہر اسی جگہ بیٹھ گئے جہاں یہ آواز سنی تھی اور خطبہ ختم ہونے تک وہیں بیٹھے رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پتہ چلا تو آپ نے ان سے فرمایا:

''زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصاً عَلٰى طَوَاعِيَةِ اللّٰهِ وَطَوَاعِيَةِ رَسُوْلِهٖ''

تَرْجَمَۃ: ''اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا شوق تمہیں اور زیادہ نصیب فرمائے[2]۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن

---

[1] واقعہ نمبر ۵

[2] كنز العمال، ۱۳/۱۹٤، كتاب الفضائل، رقم: ۳۷۱٦۸

منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا سب بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے مسجد کے باہر سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا کہ سب بیٹھ جاؤ اور وہیں قبیلہ بنو غنم کے محلّہ میں ہی بیٹھ گئے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ!

"ذَاكَ ابْنُ رَوَاحَةَ سَمِعَكَ وَاَنْتَ تَقُوْلُ لِلنَّاسِ اِجْلِسُوا فَجَلَسَ فِيْ مَكَانِهٖ"

ترجمہ: "یہ ابن رواحہ نے آپ کو بیٹھ جاؤ فرماتے ہوئے سنا تو وہیں اپنی جگہ بیٹھ گئے۔[1]"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطاعت[2]

حضرت عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مسجد کے دروازے پر پہنچ چکے تھے یہ سنتے ہی وہیں بیٹھ گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا اے عبداللہ! اندر آجاؤ۔[3]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جمعہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی مسجد کے دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا کہ وہ دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں تو ان سے فرمایا: اے عبداللہ بن مسعود! اندر آجاؤ۔[4]

---

[1] کنز العمال ۱۹٤/۱۳، کتاب الفضائل، رقم: ۳۷۱٦۷

[2] واقعہ نمبر ٦

[3] کنز العمال ۲۰۲/۱۳، کتاب الفضائل، رقم: ۳۷۲۱۷

[4] کنز العمال ۲۰۰/۱۳، کتاب الفضائل، رقم: ۳۷۲۰۵

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت[1]

ایک رات آندھی اس قدر شدت سے آئی کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنی آئی اور نہ اس کے بعد۔ اندھیرا اس قدر زیادہ کہ آدمی کو پاس والا آدمی تو کیا، اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا تھا اور ہوا اتنی سخت کہ اس کا شور بجلی کی طرح گرج رہا تھا۔ منافقین اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ ہم (۳۰۰) تین سو کا مجمع اسی جگہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کا حال دریافت فرما رہے تھے اور اسی اندھیری میں ہر طرف تحقیقات فرما رہے تھے۔

اتنے میں میرے پاس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ میرے پاس نہ تو دشمن سے بچاؤ کے واسطے کوئی ہتھیار، نہ سردی سے بچاؤ کے لئے کوئی کپڑا، صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی جو اوڑھنے میں گھٹنوں تک آتی تھی اور وہ بھی میری نہیں بیوی کی تھی، میں اس کو اوڑھے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین سے چمٹا ہوا بیٹھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کون ہے؟

میں نے عرض کیا حذیفہ مگر مجھ سے سردی کے مارے اٹھا بھی نہ گیا اور شرم کے مارے زمین سے چمٹ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اٹھ کھڑا ہو اور دشمنوں کے جتھے میں جا کر ان کی خبر لا کہ کیا ہو رہا ہے۔

میں اس وقت گھبراہٹ، خوف اور سردی کی وجہ سے سب سے زیادہ خستہ حال تھا۔ مگر تعمیل ارشاد میں اٹھ کر فوراً چل دیا۔ جب میں جانے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی۔

"اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ یَّمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَمِنْ فَوْقِهٖ وَمِنْ تَحْتِهٖ."

---

[1] واقعہ نمبر ے

ترجمہ: ''یا اللہ آپ اس کی حفاظت فرمائیں سامنے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے۔''

حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ گویا مجھ سے خوف اور سردی بالکل ہی جاتی رہی اور ہر ہر قدم پر یہ معلوم ہوتا تھا گویا گرمی میں چل رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی حرکت نہ کر کے آئیو۔ چپ چاپ دیکھ کر آجاؤ کہ کیا ہو رہا ہے میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ آگ جل رہی ہے اور لوگ سینک رہے ہیں۔

ایک شخص آگ پر ہاتھ سینکتا ہے اور اپنی کوکھ پر پھیر لیتا ہے اور ہر طرف سے واپس چل دو، واپس چل دو کی آوازیں آرہی ہیں۔ ہر شخص اپنے قبیلہ والوں کو آواز دے کر کہتا ہے کہ واپس چلو اور ہوا کی تیزی کی وجہ سے چاروں طرف سے پتھر ان کے خیموں پر برس رہے تھے۔ خیموں کی رسیاں ٹوٹتی جاتی تھیں اور گھوڑے وغیرہ جانور ہلاک ہو رہے تھے۔

ابوسفیان جو ساری جماعتوں کا اس وقت گویا سردار بن رہا تھا آگ پر سینک رہا تھا۔ میرے دل میں آیا کہ موقع اچھا ہے اس کو نمٹاتا چلوں۔ ترکش میں سے تیر نکال کر کمان میں بھی رکھ لیا، مگر پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد آیا کہ کوئی حرکت نہ کیجیو دیکھ کر چلے آنا۔

اس لئے میں نے تیر کو ترکش میں رکھ دیا۔ ان کو شبہ ہوگیا کہنے لگے۔ تم میں سے کوئی جاسوس ہے ہر شخص اپنے برابر والے کا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے جلدی سے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔ تو کون؟

وہ کہنے لگا۔ سبحان اللہ تو مجھے نہیں جانتا میں فلاں ہوں۔ میں وہاں سے واپس آیا۔ جب آدھے راستہ پر تھا تو تقریباً بیس سوار عمامہ باندھے ہوئے مجھے ملے۔ انہوں نے کہا۔ اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اللہ نے دشمنوں کا انتظام کر دیا، بے

فکر رہیں۔ میں واپس پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ ہمیشہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کی بات پیش آتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف متوجہ ہوجایا کرتے تھے۔

نماز سے فراغت پر میں نے وہاں کا جو منظر دیکھا تھا عرض کر دیا۔ جاسوس کا قصہ سن کر دندانِ مبارک چمکنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پاؤں مبارک کے قریب لٹا لیا اور اپنی چادر کا ذرا سا حصہ مجھ پر ڈال دیا۔ میں نے اپنے سینے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں سے چمٹا لیا۔

فَائِدَة: ان ہی حضرات کا یہ حصہ تھا اور ان ہی کو زیبا تھا کہ اس قدر سختیوں اور دِقتوں کی حالت میں بھی تعمیلِ ارشاد تن، من، جان، مال سب سے زیادہ عزیز تھی۔ اللہ جل شانہ بلا استحقاق اور بلا اہلیت مجھ ناپاک کو بھی ان کے اتباع کا کوئی حصہ نصیب فرمادیں تو زہے قسمت[1]۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانی (جب کہ بظاہر بات ماننا بہت مشکل اور اپنے کو خطرے میں ڈالنے والی بات تھی) لیکن بات ماننے کا صلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عطا ہوا کہ۔

1. اللہ تعالیٰ نے دشمن سے بھی ان کی حفاظت فرمائی۔
2. اور موسم کی سختی سے بھی۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ بڑوں کی باتوں میں ان کے تجربے شامل ہوتے ہیں اور ان کی بات فائدہ سے خالی نہیں ہوتی، اور دین ہمیں یہی سکھاتا ہے اور دین ماننے ہی کا نام ہے پس ہمیں بڑوں کی مان مان کر زندگی گزارنی چاہیئے اگرچہ تھوڑی سی مشکل ہی کیوں نہ ہو لیکن ان شاء اللہ کامیابی کا راستہ ہاتھ سے نہ جائے گا وہ جو بھی حکم دیں ہم ان کا امتثال کریں۔

---

[1] فضائل اعمال: صفحہ ۱۲۳

جیسا کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے اپنی کتاب اصلاحی خطبات میں فرمایا:

یہاں ایک مسئلہ اور ادب عرض کردوں، جو مسنون ادب ہے، آپ نے وہ مشہور مقولہ سنا ہوگا:

"اَلْاَمْرُ فَوقَ الْاَدَبْ"

یعنی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کوئی بڑا کسی بات کا حکم دے، چاہے اس بات پر عمل کرنا ادب کے خلاف معلوم ہو رہا ہو، اور ادب کا تقاضہ یہ ہو کہ وہ عمل نہ کیا جائے، لیکن جب بڑے نے حکم دے دیا تو چھوٹے کا کام یہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل کرے، یہ بڑی نازک بات ہے اور بعض اوقات اس پر عمل بھی مشکل ہوتا ہے لیکن دین پر عمل کرنے والے تمام بزرگوں کا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے کہ جب کسی بڑے نے کسی کام کا حکم دیا تو ادب کے بجائے حکم کی تعمیل کو مقدم رکھا۔

مثلاً فرض کرو کہ ایک بڑا بزرگ شخص ہے اور وہ کسی امتیازی جگہ جیسے تخت وغیرہ پر بیٹھا ہے اب ایک شخص اس کے پاس آیا جو اس سے چھوٹا ہے ان بزرگ نے کہا کہ: بھائی! تم یہاں میرے پاس آجاؤ۔ تو اس وقت اس کی بات مان لینی چاہیۓ اگرچہ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ پاس نہ بیٹھے، دور ہو کر بیٹھے، اس کے پاس تخت پر جا کر بیٹھ جانا ادب کے خلاف ہے۔

لیکن جب بڑے نے حکم دے کر کہہ دیا کہ یہاں آجاؤ تو اس وقت تعظیم کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کے حکم پر عمل کرے، چاہے دل میں یہ بات بری لگ رہی ہو کہ میں بڑے کے بالکل قریب جا کر بیٹھ جاؤں۔ اس لئے کہ ادب کے مقابلہ میں حکم کی تعمیل زیادہ مقدم ہے۔

میں بار بار عرض کرچکا ہوں کہ سارے دین کا خلاصہ ہے اِتباع، بڑے کے حکم کو ماننا، اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا، اللہ کے حکم کی اِتباع، اللہ کے رسول کے حکم کی

اِتباع، اور اللہ کے رسول کے وارثین کی اِتباع، بس وہ جو کہہ رہے ہیں اس پر عمل کرو، چاہے ظاہر میں وہ بات تمہیں ادب کے خلاف معلوم ہو۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس اتوار کے دن ہوا کرتی تھی۔ اس لئے کہ اس زمانے میں اتوار کی سرکاری چھٹی ہوا کرتی تھی، یہ آخری مجلس کا واقعہ ہے، اس کے بعد حضرت والد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مجلس نہیں ہوئی، بلکہ اگلی مجلس کا دن آنے سے پہلے ہی حضرت والد رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوگیا چونکہ والد صاحب بیمار اور صاحب فراش تھے۔

اس لئے آپ کے کمرے میں ہی لوگ جمع ہوجایا کرتے تھے، والد صاحب چار پائی پر ہوتے، لوگ سامنے نیچے اور صوفوں پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔

اس روز لوگ بہت زیادہ آئے اور کمرہ پورا بھر گیا، حتیٰ کہ کچھ لوگ کھڑے بھی ہوگئے۔ اور مجھے حاضری میں تاخیر ہوئی۔ میں ذرا دیر سے پہنچا، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: تم یہاں میرے پاس آجاؤ، میں ذرا جھجکنے لگا کہ لوگوں کو پھلانگتا ہوا اور چیرتا ہوا جاؤں گا اور حضرت والد صاحب کے پاس جا کر بیٹھوں گا، اگرچہ یہ بات ذہن میں مستحضر تھی کہ جب بڑا کوئی بات کہے تو مان لینی چاہیے لیکن میں ذرا ہچکچا رہا تھا، حضرت والد صاحب نے جب میری ہچکچاہٹ دیکھی تو دوبارہ فرمایا: تم یہاں آجاؤ تو تمہیں ایک قصہ سناؤں۔ خیر میں کسی طرح وہاں پہنچ گیا اور حضرت والد صاحب کے پاس بیٹھ گیا۔

والد صاحب فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ہو رہی تھی۔ اور وہاں اسی طرح کا قصہ پیش آیا کہ جگہ تنگ ہوگئی اور بھر گئی اور میں ذرا تاخیر سے پہنچا تو حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ تم یہاں میرے پاس آجاؤ، میں کچھ جھجکنے لگا کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے بالکل پاس جا کر بیٹھ جاؤں تو حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ فرمایا کہ تم یہاں آجاؤ، پھر میں تمہیں ایک قصہ سناؤں

گا۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پھر میں کسی طرح پہنچ گیا۔ اور حضرت والا کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ تو حضور والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک قصہ سنایا۔

دونوں کا فیصلہ ہوگیا[1]

قصہ یہ سنایا کہ مغل بادشاہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے والد کے انتقال کے بعد باپ کی جانشینی کا مسئلہ کھڑا ہوگیا اور یہ دو بھائی تھے۔ ایک عالمگیر اور دوسرا داراشکوہ، آپس میں رقابت تھی۔ عالمگیر بھی اپنے باپ کے جانشین اور بادشاہ بننا چاہتے تھے اور ان کے بھائی داراشکوہ بھی تخت کے طالب تھے، ان کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، دونوں نے ارادہ کیا کہ ان بزرگ سے جا کر اپنے حق میں دعا کرائی جائے۔

پہلے داراشکوہ ان بزرگ کے پاس زیارت اور دعا کے لئے پہنچے، اس وقت وہ بزرگ تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، ان بزرگ نے داراشکوہ سے فرمایا: کہ یہاں میرے پاس آجاؤ، اور تخت پر بیٹھ جاؤ، داراشکوہ نے کہا نہیں حضرت میری مجال نہیں کہ میں آپ کے پاس تخت پر بیٹھ جاؤں، میں تو یہاں نیچے ہی ٹھیک ہوں، ان بزرگ نے پھر فرمایا کہ میں تمہیں بلا رہا ہوں، یہاں آجاؤ۔ لیکن وہ نہیں مانے، اور ان کے پاس نہ گئے اور وہیں بیٹھے رہے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھا تمہاری مرضی پھر ان بزرگ نے جو ان کو نصیحت فرمانی تھی وہ فرمادی، اور وہ واپس چلے گئے۔

ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد عالمگیر آگئے۔ وہ جب سامنے نیچے بیٹھنے لگے تو ان بزرگ نے فرمایا: کہ تم یہاں میرے پاس آجاؤ وہ فوراً جلدی سے اٹھے اور ان بزرگ کے پاس جا کر تخت پر بیٹھ گئے پھر انہوں نے ان کو جو نصیحت فرمانی تھی وہ فرمادی، جب عالمگیر واپس چلے گئے تو ان بزرگ نے اپنی مجلس کے لوگوں سے فرمایا کہ ان دونوں بھائیوں نے تو خود اپنا فیصلہ کر لیا۔

---

[1] واقعہ نمبر ۸

داراشکوہ کو ہم نے تخت پیش کیا اس نے انکار کر دیا اور عالمگیر کو پیش کیا تو انہوں نے لے لیا، اس واسطے دونوں کا فیصلہ ہو گیا۔ اب تخت شاہی عالمگیر کو ملے گا چنانچہ ان کو ہی مل گیا۔ یہ واقعہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے حضرت والد قدس اللہ سرہ کو سنایا۔[1]

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بات فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے۔ فرماتے تھے:

بھائی! اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام دین ہے، یہ دیکھو کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟

بس اس تقاضے کو پورا کرو، اس کا نام دین ہے، اس کا نام دین نہیں کہ مجھے فلاں چیز کا شوق ہو گیا ہے، اس شوق کو پورا کر رہا ہوں، مثلاً کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا ہے کہ میں ہمیشہ صفِ اول میں نماز پڑھوں، کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں جہاد پر جاؤں، کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں تبلیغ و دعوت کے کام میں نکلوں، اگرچہ یہ سب کام دین کے کام ہیں اور باعثِ اجر و ثواب ہیں، لیکن یہ دیکھو کہ اس وقت کا تقاضہ کیا ہے؟

مثلاً گھر کے اندر والدین بیمار ہیں اور انہیں تمہاری خدمت کی ضرورت ہے، لیکن تمہیں تو اس بات کا شوق لگا ہوا ہے کہ صفِ اوّل میں جا کر جماعت سے نماز پڑھوں اور والدین اتنے بیمار ہیں کہ حرکت کرنے کے قابل نہیں، اب اس وقت میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقاضہ یہ ہے کہ صفِ اوّل کی نماز کو چھوڑ دو اور

---

[1] اصلاحی خطبات مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم: جلد ۳، صفحہ ۲۲۸

والدین کی خدمت انجام دو، اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور نماز گھر کے اندر تنہا پڑھ لو، اب اگر اس وقت تم نے والدین کو اس حال میں چھوڑ دیا کہ وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں اور تم اپنا شوق پورا کرنے کے لئے مسجد میں چل دیئے اور صفِ اوّل میں جاکر شامل ہوگئے تو یہ دین کی اتباع نہ ہوئی بلکہ اپنا شوق پورا کرنا ہوگا۔

یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب مسجد کہیں دور ہے، مسجد آنے جانے میں وقت لگے گا اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ ان کو تکلیف ہوگی۔ لیکن اگر مسجد گھر کے بالکل قریب ہے اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ ان کو بیٹے کے تھوڑی دیر کے دور رہنے سے تکلیف نہ ہوگی یا کوئی اور خدمت کرنے والا موجود ہے تو اس صورت میں اس کو مسجد میں جاکر جماعت ہی سے نماز ادا کرنی چاہیئے۔[1]

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی اپنے وعظ میں فرماتے ہیں:

"ہمارے ہاں دارالعلوم میں بعض مرتبہ طالب علم داخلے کے لئے آتے ہیں، ان کو پڑھنے کا شوق ہے، عالم بننے اور درسِ نظامی پڑھ کر فارغ التحصیل ہونے کا شوق ہے، لیکن جب ان سے پوچھا جاتا کہ والدین کی اجازت سے آئے ہو"؟

تو معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر آئے ہیں، اور وہ یہ کہتے کہ ہم کیا کریں والدین ہمیں اجازت نہیں دے رہے تھے۔ اس لئے ہم بغیر اجازت کے چلے آئے ہیں، میں ان سے کہتا ہوں کہ یاد رکھیں! مولوی بننا کوئی فرض نہیں والدین کی اطاعت کرنا فرض ہے ہاں! اگر والدین اتنا علم بھی حاصل کرنے سے روکیں جس کا حاصل کرنا ضروری ہے، تو اس صورت میں والدین کی اطاعت نہیں، لیکن مولوی بننا (پورے دین کا علم حاصل کرنا) فرض و واجب نہیں۔

لہٰذا جب تک والدین اس کی اجازت نہ دیں اس وقت تک وہ نہ کرے، اور اگر اجازت کے بغیر مولوی بننے میں لگے تو وہی بات ہوگی جو ہمارے حضرت والا فرمایا

---

[1] اصلاحی خطبات: جلد ۴ صفحہ ۶۱

کرتے تھے کہ اپنا شوق پورا کرنا ہوگا۔ یہ دین کا کام نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین[۱]

والدین کو مشورہ دینے کے آداب

والدین مشیر بنائیں تو مشیر ہی رہیے آمر نہ بن جایئے، یعنی والدین نے کسی کام کے بارے میں آپ سے مشورہ طلب کیا تو صرف مشورہ ہی دیجیے آمر بن کر حکم نہ چلایئے، دوسرے بہن بھائیوں کے مشورہ کی خامیاں نہ بیان کیجیے، ہاں! اپنے مشورہ کی حکمت اور فائدہ ضرور بیان کر دیجیے۔

والدین کو مشورہ دیتے وقت ان آداب کا ضرور خیال رکھیے۔

۱ اپنے مشورہ پر اصرار نہ کیجیے، نہیں! ایسا ہی کریں، نہیں! یوں ہی ہونا چاہیے۔

۲ آمرانہ لہجہ استعمال نہ کریں، تواضع عاجزی کے ساتھ بتادیجیے کہ میری رائے یہ ہے۔ مثلاً مکان اس طرح بنایا جائے، کھڑکی یہاں لگائی جائے، فلاں پارٹی کو مال دیا جائے، فلاں کو نہ دیا جائے۔

۳ اپنی رائے دینے کے بعد فیصلہ والدین کے سپرد کردیں اور ہر حکم ماننے کے لئے تیار رہیں۔

جیسا کہ قرآن عظیم میں ملکۂ بلقیس کے واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب ملکۂ بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ملا، تو اس نے اپنے ارکانِ حکومت کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا ارکان حکومت نے مشورہ تو یہ دیا:

﴿نَحنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَأْسٍ شَدِيْدٍ﴾

تَرجَمَہ: ”ہم بڑے طاقت والے اور جنگجو ہیں۔“

لیکن ساتھ یہ بھی کہا:

---

[۱] اصلاحی خطبات: جلد۴ صفحہ۱۷

﴿وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَأْمُرِيْنَ﴾[۱]

ترجمہ: ”آخری رائے اور فیصلہ کا حق تو آپ کو ہی ہے۔“

لہٰذا جو فیصلہ آپ کا ہوگا ہم اس کے لئے تیار ہیں۔

تو ہمیں بھی اپنے والدین کو اپنی رائے کا اظہار کرنے کے بعد ان کے ہر حکم کو جو خلافِ شریعت نہ ہو، ماننے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

۴ جب تک والدین آپ سے مشورہ نہ لیں تو آپ اپنی باری کا انتظار کیجیے، پہلے سے اپنی رائے کا اظہار نہ کیجیے۔

۵ جب دوسرے بہن بھائی والدین کو اپنی رائے دے رہے ہوں تو آپ ان کی رائے کو غور سے سنیے، درمیان میں ان کی بات کو نہ کاٹیے۔ اور بہن بھائیوں کی رائے کے بارے میں یہ فیصلہ صادر نہ فرمائیے کہ یہ ناممکن ہے، ایسا نہیں ہوسکتا، بلکہ غور سے سن کر پھر اپنی رائے دیجیے۔

۶ اگر اللہ نہ کرے مشورہ کے بعد کوئی آزمائش آئے، یہ نہ کہیے کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا...... دیکھیے آپ نے میری بات نہ مانی اگر میری بات مان لیتے تو یہ نہ ہوتا ...... وغیرہ، کیونکہ حدیث میں آتا ہے:

﴿فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ﴾

ترجمہ: ”لفظ ”اگر“ شیطان کا دروازہ کھولتا ہے۔“

بلکہ یوں کہیے:

﴿قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَآءَ فَعَلَ﴾[۲]

ترجمہ: ”جو کچھ اللہ نے مقدر کیا تھا وہی ہوا اور بہتر ہوا۔“

ان آداب کے ساتھ اس دعا کا بھی اہتمام کیجیے تاکہ اللہ تعالیٰ اس مشورہ میں

---

[۱] سورۃ النمل: آیت ۳۳

[۲] مسلم، كِتَابُ الْقَدْرِ، بَابُ الإِيمَانِ بِالْقَدْرِ وَالإِذْعَانِ لَهُ: ۳۳۸/۲

خیر و برکت ڈالیں، اور شیطان کے شر سے حفاظت فرمائیں۔ مشورہ کی دعا یہ ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ﴾[1]

ترجمہ: ''اے اللہ! میرے دل میں بھلائی ڈال دے اور میرے نفس کی برائی سے مجھے بچادے۔''

یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ نے آپ کو گھر میں والدین کی موجودگی میں مامور بنایا ہے، والد گھر کے امیر ہیں تو آپ مامور ہی رہیے امیر بننے کی کوشش نہ کیجیے۔

ابھی تھوڑے صبر اور تحمل کا مظاہرہ کیجیے اور والدین کی مان کر چلیے، آج آپ اپنے والدین کے تجربے سے فائدہ اٹھایئے اور ان کی رائے کو بلا چوں و چرا مان لیجیے۔

اگر آپ کی رائے ان کی رائے سے مختلف ہے تو نہایت مؤدبانہ انداز اور انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔

کہ جو آپ کہہ رہے ہیں اس میں بھی یقیناً فائدہ ہے لیکن اگر اس طرح کرلیا جائے تو شاید زیادہ فائدہ حاصل ہوجائے۔

اب اگر آپ کی بات کو رد کردیا جائے تو کچھ افسوس نہ کیجیے بلکہ اپنے کو سمجھایئے کہ شاید اسی میں خیر ہو، اور اب والدین کی بات پر بالکل راضی ہوجایئے، آج اگر آپ اپنے والدین کی مانیں گے تو کل آپ کی اولاد بھی آپ کی فرماں برداری کرے گی۔

یہ قدرت کا نظام ہے کہ گھر کا ایک امیر ہوتا ہے، اور گھر کے تمام افراد کو اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

ہمیشہ کسی گھر میں، خاندان میں، کمپنی میں، معاشرہ میں ہر جگہ اختلاف وہاں ہوتا ہے جہاں مامور امیر کی جگہ لینا چاہتا ہے۔

امیر کے لئے شرعاً، اخلاقاً حکم یہ ہے کہ وہ مامورین سے ہر قسم کا مشورہ لے،

---

[1] ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۸٦/۲

حتی الامکان اور اکثر و بیشتر اپنا فیصلہ ماموریں کی اکثریت والی رائے پر کرے۔
اور مامور کے لئے حکم یہی ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کر کے جو امیر کا فیصلہ ہو اس کو دل و جان سے تسلیم کر کے اس پر عمل کرے، اور یہی سمجھے کہ امیر کا فیصلہ میرا فیصلہ ہے اور اب میری یہی رائے ہے جو امیر کی رائے ہے۔
اس نظام کے تحت چھوٹا سا گھر ہو یا پورے ملک کا نظم و نسق، سب صحیح چلتا ہے اور جہاں امیر کی اطاعت نہیں کی جاتی وہاں پریشانی ہی پریشانی رہتی ہے۔
لہٰذا آپ اپنی والدہ کا بھی اور بھائی بہنوں کا بھی یہی ذہن بنائیں کہ ہمیں حتی الامکان والد صاحب کی اطاعت کرنی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے امیر کی نافرمانی سے بھی منع فرمایا ہے جو مرتبے کے لحاظ سے انتہائی معمولی درجہ کا کیوں نہ ہو حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيْبَةٌ﴾[1]

ترجمہ: ”امیر کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنایا جائے جس کا سر کشمش کی مانند (پچکا ہوا) ہو۔“
اسی طرح ایک اور حدیث ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ كَرِهَ مِن اَمِيْرِهٖ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ﴾[2]

ترجمہ: ”اگر اپنے امیر کا کوئی فیصلہ وغیرہ ناگوار لگے تو صبر کرے۔“
ایک اور حدیث ملاحظہ کیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

﴿عَلَيْكَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيْ عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمَنْشَطِكَ

---

[1] بخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ: ۱۰۵۷/۲
[2] بخاری، کتاب الفِتَنْ، بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۰۴۵/۲

وَمَكْرَهِكَ وَأَثَرَةٍ عَلَيْكَ﴾[۱]

تَرجَمَہ: ''امیر کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو آسانی اور تنگی میں، خوشی اور گرانی میں اور اس وقت بھی جب تم پر کسی کو ترجیح دی جائے۔''

یعنی اطاعت امیر ہر حال میں ضروری ہے حکم آسان لگے یا مشکل، اچھا لگے یا گراں و ناگوار، بلکہ اس وقت بھی جب استحقاق کے باوجود تم پر دوسرے کو ترجیح دی جائے۔[۲]

تو آپ ذرا غور کیجئے! کہ جب ایک حبشی غلام کی اطاعت کا حکم ہم کو دیا جا رہا ہے، تو والد جو ہمارے گھر کے سربراہ ہیں، ان کا مرتبہ تو اس سے بہت اونچا ہے، لہٰذا ان کی اطاعت کرنا اور حکم ماننا ہمارے لئے بدرجہ اولیٰ لازم ہے اور ہر حال میں ان کی اطاعت کرنی چاہیے۔

ہاں! جہاں شریعت نے اجازت دی ہے کہ والدین کی اطاعت سے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے یا بندوں کے حقوق ضائع ہوتے ہوں، والدین کی بات ماننے سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوتی ہو، وہاں والدین کی بات نہ مانی جائے۔

کیونکہ حدیث میں اس چیز سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

﴿لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ﴾[۳]

تَرجَمَہ: ''جب بندوں کے ماننے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہو تو بندوں کی نہیں ماننی، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی ماننی ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی اور والدین کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائیں، اور اپنی نافرمانی سے ہم سب کو بچائیں۔

---

[۱] مسلم، كِتَابُ الإِمَارَةِ، بَابُ وُجُوْبِ طَاعَةِ الأُمَرَاءِ: ۲/۱۲٤

[۲] اطاعت امیر: صفحہ ۲۲

[۳] مشكوٰة، كِتَابُ الإِمَارَةِ وَالْقَضَاءِ: ص ۳۲۱

والدین سے کسی حال میں بھی بحث مباحثہ نہ کریں

والدین کے ہر سوال، اعتراض اور ہر تنقید پر بحث مباحثہ اور طویل گفتگو کرنے کے بجائے اس طرح نرمی سے کہہ دیں کہ "غلطی ہوگئی، آئندہ خیال رکھوں گا، معاف کردیجئے" وغیرہ اس طرح کہنے سے یہ فوائد حاصل ہوں گے۔

۱ آپ فرماں بردار شمار ہوں گے۔
۲ والدین کی دلی دعائیں آپ کو ملیں گی۔
۳ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہوں گے۔
۴ آپ حسن اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائیں گے۔

بسا اوقات والدین کسی اور بات پر غصہ ہوتے ہیں، اور اس وقت ہماری معمولی سی کوتاہی بھی ان کو پہاڑ جیسی محسوس ہوتی ہے اور وہ سمجھانے کے بجائے ہمیں ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں، ایسے مواقع پر بھی ہمیں نرمی اور صبر سے کام لے کر ان کو جواب نہ دینا ہوگا۔

بسا اوقات ہم نے ان کی بات مانی ہوگی اور اسی پر وہ ہم پر برس پڑیں گے کہ اتنی بھی عقل نہیں ایسے کام کرنا چاہیئے؟ پھر بھی ہم کہہ دیں غلطی ہوگئی معاف کردیں۔

محمود اور ایاز کا عبرت آموز واقعہ[1]

محمود غزنوی جو مشہور فاتح اور بادشاہ گزرے ہیں، ان کا ایک چہیتا اور لاڈلا غلام تھا "ایاز۔" چونکہ یہ "ایاز" بادشاہ کا چہیتا تھا، اس لئے اس کے بارے میں لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ بادشاہ کا منہ چڑھا غلام ہے، اور محمود غزنوی اس غلام کو دوسرے بڑے بڑے لوگوں پر ترجیح دیتا ہے۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ محمود غزنوی بڑے بڑے

---

[1] واقعہ نمبر۹

وزیروں اور امیروں کی بات اتنی نہیں مانتا تھا جتنی ایاز کی بات مانتا تھا۔

محمود غزنوی نے چاہا کہ ان وزراء اور امراء کو دکھاؤں کہ تم میں اور ایاز میں کیا فرق ہے؟ چنانچہ ایک مرتبہ ایک بڑا قیمتی ہیرا کہیں سے تحفے میں محمود غزنوی کے پاس آیا، یہ ہیرا بہت قیمتی، خوبصورت اور شاندار تھا، بادشاہ کا دربار لگا ہوا تھا، سب نے اس قیمتی ہیرے کو دیکھا اور اس کی تعریف کی، اس کے بعد محمود غزنوی نے وزیر اعظم کو اپنے قریب بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم نے یہ ہیرا دیکھا، یہ ہیرا کیسا ہے؟

وزیر اعظم نے کہا کہ سرکار! یہ بہت قیمتی ہیرا ہے اور پوری دنیا میں اس کی نظیر موجود نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ اس ہیرے کو زمین پر پٹخ کر توڑ دو، وزیر اعظم ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور کہا: جہاں پناہ! یہ بہت قیمتی ہیرا ہے، آپ کے پاس یہ یادگار تحفہ ہے، آپ اس کو تڑوا رہے ہیں؟

میری درخواست یہ ہے کہ آپ اس کو نہ تڑوائیں۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا بیٹھ جاؤ۔ پھر ایک دوسرے وزیر کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم اس کو توڑ دو، وہ وزیر بھی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا بادشاہ سلامت! یہ بہت قیمتی ہیرا ہے، میری ہمت نہیں ہو رہی ہے کہ اس کو توڑوں۔ اسی طرح اس نے کئی وزراء اور امراء کو بلوایا اور اس ہیرے کو توڑنے کے لئے کہا، مگر ہر ایک نے معافی مانگی اور توڑنے سے معذرت کر لی۔

آخر میں محمود غزنوی نے ایاز کو بلایا کہ ایاز! اس نے کہا: جی جہاں پناہ! محمود غزنوی نے کہا یہ ہیرا رکھا ہے اس کو اٹھا کر پٹخ کر توڑ دو۔ ایاز نے وہ ہیرا اٹھایا اور زمین پر پٹخ کر توڑ دیا اور چور چور ہو گیا۔ جب بادشاہ نے دیکھا کہ ایاز نے وہ ہیرا توڑ دیا تو بادشاہ نے اس کو ڈانٹا کہ تم نے ہیرا کیوں توڑا؟

یہ بڑے بڑے وزراء اور امراء صاحبانِ عقل جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان سے جب ہیرا توڑنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اس ہیرے کو توڑنے کی ہمت نہیں کی، کیا یہ سب پاگل تھے؟

تم نے اٹھا کر توڑ دیا۔ کیوں توڑا؟ پہلے تو ایاز نے کہا کہ جہاں پناہ! غلطی ہوگئی۔ پھر بادشاہ نے پوچھا کہ تم نے توڑا کیوں؟

ایاز نے کہا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو ہیرا ہے، چاہے اس کی قیمت کتنی زیادہ کیوں نہ ہو، یہ اگر ٹوٹ جائے تو اتنی بری بات نہیں، لیکن آپ کا حکم نہیں ٹوٹنا چاہیئے۔ اور آپ کے حکم کو اس ہیرے سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہوئے میں نے سوچا کہ اس ہیرے کے ٹوٹنے کے مقابلے میں حکم ٹوٹنا زیادہ بری بات ہے اس لئے میں نے اس ہیرے کو توڑ دیا۔

اس کے بعد محمود غزنوی نے ان وزراء سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم میں اور ایاز میں یہ فرق ہے۔ تمہیں اگر کسی کام کا حکم دیا جائے تو اس کے اندر حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرتے ہو۔ اور یہ ایاز تو حکم کا بندہ ہے اس سے جو کہا جائے گا وہ یہ کرے گا اس کے سامنے حکمت اور مصلحت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔[1]

پہلا سبق: اس واقعہ سے یہ ملا کہ حکم کی عظمت ہمارے دل میں ہونی چاہیئے والدین نے حکم دیا ہماری سمجھ آئے یا نہ آئے ہمیں اطاعت کرنی چاہیئے، مثلاً آپ نے ۵ منٹ پہلے فریج کھولا اس میں پھل نہیں رکھے ہوئے تھے، والدہ نے کہا فریج میں سے پھل لے آؤ۔

اب آپ کو یقین ہے کہ ابھی ابھی میں نے دیکھا ہے آپ کہہ سکتے ہیں فریج میں پھل تو نہیں رکھے ہوئے تھے، اس کے بجائے آپ حکم کی اطاعت کرتے ہوئے فریج تک جائیے اور دیکھ کر آجائیے ہوسکتا ہے ابھی ابھی رکھے ہوں۔

والد صاحب نے کہا یہاں سے پیٹرول بھروالو، تو جہاں سے والد صاحب نے کہا ہے تو وہیں گاڑی روک کر بھروالیں چاہے آگے سستا مل رہا ہو شاید آگے نہ مل سکے۔

---

[1] اصلاحی خطبات: جلد ۹ صفحہ ۱۹۴

والد صاحب نے کہا عصر کی نماز اسی مسجد میں پڑھ لیتے ہیں، اب والد صاحب نے آپ کو مامور بنایا ہے تو مشیر نہ بنیں کہ نہیں ہم محلّہ کی مسجد تک پہنچ جائینگے، بلکہ وہیں نماز پڑھ لیجئے۔

دوسرا سبق: ''معافی مانگنا'' کہ ایاز نے محمود ہی کے حکم سے توڑا تھا، لیکن محمود کے غصہ ہونے پر اس نے یہ عذر نہیں کیا کہ آپ ہی نے تو کہا تھا توڑدو...... بلکہ ایاز نے کہا غلطی ہوگئی! بادشاہ سلامت معاف کردیجئے۔

چونکہ والدین کا تعلق سال کے ۳۶۵ دنوں اور دن کے ۲۴ گھنٹوں کا ہے، لازمی ہے کہ ناگواریاں بھی پیش آئیں اور کبھی کبھی ناچاقیاں بھی۔ اس لئے آپ کبھی بھی کسی بات پر بحث مباحثہ نہ کریں بلکہ یوں عرض کردیں کہ غلطی ہوگئی، معاف کردیں۔ کیونکہ یہ لفظ ''معافی'' ایسا جملہ ہے کہ حجاج بن یوسف جیسے ظالم شخص کو بھی نرمی پر مجبور کردیتا ہے۔

معاف کرنا[1]

ایک مرتبہ حجاج نے سفر کے دوران کسی دیہاتی سے امتحان کے لئے پوچھا کہ تمہارا بادشاہ حجاج کیسا ہے؟

وہ کہنے لگا بڑا ظالم ہے اللہ تعالیٰ اس سے بچائے وغیرہ وغیرہ۔ حجاج نے کہا تم جانتے ہو میں کون ہوں......؟

اس نے کہا نہیں۔ تو بادشاہ نے کہا میں ہی تو حجاج ہوں، دیہاتی نے کہا تم مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟

حجاج نے کہا نہیں۔ اس نے کہا میں فلاں شخص کا غلام ہوں اور میں ہر مہینے تین دن پاگل ہوجاتا ہوں اور آج میرا پاگل ہونے کا پہلا دن ہے اس لئے معاف کرنا،

---
[1] واقعہ نمبر ۱۰

حجاج بن یوسف یہ سن کر ہنسا اور اس کو چھوڑ دیا۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ یہ جملہ ''معاف کردیں'' کتنا اہم ہے۔ کبھی خدانخواستہ والدین سے کسی بات پر اَن بن ہوجائے تو اولاد اس وقت صرف یہ کہہ دے کہ معاف کردیں اب آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔ تو آپ یقین جانئے! بہت سے جھگڑے، ناچاقیاں چٹکیوں میں ختم ہوسکتے ہیں، اگر اولاد اس دیہاتی سے سبق لے لے جس نے حجاج کے پھندے سے اپنے آپ کو پاگل بنوا کر اپنے بچاؤ کا راستہ نکال لیا، اسی طرح ہم سب اپنے اپنے معاشرہ میں اس کو لے آئیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت سی مشکلات حل ہوسکتی ہیں۔ ہر چھوٹا اپنے بڑے کے سامنے غصہ کے وقت یہ کہے کہ غلطی ہوگئی آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہوگا۔ چونکہ ہم سب ہی خطا کار ہیں اور ہر عدالت میں اقراری مجرم معافی کا طالب ہو تو اس کے لئے نرمی ہے بمقابلہ انکاری مجرم کے۔

اب اللہ کو خوش کرنے والی، گھروں میں جھگڑوں کی آگ کے انگاروں کو بجھانے والی نیک سیرت اولاد کا جواب سنئے:

''غلطی ہوگئی معاف کردیں آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔''

اب اس کے بعد شیطان کے لئے اس گھر میں جھگڑے پیدا کروانے کا کوئی ہتھیار باقی نہیں رہے گا۔

یہ ''معاف کردیں'' ایسا جملہ ہے جو حجاج جیسے سنگ دل شخص کو بھی موم بنا دیتا ہے۔ سخت سے سخت غلطی کو بھی چھوٹا بنا دیتا ہے، بڑی سے بڑی غصہ کی آگ کے لئے پانی کا کام دیتا ہے، حد سے زیادہ ظالم کو بھی رحم پر مجبور کردیتا ہے اور دشمن کو بھی دوست بنا دیتا ہے۔

یہ کسی انسان کا قول نہیں بلکہ انسانوں کے پیدا کرنے والے اللہ ربّ العزت جن کے ہاتھ میں سارے انسانوں کے دل ہیں ان کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾[۱]

تَرجَمہ: ”نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہوجائے گا جیسے دلی دوست۔“

یہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالو۔ یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ...... زیادتی کا بدلہ عفو کے ساتھ...... غضب کا صبر کے ساتھ...... بے ہودگیوں کا جواب چشم پوشی کے ساتھ...... اور مکروہات (ناپسندیدہ باتوں) کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ...... دیا جائے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دشمن، دوست بن جائے گا...... دور دور رہنے والا قریب ہوجائے گا...... اور خون کا پیاسا تمہارا گرویدہ اور جاں نثار ہوجائے گا۔

اگر برائی کا بدلہ اچھائی سے دیا جائے تو جانی دشمن بھی جاں نثار بن سکتا ہے۔

آپ یہ نسخہ آزما کر تو دیکھیے، تجربہ کر کے دیکھیے۔[۲]

بہن بھائیوں پر حسد کرنے سے بھی والدین کو تکلیف ہوتی ہے

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم اپنے وعظ میں حسد کی حقیقت کے بارے میں فرماتے ہیں:

حسد کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ اس کو کوئی نعمت ملی ہوئی ہے، چاہے وہ نعمت دنیا کی ہو، یا دین کی۔ اس نعمت کو دیکھ کر اس کے دل میں

---

[۱] سورة حمٓ السجدہ، آیت: ٣٤

[۲] تحفۂ دلہن: صفحہ ۱۷۸

جلن اور کڑھن پیدا ہوئی کہ اس کو یہ نعمت کیوں مل گئی، اور دل میں یہ خواہش ہوئی کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے تو اچھا ہے، یہ ہے حسد کی حقیقت۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو مال و دولت دیا، یا کسی کو صحت کی دولت دی، یا کسی کو شہرت دی، یا کسی کو عزت دی، یا کسی کو علم دیا، اب دوسرے شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ یہ نعمت اس کو کیوں ملی؟ اس سے یہ نعمت چھن جائے تو بہتر ہے، اور اس کے خلاف کوئی بات آتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے، اور اگر اس کی ترقی سامنے آتی ہے تو اس سے دل میں رنج اور افسوس ہوتا ہے کہ یہ کیوں آگے بڑھ گیا، اس کا نام حسد ہے۔

اب اگر حسد کی اس حقیقت کو سامنے رکھ کر غور کرو گے تو یہ نظر آئے گا کہ حسد کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس کو کیوں دی؟ مجھے کیوں نہیں دی؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض کر رہا ہے، قادر مطلق پر اعتراض کر رہا ہے۔ اپنے محسن اور منعم پر اعتراض کر رہا ہے۔ اور ساتھ ساتھ یہ خواہش کر رہا ہے کہ یہ نعمت کسی طرح اس سے چھن جائے۔ اسی وجہ سے اس کی سنگینی اور خطرناکی بہت زیادہ ہے۔

حسد کے دو سبب ہیں

اس حسد کی بیماری کا سبب کیا ہوتا ہے؟ اور یہ بیماری کیوں دل میں پیدا ہوتی ہے؟ اس کے دو سبب ہوتے ہیں۔

❶ اس کا ایک سبب دنیا کے مال و دولت کی محبت ہے، اور منصب کی محبت ہے، اس لئے کہ انسان ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ میرا مرتبہ بلند رہے، میں اونچا رہوں۔ اب اگر دوسرا شخص آگے بڑھتا ہے۔ تو یہ اس کو گرانے کی فکر کرتا ہے۔

❷ اور اس بیماری کا دوسرا سبب ''بغض'' اور ''کینہ'' ہے، مثلاً کسی سے دل میں بغض

اور کینہ پیدا ہوگیا، اور اس بغض کے نتیجے میں اس کی راحت سے تکلیف ہوتی ہے، اور اس کی خوشی سے رنج ہوتا ہے۔ جب دل میں یہ دو باتیں ہوں گی تو اس کے نتیجے میں لازماً حسد پیدا ہوگا۔

حسد دنیا و آخرت میں ہلاک کرنے والی ہے

یہ حسد ایسی بری بیماری ہے جو کہ آخرت میں انسان کو ہلاک کرنے والی ہے۔ بلکہ دنیا کے اندر بھی انسان کے لئے مہلک ہے، لہٰذا اس کے ذریعے دنیا کا بھی نقصان، اور آخرت کا بھی نقصان، اس لئے کہ جو شخص دوسرے سے حسد کرے گا، وہ ہمیشہ تکلیف اور گھٹن میں رہے گا۔ اس لئے کہ جب بھی دوسرے کو آگے بڑھتا ہوا دیکھے گا، تو اس کو دیکھ کر دل میں رنج اور غم اور گھٹن پیدا ہوگی، اور اس گھٹن کے نتیجے میں وہ رفتہ رفتہ وہ اپنی صحت کو بھی خراب کرلے گا۔

حسد کے تین درجات

پھر حسد کے تین درجات ہیں۔

① پہلا درجہ یہ ہے کہ دل میں یہ خواہش ہو کہ مجھے بھی ایسی نعمت مل جائے، اب اگر اس کے پاس رہتے ہوئے مل جائے تو بہت اچھا ہے، ورنہ اس سے چھن جائے اور مجھے مل جائے۔ یہ حسد کا پہلا درجہ ہے۔

② حسد کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جو نعمت دوسرے کو ملی ہوئی ہے۔ وہ نعمت اس سے چھن جائے، اور مجھے مل جائے۔ اس میں پہلے قدم پر یہ خواہش ہے کہ اس سے وہ چھن جائے، اور دوسرے قدم پر یہ خواہش ہے کہ مجھے مل جائے یہ حسد کا دوسرا درجہ ہے۔

③ حسد کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل میں یہ خواہش ہو کہ یہ نعمت اس سے کسی طرح چھن جائے، اور اس نعمت کی وجہ سے اس کو جو امتیاز اور جو مقام حاصل ہوا ہے۔ اس

سے وہ محروم ہو جائے۔ پھر چاہے وہ نعمت مجھے ملے، یا نہ ملے، یہ حسد کا سب سے رذیل ترین، ذلیل ترین، خبیث ترین درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت سے سارا عالم پیدا فرمایا، اور پھر اس میں کسی کو کوئی نعمت دے دی، کسی کو کوئی نعمت دے دی، کسی کو مال و دولت کی نعمت دے دی تو دوسرے کو اس کے مقابلے میں صحت کی نعمت دے دی۔ اب مال و دولت والا صحت والے پر حسد کر رہا ہے کہ اس کو ایسی اچھی صحت کیوں مل گئی؟

اور جو صحت والا ہے، وہ مال و دولت والے پر حسد کر رہا ہے کہ اس کو اتنا مال و دولت کیوں مل گیا؟ لیکن حقیقت میں یہ تقدیر کے فیصلے ہیں، اور اسی کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں، اور کوئی بھی انسان دوسرے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کون سا انسان اس دنیا میں زیادہ راحت میں ہے۔

دیکھنے میں بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے بہت سارے کارخانے چل رہے ہیں، بنگلے کھڑے ہیں، کاریں ہیں، نوکر چاکر ہیں، اور دنیا بھر کا عیش و عشرت کا سامان میسر ہے، اور دوسری طرف ایک مزدور ہے، جو صبح سے شام تک پتھر ڈھوتا ہے، اور بمشکل اپنے پیٹ بھرنے کا سامان کرتا ہے۔ اب اگر یہ مزدور اس مال و دولت والے انسان کو دیکھے گا تو یہی سوچے گا کہ اس کو تو دنیا کی بہت بڑی بڑی نعمتیں میسر ہیں۔

لیکن اگر ساتھ ساتھ ان دونوں کی اندرونی زندگی میں جھانک کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ جس شخص کی ملیں کھڑی ہیں، جس کے پاس بنگلے اور کاریں ہیں، اور جس کے پاس بے شمار مال و دولت اور عیش و عشرت کا سامان ہے، ان کا یہ حال ہے کہ رات کو جب بستر پر سوتے ہیں تو صاحب بہادر کو اس وقت تک نیند نہیں آتی، جب تک نیند کی گولی نہ کھائیں۔

اور یہ حال ہے کہ ان کے دسترخوان پر انواع واقسام کے ایک سے ایک کھانے چنے ہوئے ہیں۔ پھل موجود ہیں۔ لیکن ان کا معدہ اتنا خراب ہے کہ ایک دو لقمے بھی قبول کرنے کو تیار نہیں، اس لئے کہ معدہ میں السر ہے، اور اس کی وجہ سے ڈاکٹر نے منع کر دیا ہے کہ فلاں چیز بھی مت کھاؤ، اور فلاں چیز بھی مت کھاؤ۔ اب ساری نعمتیں ساری غذائیں اس کے لئے بیکار ہیں۔

اب آپ بتائیں کہ وہ شخص زیادہ راحت میں ہے جس کے پاس دنیا کے سارے ساز و سامان تو میسر ہیں لیکن نیند سے محروم ہے، کھانے سے محروم ہے، اور ایک مزدور جو آٹھ گھنٹے کی سخت ڈیوٹی دینے کے بعد ساگ روٹی اور چٹنی روٹی خوب بھوک لگنے کے بعد لذت اور حلاوت کے ساتھ کھاتا ہے، اور جب بستر پر سوتا ہے تو فوراً نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے، اور آٹھ دس گھنٹے تک بھرپور نیند کر کے اٹھتا ہے۔

بتایئے کہ ان دونوں میں سے راحت کے اندر کون ہے؟ حقیقی راحت کس کو حاصل ہے؟ اگر غور سے دیکھو گے تو یہ نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے شخص کو دنیا کے اسباب اور سامان بیشک عطا کئے ہیں۔ لیکن حقیقی راحت اس دوسرے شخص کو عطا فرمائی ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے فیصلے ہیں۔[۱]

اب دیکھنا یہ ہے کہ کہیں یہ بری صفت جو کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی نظر میں، اور اگر لوگوں کو پتہ چل جائے تو ان کی نظر میں بھی گرا دیتی ہے، ہمارے اندر تو موجود نہیں؟ کہیں ہم اپنے آس پاس والوں سے یا اپنے بہن بھائیوں میں سے کسی سے جلن تو محسوس نہیں کرتے؟ ان کی خوشی ہمیں غمزدہ تو نہیں کر دیتی ہے؟

اور یہ عادت ایسی ہے کہ انسان میں موجود ہوتی ہے اور انسان کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا، اور یہ ایسی خصلت ہے کہ انسان کی تمام نیکیوں کو برباد کر دیتی ہے، جیسے کہ

---

[۱] اصلاحی خطبات: جلد ۵ صفحہ ۶۳

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ اَوْ قَالَ الْعُشْبَ.﴾[1]

ترجمہ: ”تم حسد سے بچتے رہو، بے شک حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے، جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔“

ایک آگ تو وہ ہوتی ہے جو بہت بڑی ہوتی ہے۔ جو منٹوں میں سب کچھ جلا کر ختم کر دیتی ہے۔ اور ایک آگ وہ ہوتی ہے جو ہلکے ہلکے سلگتی رہتی ہے۔ اگر وہ آگ کسی کو لگائی جائے تو وہ آگ ایک دم سے اس کو جلا کر ختم نہیں کرے گی، بلکہ وہ آہستہ آہستہ سلگتی رہے گی، اور تھوڑا تھوڑا کر کے اس کو کھاتی رہے گی۔ حتیٰ کہ وہ ساری لکڑی ختم ہو کر راکھ بن جائے گی۔

اسی طرح حسد ایک ایسی بیماری اور ایک ایسی آگ ہے، جو رفتہ رفتہ سلگتی چلی جاتی ہے، اور انسان کی نیکیوں کو فنا کر ڈالتی ہے، اور انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میری نیکیاں ختم ہو رہی ہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد سے بچنے کی تاکید فرمائی۔

حسد سے بچنا فرض ہے

لیکن اگر ہم اپنے معاشرے اور ماحول پر نظر دوڑا کر دیکھیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ یہ حسد کی بیماری معاشرے کے اندر چھائے ہوئی ہے، اور بہت کم اللہ کے بندے ایسے ہیں جو اس بیماری سے بچے ہوئے ہیں، اور اس سے پاک ہیں۔ ورنہ کسی نہ کسی درجے میں حسد کا دل میں گذر ہو جاتا ہے، اور اس سے بچنا فرض ہے۔ اس سے بچے بغیر گذارا نہیں، لیکن ہمارا اس طرف دھیان اور خیال بھی نہیں جاتا کہ ہم اس بیماری کے اندر مبتلا ہیں۔

[1] ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الحسد: ۳۱۶/۲

لہٰذا آپ اپنا جائزہ لیجئے کہ کہیں لاشعوری طور پر یہ صفت آپ میں آگئی ہو، کہ آپ نے والد کو دیکھا اور اندازے میں غلطی ہوگئی کہ والد صاحب کسی بہن بھائی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں جو کہ آپ کو حاصل نہیں اس وجہ سے یہ صفت آپ کے اندر نہ آگئی ہو، یا آپ کے دل میں شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ کام تو میں زیادہ کرتا ہوں اور میں ہی والد کا خیال زیادہ رکھتا ہوں، دیر تک دکان میں چلاتا ہوں، ہر بات کو جیسے کہتے ہیں بجا لاتا ہوں، والد صاحب پھر بھی دوسرے بھائی کو ترجیح اور فوقیت دیتے ہیں۔

یا یہ کہ کوئی بہن یا بھائی کمال میں، علم میں یا مال میں آپ سے بڑھ کر ہے تو شیطان کو یہ موقع نہ مل جائے کہ وہ آپ کو بہکا دے، کیونکہ اس نے تو اول دن سے ہی بنی آدم سے دشمنی مول رکھی ہے اور انسانوں کو گمراہ کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔

شیطان نے سب سے پہلا وار جو بنی آدم پر کیا وہ یہی تھا کہ بھائی بھائی میں حسد پیدا کر دیا، اور پھر حسد کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو قتل کر دیا، اور نقصان کس کا ہوا؟

حسد کرنے والے اور قتل کرنے والے کا۔ لہٰذا اب آپ ہوشیار ہوجایئے، اور شیطان کو اس کی چال میں ناکام بنا دیجئے، اور اپنے والدین کی راحت و آرام کا ذریعہ بنیئے۔

اللہ جل جلالہ نے جس حال میں رکھا اس پر راضی رہیئے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوا مَافَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا.﴾[1]

[1] سورۂ نساء، آیت: ۳۲

تَرجَمَۃ: ''ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر بلا دخل فوقیت بخشی ہے اور مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔''

حضرت مفتیٔ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آیت میں ان غیر اختیاری فضائل کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے جو دوسروں کو حاصل ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ انسان جب اپنے کو دوسروں سے مال و دولت، آرام وعیش، حسن وخوبی، علم وفضل وغیرہ میں کم پاتا ہے تو عادۃً اس کے دل میں ایک مادہ حسد کا ابھرتا ہے، جس کا تقاضہ کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ میں بھی اس کے برابر یا زیادہ ہوجاؤں اور بسا اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی۔

کیونکہ بہت سے کمالات ایسے ہیں جن میں انسان کی سعی وعمل کا کوئی دخل نہیں۔ وہ محض قدرت کے انعامات ہوتے ہیں، جیسے کسی شخص کا مرد ہونا یا کسی اعلیٰ خاندانِ نبوت میں یا خاندانِ حکومت میں پیدا ہونا یا حسین وخوب صورت پیدا ہونا وغیرہ کہ جس شخص کو یہ انعامات حاصل نہیں، وہ اگر عمر بھر اس کی کوشش کرے کہ مثلاً مرد ہوجائے یا خاندانی سید بن جائے، اس کا ناک نقشہ قد وقامت حسین ہوجائے، تو یہ اس کی قدرت میں نہیں، نہ کسی دوا اور علاج یا تدبیر سے وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا ہے۔

اور جب دوسرے کی برابری پر قدرت نہیں ہوتی تو اب اس کے نفس میں یہ خواہش جگہ پکڑتی ہے کہ دوسروں سے بھی یہ نعمت چھن جائے تا کہ وہ بھی اس کے برابر یا کم ہوجائیں، اسی کا نام ''حسد'' ہے۔ جو انسانی اخلاق میں انتہائی شرمناک اور مضر خصلت ہے اور دنیا کے بہت سے جھگڑوں اور فسادات قتل وغارتگری کا سبب

ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت نے اس فساد کا دروازہ بند کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ نے بہ تقاضائے حکمت و مصلحت جو کمالات و فضائل لوگوں میں تقسیم فرمائے ہیں، کسی کو کوئی وصف دیدیا، کسی کو کوئی، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، اس میں ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی اور خوش رہنا چاہیے، دوسروں کے فضائل و کمالات کی تمنا میں نہ پڑنا چاہیے، کہ اس کا نتیجہ اپنے لئے رنج و غم اور حسد کے گناہ عظیم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

جس کو حق تعالیٰ نے مرد بنادیا وہ اس پر شکر ادا کرے جس کو عورت بنادیا وہ اسی پر راضی رہے اور سمجھے کہ اگر وہ مرد ہوجاتی تو شاید مردوں کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرسکتی اور گنہگار ہوجاتی، جس کو اللہ تعالیٰ نے خوب صورت پیدا کیا ہے وہ اس پر شکر گذار ہو کہ اس کو ایک نعمت ملی اور جو بدصورت ہے وہ بھی رنجیدہ نہ ہو اور سمجھے کہ میرے لئے اسی میں کوئی خیر مقدر ہوگی۔

اگر مجھے حسن و جمال ملتا تو شاید کسی فتنہ اور خرابی میں مبتلا ہوجاتا، جو شخص نسب کے اعتبار سے سید ہاشمی ہے وہ اس پر شکر کرے کہ یہ نسبت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور جس کو یہ نسبت حاصل نہیں وہ اس فکر میں نہ پڑے اور اس کی تمنا بھی نہ کرے کیونکہ یہ چیز کسی کوشش سے حاصل ہونے والی نہیں، اس کی تمنا اس کو گناہ میں مبتلا کردے گی اور بجز رنج و غم کے کچھ حاصل نہ ہوگا، بجائے نسب پر افسوس کرنے کے اعمال صالحہ کی فکر میں زیادہ پڑے، ایسا کرنے سے وہ بڑے نسب والوں سے بڑھ سکتا ہے۔

بعض آیات قرآنی اور ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں "مسابقت فی الخیرات"، یعنی نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کا حکم یا

دوسروں کے فضائل وکمالات کو دیکھ کر ان کی تحصیل کے لئے سعی وعمل اور جد وجہد کی ترغیب آئی ہے۔

تو وہ ان اعمال وافعال سے متعلق ہے جو انسان کے اختیار میں ہیں اور کسب و اکتساب سے حاصل ہوسکتے ہیں، مثلاً علمی فضائل اور عملی واخلاقی کمالات کسی کے دیکھ کر ان کے حاصل کرنے کی جد وجہد مستحسن اور پسندیدہ عمل ہے، یہ آیت اس کے منافی نہیں، بلکہ آیت کا آخری حصّہ اس کی تائید کررہا ہے، جس میں ارشاد ہے:

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ﴾

تَرجَمَہ: ''یعنی جو کوئی چیز مردوں نے کسب وعمل کے ذریعہ حاصل کی ان کو اس کا حصّہ ملے گا اور جو عورتوں نے سعی وعمل کے ذریعہ حاصل کی ان کو اس کا حصّہ ملے گا۔''

اس میں یہ ارشاد موجود ہے کہ فضائل وکمالات کی تحصیل میں کسب واکتساب اور جد وجہد بیکار نہیں، بلکہ ہر مرد وعورت کو اس کی سعی وعمل کا حصہ ضرور ملے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کسی شخص کے علمی، عملی، اخلاقی فضائل کو دیکھ کر ان کی تمنا اور پھر تمنا پوری کرنے کے لئے سعی وعمل (کوشش اور محنت) اور جد وجہد کرنا مطلوب اور مستحسن ہے۔

یہاں ایک مغالطہ بھی دور ہوگیا جس میں بہت سے ناواقف مبتلا ہوا کرتے ہیں بعض تو غیر اختیاری فضائل کی تمنا میں لگ کر اپنے عیش وآرام اور سکون واطمینان کو دنیا ہی میں برباد کرلیتے ہیں اور اگر نوبت حسد تک پہنچ گئی، یعنی دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا ہونے لگی تو آخرت بھی برباد ہوئی، کیونکہ حسد کے گناہِ عظیم کا ارتکاب ہوا۔

اور بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی سستی، کم ہمتی بلکہ بے غیرتی سے اختیاری فضائل حاصل کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے اور کوئی کہے تو اپنی کم ہمتی اور بے عملی پر

پردہ ڈالنے کے لئے قسمت وتقدیر کے حوالے دینے لگتے ہیں۔

اس آیت نے ایک حکیمانہ اور عادلانہ ضابطہ بتلا دیا کہ جو کمالات وفضائل غیر اختیاری ہیں اور ان میں انسان کا کسب وعمل (کوشش) مؤثر نہیں، جیسے کسی کا عالی نسب یا حسین وخوب صورت پیدا ہونا وغیرہ۔ ایسے فضائل کو تو حوالہ تقدیر کر کے جس حالت میں کوئی ہے اس پر اس کو راضی رہنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

اس سے زائد کی تمنا بھی لغو، فضول اور نقد رنج وغم ہے اور جو فضائل وکمالات اختیاری ہیں جو کسب وعمل سے حاصل ہو سکتے ہیں ان کی تمنا مفید ہے، بشرطیکہ تمنا کے ساتھ کسب وعمل اور جد وجہد بھی ہو اور اس میں اس آیت نے یہ بھی وعدہ کیا کہ سعی وعمل کرنے والے کی محنت ضائع نہ کی جائے گی، بلکہ ہر ایک کو بقدر محنت حصہ ملے گا مرد ہو یا عورت۔

آیت میں اس کے بعد ارشاد ہے ﴿وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اس میں یہ ہدایت ہے کہ جب تم کسی کو کسی کمال میں اپنے سے زائد دیکھو تو بجائے اس کے کہ اس خاص کمال میں اس کے برابر ہونے کی تمنا کرو، تمہیں کرنا یہ چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل وکرم کی درخواست کرو، کیونکہ فضل خداوندی ہر شخص کے لئے جدا جدا صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

کسی کے لئے مال ودولت فضل الٰہی ہوتا ہے، اگر وہ فقیر ہو جائے تو گناہ وکفر میں مبتلا ہو جائے، اور کسی کے لئے تنگی اور تنگدستی ہی میں فضل ہوتا ہے، اگر وہ غنی اور مالدار ہو جائے تو ہزاروں گناہوں کا شکار ہو جائے، اسی طرح کسی کی عزت وجاہ کی صورت میں فضل الٰہی ہوتا ہے، کسی کے لئے گمنامی اور کسمپرسی ہی میں اس کے فضل کا ظہور ہوتا ہے، اور حقیقت حال پر نظر کرے تو معلوم ہو جائے کہ اگر اس کو عزت وجاہ ملتی تو بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا۔

اس لئے اس آیت نے یہ ہدایت دی کہ جب اللہ سے مانگو تو کسی خاص وصف

معین کو مانگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل مانگو، تاکہ وہ اپنی حکمت کے مطابق تم پر اپنے فضل کا دروازہ کھول دے۔

آخر آیت میں فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴾

تَرْجَمَہ: ''اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

اس میں ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی تقسیم عین حکمت اور عین عدل وانصاف ہے، جس کو جس حال میں پیدا کیا اور رکھا ہے، وہی مقتضائے حکمت وعدل تھا، مگر چونکہ انسان کو اپنے اعمال کے عواقب کا پورا پتہ نہیں ہوتا، اس کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ کس کو کس حال میں رکھنا اس کے لئے مفید ہے۔[1]

لہٰذا آپ بھی اپنے اوپر غور کیجیے! کہ اللہ رب العزت نے کتنی نعمتیں آپ کو عطا کی ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمتوں کو اور بڑھادیں جب آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کریں گے تو خود بخود آپ بری صفات مثلاً حسد، بغض وغیرہ سے بچیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائیں اور اخلاقِ رذیلہ سے پاک فرمائیں۔

اور برے اخلاق سے بچنے کے لئے ہر نماز کے بعد اس دعا کا بھی اہتمام کیجیے۔

''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ''[2]

تَرْجَمَہ: ''الٰہی! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بری عادتوں اور برے کاموں اور بری خواہشوں سے۔''

---

[1] معارف القرآن: جلد۲صفحہ۳۸۹

[2] ترمذی، کتاب الدعوات، باب: ۱۹۹/۲

بہن بھائیوں سے جھگڑنا بھی والدین کی تکلیف کا باعث ہے

ہمیں ہر اس کام کے کرنے سے بچنا چاہیے جو والدین کے لئے تکلیف کا باعث ہو، بار بار اپنے بہن بھائیوں کی امی ابو سے شکایت نہیں کرنی چاہیے۔

امی! آپی نے میری پنسل لے لی، بھائی جان نے مجھے کھیلنے نہیں دیا، وغیرہ وغیرہ ...... اس طرح بہن بھائیوں کے ساتھ جھگڑا کرنے سے والدین کو یہ بات پریشان کرے گی، کہ یہ کیسی اولاد ہے آپس میں جھگڑتی رہتی ہے۔

لہٰذا یہ فیصلہ کر لیجیے کہ ہم بہن بھائیوں کی شکایت کبھی امی ابو کے پاس نہیں لے کر جائیں گے، اس کے لئے ہم آپ کو تین تدابیر بتاتے ہیں۔

پہلی تدبیر ...... "خاموشی":

گھر میں آپ کو کوئی ڈانٹے آپ پر تنقید کرے آپ خاموش ہو جائیں آپ کو کتنا بھی غصہ آئے آپ زبان سے کوئی حرف نہ نکالیں، اگر کچھ بولنا ہے تو اتنا کہہ دیجیے غلطی ہو گئی آئندہ خیال رکھوں گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ﴾[1]

تَرجَمَہ: "جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، تو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یا تو بھلی بات کہے یا خاموش رہے۔"

[1] ترمذی، ابوب صفة القيامة، باب: ۷٦/۲

تو آپ اس فضیلت کو سامنے رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کیجیے۔
اور اس فضیلت کے مستحق بن جایئے۔

اب سوچیے اور ذہن بنالیجیے، آج سے بھائی بہن کی غلطیوں پر صبر کروں گا، برداشت کروں گا، کیسی ہی غلطی ہوجائے لیکن برداشت کرلوں گا، اس لئے کہ اس غلطی پر جو صدمہ اور تکلیف مجھے پہنچ رہی ہے، یقیناً وہ کبھی نہ کبھی ختم ہوجائے گی۔ لیکن اس فانی صدمہ پر صبر وحوصلہ کے ساتھ برداشت کرنا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے خالص جذبہ سے معاف کردینے کی باقی رہنے والی فضیلت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے حساب میں جمع ہوجائے گی۔

مثلاً ٹوتھ پیسٹ کی ٹیوب کا ڈھکنا درست طریقے سے بند نہ کرنے یا بجلی کا استعمال کم سے کم کرنے کی تاکید کے باوجود غفلت وکوتاہی پر یا باورچی خانہ میں بلب خراب ہونے اور جلدی نہ بدلنے کی وجہ سے رات کو اندھیرے میں آپ کسی چیز سے ٹکرا گئے، اب اس سے جو تکلیف ہوئی اس پر سخت لہجہ میں آپ نے بھائی یا بہن کو ڈانٹا انہوں نے بھی پلٹ کر غصہ کا انداز اختیار کیا اب ان کے معمولی غصہ پر آپ کو شدید غصہ آئے گا۔

مگر اس پر صبر کیجیے اور یہ سوچیے اور بار بار محاسبہ کیجیے کہ بدزبانی نہ تو ہمیشہ رہے گی اور نہ اس کا نقصان ہمیشہ قائم رہے گا بلکہ صرف بدزبانی جیسی بے بنیاد چیز پر ہم نے اس کے بدلے ایک اور گالی دے دی تو بھائی یا بہن کی اور ہماری دونوں کی بد زبانی کا گناہ دونوں پر باقی رہ جائے گا اور یہ چیز ہم کو دنیا وآخرت دونوں میں نقصان پہنچا سکتی ہے۔

لیکن اگر ہم اس وقتی بدزبانی کو برداشت کر گئے اور جواباً ان کو کہہ دیا کہ اللہ تم کو ہدایت دے جب تمہارا غصہ ختم ہوجائے گا پھر بات کریں گے اور میں تمہیں سمجھادوں گا یا تم مجھے سمجھا دینا جس کی غلطی ہو وہ مان جائے تو یہ دعائیہ جملے ہمارے

واسطے سرمایۂ آخرت اوران کے واسطے ذریعہ ہدایت بن جائیں گے۔

یاد رکھئے! نقصان وصدمہ کے اثرات تھوڑی دیر میں یا تھوڑے دنوں میں ختم ہوجائیں گے لیکن باقی رہنے والی وہ نیکیاں یا برائیاں ہوں گی جو ہمارے اپنے دل اور زبان سے صادر ہوئی ہوں گی۔

اب آپ یہاں پرایک واقعہ پڑھیئے اورغور کیجئے۔

صبر مغفرت کا ذریعہ[1]

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس حضرت مولانا محمود دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند ہی کے باشندے اور بڑے عالم تھے اور ہزاروں علماء کے استاد تھے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے پہلے شاگرد اور مولانا محمود رحمۃ اللہ علیہ پہلے استاد، ان دونوں حضرات سے دارالعلوم کی بنیاد پڑی، ان کی وفات کے بعد کسی نے ان کوخواب میں دیکھا ان سے پوچھا کیا گذری کیا معاملہ ہوا؟

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نے بخش دیا۔

پوچھا: مغفرت کا سبب کیا ہوا؟

فرمایا: کسی اور چیز کے بارے میں تو پوچھا ہی نہیں نہ درس وتدریس کے بارے میں، البتہ کہا گیا کہ فلاں دن تم نے اپنے گھر میں کھچڑی پکانے کو کہا تھا اور کھچڑی میں نمک تیز ہوگیا تھا اور بیوی نے غلطی سے نمک تیز کردیا اور تم نے اس کھچڑی کو صبر کے ساتھ کھالیا اور اپنی بیوی کو کچھ کہا سنا نہیں بلکہ تم نے اس تکلیف کو محض اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر صبر اور تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور اس لئے اس کا اظہار نہیں کیا کہ اس سے اس کا دل دکھے گا۔ اس صبر وتحمل کے نتیجے میں تمہیں بخشا جاتا ہے۔

---

[1] واقعہ نمبر۱۱

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ انعامی وظائف ہوتے ہیں جب کسی کو انعام دینا ہوتا ہے تو معمولی چیز پر بھی انعام دیا جاتا ہے۔[1]

ہم کو اس واقعہ سے یہ سبق حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی نوازنے والے ہیں، اس لئے ہم کو اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ عفو ودرگذر کا معاملہ کرنا چاہیے، اور جب بھی ہم کو اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ کوئی نیکی کرنے کا موقعہ ملے تو ہم کو دریغ نہیں کرنا چاہیے، نہ معلوم اللہ تعالیٰ کو کون سی بات پسند آجائے اور ہمارا کام بن جائے۔

دوسری تدبیر...... "جھگڑوں سے بچنے کے فضائل سوچیں":

فضیلت نمبر (۱): اگر میں نے صبر کرلیا اور خاموش رہ گیا تو اللہ کے حکم پر عمل ہوگا، اور اللہ کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ راضی ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا﴾[2]

تَرجَمَہ: "آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر وسہار رکھو۔"

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس میں مضر پہلوؤں پر تنبیہ کر کے ان سے بچنے کی ہدایت ہے۔ اس میں باہمی نزاع (جھگڑے) کے دو نتیجے بیان کئے گئے ہیں۔

۱ ایک یہ کہ تم ذاتی طور پر کمزور اور بزدل ہوجاؤ گے۔

۲ دوسرے یہ کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی دشمن کی نظروں میں حقیر ہوجاؤ گے۔

---

[1] مثالی استاد: ۳۷۱

[2] سورۃ الانفال، آیت: ٤٦

باہمی کشاکش اور نزاع سے دوسروں کی نظر میں حقیر ہو جانا تو بدیہی امر (واضح بات) ہے لیکن خود اپنی قوت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے کہ اس میں کمزوری اور بزدلی آجائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باہمی اِتحاد و اِعتماد کی صورت میں ہر ایک انسان کے ساتھ پوری جماعت کی طاقت لگی ہوئی ہوتی ہے، اس لئے ایک آدمی اپنے اندر بقدر اپنی جماعت کے قوت محسوس کرتا ہے اور جب باہمی اِتحاد و اعتماد نہ رہا تو اس کی اکیلی قوت رہ گئی وہ ظاہر ہے کوئی چیز نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا "وَاصْبِرُوْا" یعنی صبر کو لازم پکڑو۔ سیاقِ کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نزاع اور جھگڑوں سے بچنے کا کامیاب نسخہ بتلایا گیا ہے اور بیان اس کا یہ ہے کہ کوئی جماعت کتنی ہی متحد الخیال اور متحد المقصد ہو مگر افرادِ انسانی کی طبعی خصوصیات ضرور مختلف ہوا کرتی ہیں۔ اس لئے دوسروں کے ساتھ چلنے اور ان کو ساتھ رکھنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آدمی خلافِ طبع امور پر صبر کرنے اور نظر انداز کرنے کا عادی ہو اور اپنی رائے پر اتنا جماؤ اور اصرار نہ ہو کہ اس کو قبول نہ کیا جائے تو لڑ بیٹھے، اسی صفت کا دوسرا نام صبر ہے۔

آج کل یہ تو ہر شخص جانتا اور کہتا ہے کہ آپس کا نزاع بہت بری چیز ہے مگر اس سے بچنے کا جوگر ہے کہ آدمی خلافِ طبع امور پر صبر کرنے کا خوگر بنے، اپنی بات منوانے اور چلانے کی فکر میں نہ پڑے، یہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے۔

اسی لئے اتحاد و اتفاق کے سارے وعظ و پند بے سود ہو کر رہ جاتے ہیں، آدمی کو دوسرے سے اپنی بات منوانے پر تو قدرت نہیں ہوتی، مگر خود دوسرے کی بات مان لینا، اور اگر اس کی عقل و دیانت کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کو نہ مانے تو کم از کم نزاع سے بچنے کے لئے سکوت کر لینا تو بہر حال اختیار میں ہے، اس لئے قرآن کریم نے نزاع سے بچنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ صبر کی تلقین بھی ہر فرد جماعت کو کر دی تا کہ

نزاع سے بچنا عملی دنیا میں آسان ہوجائے۔[1]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر سے یہ بات ہمارے سامنے اچھی طرح واضح ہوگئی کہ آپس کا اتحاد و اتفاق کس قدر ضروری اور اہم ہے۔ اور اس کے برعکس آپس میں جھگڑنے اور نااتفاقی میں کس قدر نقصان اور خرابی ہے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی فرماتے ہیں:

"کسی شخص کو اگر دوسرے نے تکلیف پہنچائی ہے تو اسے شریعت کی حدود میں رہ کر بدلہ لینے کا حق حاصل ہے۔

لیکن وہ بدلہ لینے کے بجائے اس کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بہت اجر وثواب ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾[2]

ترجمہ: "اور انہیں چاہیئے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں، کیا تم یہ بات پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف کریں۔"

یعنی کوئی شخص دنیا میں ایسا ہے جس سے کوئی نہ کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی ہو، اور ہر شخص یہ بھی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی غلطی کو معاف فرمادیں۔

لہٰذا اگر کسی دوسرے سے کوئی غلطی ہوجائے تو یہ سوچنا چاہیئے کہ جس طرح میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواہش مند ہوں اسی طرح مجھے بھی دوسروں کو معاف کردینا چاہیئے۔

آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو شخص دوسروں کو معاف کرنے کی روش اختیار کرے، ان شاء اللہ امید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی غلطیوں کی مغفرت فرمائیں گے۔[3]"

---

[1] معارف القرآن جلد ۴ صفحہ: ۲۵۲

[2] سورۂ نور: آیت ۲۲

[3] آسان نیکیاں: صفحہ ۵۷

لہٰذا ہم کو ہر حالت میں آپس میں اتحاد و اتفاق برقرار رکھنا چاہیے اور کبھی بھی جھگڑنا اور اختلاف نہیں کرنا چاہیے۔

فضیلت نمبر ②: ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''میں اس شخص کے لئے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔''

اب اندازہ لگایئے جو اپنا دامن جھگڑوں سے بچالے گا باوجود قدرت اور حق پر ہونے کے تو ایسے شخص ہی کو یہ مقام حاصل ہوگا، تو ہم بھی اس مقام کو حاصل کرنے کی سچی کوشش کریں خود بھی اس گر پر عمل کریں اور دوسروں کو اس کی ترغیب بھی دیں کہ جھگڑا نہیں کرنا، سامنے والا شخص غصہ میں ہے تو جواب نہیں دینا، خاموش ہو کر صبر کرنا ہے۔

تیسری تدبیر......''احسان'':

ہم اپنے بھائی بہنوں پر خوب زیادہ احسانات کریں، اپنی حیثیت کے موافق جس عمر کے بھائی بہن ہوں ان کی حیثیت اور عمر کے مطابق ہم ان کو ہدایا دیتے رہیں۔

سب سے اہم، قیمتی اور سستا ہدیہ سلام ہے، ہم اس کی خوب کثرت کریں جیسا کہ حدیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا:

﴿لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟ اَفْشُوا السَّلَامَ

---

[1] ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق:۲/۳۰۵

بَيْنَكُمْ.﴾[1]

تَرجَمَۃ: ”تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ، اور تم ایمان نہیں لاسکتے جب تک کہ تم آپس میں محبت نہ کرو، میں تم کو ایسا کام نہ بتاؤں کہ تم اس کو کرو تو آپس میں محبت کرنے لگ جاؤ، آپس میں سلام کی کثرت کرو۔“

لہٰذا ہم سلام کی خوب کثرت کریں اس سے کینہ بھی دور ہوگا اور محبت بھی بڑھے گی۔

ایک چیز اور ہے ہدیہ دینا یہ بھی محبت کے بڑھنے کا ذریعہ ہے۔ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایا دینے کا بھی حکم فرمایا ہے۔

﴿قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَصَافَحُوْا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادُوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ﴾[2]

تَرجَمَۃ: ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم آپس میں مصافحہ کرو، یہ کینہ کو دور کرتا ہے اور ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، اس سے محبت ہوگی اور دشمنی دور ہوگی۔“

تو ہم ہدایا دینے کا بھی اہتمام کریں خاص طور پر اپنے بہن بھائیوں میں، اور جس بھائی بہن کے ساتھ ہمارا جی نہ چاہتا ہو ان کے ساتھ بھی احسان کا معاملہ کرنا چاہیے، کیونکہ یہی مجاہدہ ہے، یہی قربانی ہے اور اسی پر اجر زیادہ ملے گا، ایک تو نفس کا مجاہدہ کرنے کا اجر، اور دوسرا حسنِ سلوک کا۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعے پر ہم غور کریں کہ اتنی تکالیف اور مظالم کے باوجود کوئی بدلہ نہ لیا بلکہ اپنے بھائیوں کے ظلم اور زیادتیوں کو بھی اپنے والد

---

[1] مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انه لایدخل الجنة الاالمئو منون: ۱/۵٤

[2] مؤطا مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في المهاجرة: ص٧٠٦

صاحب سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام سے چھپایا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

''برادران یوسف سے جو خطا اس سے پہلے سرزد ہوئی، وہ بہت سے کبیرہ اور شدید گناہوں پر مشتمل تھی۔

1. مثلاً اول جھوٹ بول کر والد کو اس پر آمادہ کرنا کہ وہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ تفریح کے لئے بھیج دیں۔
2. دوسرے والد سے عہد کر کے اس کی خلاف ورزی۔
3. تیسرے چھوٹے معصوم بھائی سے بے رحمی اور شدت کا برتاؤ۔
4. چوتھے ضعیف والد کی انتہائی دل آزاری کی پرواہ نہ کرنا۔
5. پانچویں ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانا۔
6. چھٹے ایک آزاد انسان کو جبراً اور ظلماً فروخت کر دینا۔[1]

ان تمام تکالیف کا حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ ہی بدلہ لیا بلکہ فرمایا:

﴿مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ﴾[2]

تَرْجَمَہ: ''اس اختلاف کے بعد جو شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈال دیا تھا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے ظلم اور جور کو شیطان کی طرف منسوب کیا، بلکہ ظلم کرنے والے بھائیوں کی صفائی اس طرح پیش کی کہ ''بھائیوں کا ظلم و جور، سو اس کو بھی شیطان کے حوالے کر کے اس طرح بے باق (ختم) کر دیا کہ میرے بھائی تو ایسے نہ تھے جو یہ کام کرتے، شیطان نے ان کو دھوکے میں ڈال کر یہ فساد کروا دیا۔[3]''

---

[1] معارف القرآن جلد ۵ صفحہ ۱۰۴

[2] سورۂ یوسف، آیت: ۱۰۰ [3] معارف القرآن: جلد ۵ صفحہ ۱۴۸

لہٰذا یوسف علیہ الصّلاۃ والسلام کے واقعہ سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہئے کہ اتنی تکالیف برداشت کیں، اتنے سال جیل میں رہے، اتنے سال والدین کی جدائی برداشت کی، اتنے سال غلامی والی زندگی گذاری، لیکن پھر بھی بھائیوں سے یہ نہ کہا کہ دیکھو تم ایسے ...... تم نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ...... ایسا سلوک کیا ...... بلکہ برادرانِ یوسف علیہ السلام جب قحط سالی کی سختی کی وجہ سے مصر پہنچے اور جب ان کی ملاقات حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ السلام سے ہوئی اور بھائیوں نے جب عزیز مصر کی زبان سے اس یوسف (علیہ السلام) کا تذکرہ سنا، جسے انہوں نے بچپن میں کنعان کے ایک تاریک کنویں میں پھینک دیا تھا، تو وہ حیران بھی ہوئے اور غور سے دیکھنے پر مجبور بھی کہ کہیں ہم سے ہم کلام بادشاہ یوسف ہی تو نہیں؟

ورنہ یوسف علیہ السلام کے قصے کا اسے کس طرح علم ہوسکتا ہے؟

چنانچہ انہوں نے سوال کیا کہ کیا تو یوسف ہی تو نہیں؟

سوال کے جواب میں اقرار واعتراف کے ساتھ، اللہ کے احسان کا ذکر اور صبر و تقویٰ کے نتائج حسنہ (اچھے نتائج) بھی بیان کر کے بتلا دیا کہ تم نے تو مجھے ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت (کوئی لمحہ ضائع نہ کیا) نہیں کیا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ کنویں سے نجات عطا فرمائی بلکہ مصر کی فرماں روائی بھی عطا فرمادی اور یہ نتیجہ ہے اس صبر اور تقویٰ کا، جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے دی۔

بھائیوں نے جب یوسف علیہ السلام کی یہ شان دیکھی تو اپنی غلطی اور کوتاہی کا اعتراف کرلیا سب نے یک زبان ہوکر کہا:

﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴾[1]

تَرجَمَۃ: ”اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم سب پر فضیلت اور برتری

---

[1] سورۂ یوسف، آیت: ۹۱

عطا فرمائی اور آپ اسی کے مستحق تھے، اور ہم نے جو کچھ کیا بے شک ہم اس میں خطاوار تھے، للہ معاف کر دیجیے۔"

یوسف علیہ الصلوٰۃ السلام نے جواب میں اپنی پیغمبرانہ شان کے مطابق فرمایا:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾[1]

تَرجَمَہ: "جو ہوا، سو ہوا آج تمہیں کوئی سرزنش اور ملامت نہیں کی جائے گی۔"

فتح مکہ والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ کے ان کفار اور سردارانِ قریش کو، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے اور آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی تھیں، یہی الفاظ ارشاد فرما کر انہیں معاف فرما دیا تھا۔

یہاں ایک منٹ ٹھہر کر غور کیجیے، کہ آج اگر کسی کو اتنے مصائب کا سامنا کرنا پڑے، جتنے حضرت یوسف علیہ السلام پر گذرے، اور والدین سے اتنی طویل مفارقت (جدائی) اور مایوسی کے بعد ملنے کا اتفاق ہو تو وہ والدین کے سامنے اپنی سرگزشت کیا بیان کرے گا، کتنا روئے گا اور رلائے گا، اور کتنے دن رات مصائب کی داستان سنانے میں صرف کرے گا۔

مگر یہاں طرفین (دونوں طرف) میں اللہ کے رسول اور پیغمبر ہیں۔[2]

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی نہ ہی والدین سے ملاقات کے وقت شکایت لگائی، کہ دیکھو ان بھائیوں نے میرے ساتھ ایسا ...... ایسا ...... سلوک کیا، بلکہ والد سے ملاقات کے وقت مصیبتوں اور پریشانیوں کا تو ذکر ہی نہ فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو ملا دیا۔

لہٰذا ہم سب کو اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے والدین کے ساتھ

[1] سورۂ یوسف، آیت: ۹۲

[2] معارف القرآن: جلد۵ صفحہ ۱۴۷

نہایت ہی حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آئیں، ان کی بات مانیں، ان کا ہر طرح سے آرام اور سکون کا خیال رکھیں، اور ہر اس بات سے جو ان کے لئے پریشانی و تکلیف کا باعث ہو مثلاً بھائی بہنوں کی شکایتیں لگانے سے بچیں۔

قرآن کریم پڑھنے والے ہر شخص سے یہ سورۂ یوسف مطالبہ کرتی ہے کہ ہم اپنے بہن بھائیوں کو معاف کرنا سیکھیں، ان کے عیوب پر پردہ ڈالیں، ان کی کمیوں، کوتاہیوں سے تجاوز کریں (معاف کریں)، ان کی ایذاؤں پر صبر کریں۔

نہ والدین کو شکایت لگائیں نہ کورٹ میں مقدمہ قائم کریں، نہ ناعاقبت اندیش (انجام نہ سوچنے والی) بیوی، یا غیر دیندار دوستوں کے کہنے پر بھائیوں سے انتقام لیں۔ چھوٹے بھائی بہنوں کی تعلیم و تربیت، اور بڑے بھائی بہنوں کی تنقید اللہ تعالیٰ کے لئے برداشت کرنا دماغ نچوڑنے، اور ہڈیوں کا گودا گھلانے کا کام ہے۔

یاد رکھیے! بھائی کے اجزائے ترکیبی میں ضبطِ نفس، فراخ حوصلگی (بڑا حوصلہ)، صبر و ثبات، قوتِ برداشت، سلامتیِٔ ذہن و فکر اور جگر سوزی و دل سوزی اور تہجد کی دعائیں شامل ہیں۔ بڑا بھائی کبھی جلد باز نہیں ہوتا، بڑا بھائی بے حوصلہ نہیں ہوتا، بڑا بھائی چڑ چڑا نہیں ہوتا، بڑا بھائی بدخواہ نہیں ہوتا بلکہ بڑے بھائی اور بڑی بہن کو خصوصاً زندگی کا ہر لمحہ پل صراط پر سے گذر کر اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے جذبے کے ساتھ بسر کرنا پڑتا ہے۔

والدین اور بھائی بہنوں میں سے ہر بھائی کو کئی گناہ زیادہ دل سوزی، دردمندی اور خیر خواہی کے جذبات سے معمور اور تلخ کلامی اور سخت بیانی سے اتنا ہی دور ہونا چاہیئے جتنا مشرق و مغرب کے مابین فاصلہ ہے۔ کیونکہ بڑا بھائی، بڑی بہن اپنی منزل کہکشاں سے ہو کر نہیں، کانٹوں اور پتھروں سے گزر کر حاصل کرتے ہیں۔

لہٰذا ہر بھائی بہن سے ہماری دلی دردمندانہ گزارش ہے کہ معصوم نونہالوں کے ساتھ محبت، اپنائیت، رحمت و شفقت، ہمدردی کا سلوک کیجیے۔

یاد رکھیئے! بھائی، بہنوں کو جھڑکا نہیں جاتا، جھڑکا نہیں جاتا، اور انہیں ٹوکا نہیں جاتا۔ انہیں بلایا جاتا ہے، پاس بٹھایا جاتا ہے اور دلیل اور پیار کے ساتھ سمجھایا جاتا ہے۔ اور پھر دعائیں دی جاتی ہیں، فرض نمازوں کے بعد ایک ایک بھائی بہن اور ان کی اولاد کا نام لے کر دعائیں مانگ کر ان کو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے قبول کروایا جاتا ہے ؎

کبھی ہم نے برا نہ مانا ایذا دینے والوں کا
زیادہ سے زیادہ اپنی قسمت کا لکھا سمجھا
اے دوست دل میں گردِ کدورت نہ چاہیئے
اچھے تو کیا بروں سے بھی نفرت نہ چاہیئے
کہتا ہے کون پھول سے رغبت نہ چاہیئے
کانٹے سے بھی مگر تجھے وحشت نہ چاہیئے
کانٹے کی رگ میں ہے لہو سبزہ زار کا
پالا ہوا ہے وہ بھی نسیمِ بہار کا[1]

یاد رکھیئے! بہن بھائیوں کا رشتہ اللہ کا دیا ہوا عطیہ ہے، جس طرح ہم خود کسی کو اپنا حقیقی بھائی یا بہن نہیں بنا سکتے، اسی طرح قدرت نے ہمیں یہ اختیار نہیں دیا کہ ہم اس قدرت کے بنائے ہوئے رشتوں کو توڑ دیں۔

والدین کی زندگی میں بھی اور ان کی موت کے بعد بھی ان کیلئے یہ سخت تکلیف دہ بات ہوگی کہ ہم اس رشتے پر کسی قسم کا داغ دھبہ لگائیں، اس رشتے کی مثال ایسی ہے جیسے صندل کا درخت کہ اپنے کلہاڑی مارنے والے کے لئے بھی خوشی کا پیغام لاتا ہے کہ کلہاڑے کے منہ کو خوشبودار بنادیتا ہے حالانکہ وہ اس کو ختم کرنے آیا تھا۔

اسی طرح آپ اگر بڑے بھائی ہیں تو سوچیئے کہ میں چھوٹے بھائی بہنوں کے

---
[1] مخزن اخلاق صفحہ ۲۰۶

لئے والد کی جگہ پر رحمت کا سایہ ہوں۔ اور اگر آپ چھوٹے بھائی ہیں تو سوچیے کہ میں بڑے بھائی بہنوں کے لئے کس طرح صبر اور خاموش رہ کر ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاؤں۔

اور اگر آپ بہن ہیں تو سوچیے کہ میں اس نعمت کی جو اللہ نے مجھے بھائی بہن دیئے ہیں کیسے قدر کرنے والی بن جاؤں، بھابھیوں کی بدزبانی، غلط بیانی، الزام تراشی، بدگمانی کا عیب چھپا کر کس طرح بھائی اور بھابھی میں محبت برقرار رکھ سکوں، بھابھی کی شکایت لگا کر میاں بیوی میں اختلاف پیدا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

لہٰذا ہماری نہایت ہی ادب سے عاجزانہ گزارش ہے ہر بھائی بہن سے کہ وہ گھر میں جھگڑا نہ ہونے دیں، چاہے اس کو سونے، چاندی کے ٹکڑے یا زمینوں کے ٹکڑے کم ملیں وہ اس پر صبر کرے اور یقین رکھے کہ دینے والا مُعْطِیْ اللّٰہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے وہ جس کو جو دینا چاہے کوئی روک نہیں سکتا۔

اگر میرے مقدر میں یہ پلاٹ ...... یہ زمین ...... یہ سونا ہوگا تو آج بھائی بہنوں نے ظلماً چھین لیا ہے کوئی بات نہیں، اللہ ان کو بہت دے اور مجھے بھی ضرور مل جائے گا۔ اگر میرے مقدر میں نہیں ہے تو بھائی بہنوں نے مجھے دے بھی دیا تو مجھ سے ضائع ہو جائے گا، یا میں اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکوں گی۔

اس لئے کسی حال میں بھی بھائی بہن سے جھگڑا نہ کریں، ان پر تنقید نہ کریں ان کی غیبت نہ کریں، اور اگر وہ تنقید کریں تو خاموشی کے ساتھ صبر کریں انتقام کا جذبہ نہ اُبھرنے دیں۔

بزرگوں کا قول ہے: ”انتقام بسا اوقات ایسا ہے کہ گویا کتے کو کاٹا اس لئے کہ اس نے ہمیں کاٹا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہم سب کی جذبۂ انتقام سے حفاظت فرمائے اور آپس میں محبت عطا فرمائے، اس کے لئے تشہد کے بعد یہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو

سکھائی تھی کہ تشہد کے بعد یہ دعا مانگنے کا فرمایا کرتے تھے، تو آپ بھی تشہد کے بعد بھائی بہنوں میں محبت پیدا کرنے کے لئے اور آپس کی رنجشوں کی اصلاح کرنے کے لئے اس دعا کو مانگنے کا اہتمام کریں۔

﴿اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا، وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا، وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ، وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنهَا وَمَا بَطَنَ، وَبَارِكْ لَنَا فِي اَسْمَاعِنَا، وَاَبْصَارِنَا، وَقُلُوْبِنَا، وَاَزْوَاجِنَا، وَذُرِّيّٰتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا.﴾[1]

ترجمہ: "اے اللہ! تو ہمارے دلوں میں باہم محبت پیدا کر دے، اور ہماری آپس کی رنجشوں کی اصلاح فرمادے۔ اور ہم کو سلامتی کے راستے دکھا، اور نور عطا فرما کر تاریکیوں سے نجات دے، اور سب بے حیائیوں سے ہم کو بچالے جو اِن میں کھلی ہوئی ہیں اور جو پوشیدہ ہیں۔ اور ہمارے کانوں میں اور آنکھوں میں اور دلوں میں اور ہماری بیبیوں میں اور بچوں میں برکت عطا فرما اور ہماری توبہ قبول کر کیونکہ تو ہی سب سے بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ اور ہم کو اپنی نعمتوں کا شکر گذار اور ان پر تعریف کرنے والا اور اس کا قبول کرنے والا بنادے اور ہمارے اوپر اپنی نعمت پوری فرمادے۔"

والدین کی وفات کے بعد بہن بھائیوں سے میراث کے لئے جھگڑا نہ کریں

والدین کی وفات کے بعد یا زندگی میں ہی بہن بھائیوں سے سونے چاندی کے

[1] ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب التشہد: ۱/۱۳۹

چند ٹکڑوں اور زمین کے پلاٹوں کے لئے جھگڑا نہ کریں، اگر آپ کو میراث میں سے آپ کا جائز حصہ نہیں ملا تو صبر کیجیے، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہیے، اچھے طریقے سے خاندان کے بڑوں کے ذریعے بھائی بہن کو سمجھایئے، اگر وہ نہ دیں، ٹال مٹول کریں تو اس پر صبر کیجیے۔

اپنے والد صاحب کے نام کو روشن کریں، ان کی عزت پر، ان کے وقار پر حرف نہ آنے دیں، غور کیجیے! آپ کو بہت سارا مال مل بھی گیا تو کیا ہوگا؟

آخر سب کچھ چھوڑ کر جانا ہے۔

تنویر الاذہان ج ۲/۷۸ میں ہے کہ کسی دانا سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو مٹھیاں بند ہوتی ہیں، اور جب مرتا ہے تو مٹھیاں کھلی ہوتی ہیں، اس دانا نے دو شعر پڑھے:

"مَقْبُوضٌ كَفُّ الْمَرْءِ عِنْدَ وِلَادَةٍ
دَلِيْلٌ عَلَى الحِرْصِ الْمُرَكَّبِ فِي الْحَيِّ
وَمَبْسُوطٌ كَفُّ الْمَرْءِ عِنْدَ وَفَاتِهٖ
يَقُوْلُ اُنْظُرُوْا اِنِّيْ خَرَجْتُ بِلَاشَيْءٍ"[1]

تَرجَمہ: "پیدائش کے وقت انسان کی مٹھی کا بند ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ زندگی حرص و حوص پر مبنی ہے۔

اور مرنے کے وقت مٹھیوں کا کھلا ہونا اعلان ہے اس بات کا لوگو! دیکھ لو میں دنیا سے خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔"

سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں[2]

تنویر الاذہان ج ۲/ص ۳۶۱ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وسیع و عریض حکومت اور

---

[1] گناہوں کے پہاڑ اور بخشش کا سیلاب: صفحہ ۸۹

[2] واقعہ نمبر ۱۲

لمبے چوڑے خزانوں کے مالک ایک بادشاہ نے اپنے ہاں ایک عظیم الشان دعوت کا انتظام کیا، جس میں رنگا رنگ کھانے اور عجیب وغریب مشروبات کا انتظام تھا۔

بادشاہ نے اپنی اس دعوت میں تمام امراء اور وزراء کو مدعو کیا، جب کھانا کھانے لگے تو اچانک ایک فقیر آیا اور اس نے محل کا بڑا دروازہ اس زور سے کھٹکھٹایا کہ تخت ہل گیا، خدام نے اس فقیر کو خوب ڈانٹا اور کہا کہ تو بڑا حریص فقیر ہے، یہ کیا بدتمیزی ہے ذرا صبر کرو ہم کھانا کھالیں پھر تجھے بھی کھلائیں گے، تو وہ کہنے لگا کہ مجھے تمہارے کھانے کی کوئی ضرورت نہیں، میں تو اس دارِفانی کے بادشاہ کی روح قبض کرنے آیا ہوں، ابھی وہ لوگ یہ بات سمجھنے بھی نہ پائے تھے کہ بادشاہ مر کر تخت سے نیچے جاگرا (اور سب کچھ دھرے کا دھرا رہ گیا) اور وہ فقیر (جو ملک الموت تھا) نظروں سے غائب ہوگیا، بس بربادی ہے اس کی جس کو دنیا نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

بادشاہت چاہیئے یا پانی کا ایک گھونٹ [1]

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ ج ۵/ص ۲۵۵ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ کہیں جنگل میں گیا جہاں پانی نہ تھا، اس کو پیاس لگی، تلاش کے باجود پانی نہ ملا، اچانک غیب سے ایک شخص نمودار ہوا، جس کے پاس پانی تھا۔

بادشاہ نے اس سے پانی مانگا، اس نے پانی دینے سے انکار کردیا، بادشاہ کی جان جانے لگی تو نہایت گریہ وزاری سے کہنے لگا: پانی پلادو، میں آدھی بادشاہت تجھے دیتا ہوں، اس نے پانی دے دیا، کچھ دیر بعد اس کو پیشاب کی تکلیف ہوئی کہ پیشاب نہیں نکل رہا، بادشاہ نے اس آدمی کو کہا: کچھ علاج کرو کہ پیشاب نکل آئے باقی آدھی بادشاہت بھی تجھے دیتا ہوں، اس نے دعا کی پیشاب نکل آیا، تو وہ آدمی کہنے لگا:

---

[1] واقعہ نمبر ۱۳

"يَسْوِى نِصْفُهُ لِدُخُوْلِ شُرْبَةٍ وَنِصْفُهُ لِخُرُوْجِهَا، لَا قِيْمَةَ لَهُ فَكَيْفَ اَخْتَارُهُ."

تَرجَمہ: "کہ تیرے سارے ملک اور بادشاہت کی قیمت یہ ہے کہ آدھا ملک تو تو نے پانی کے چند گھونٹ پینے میں دے دیا اور باقی آدھا ملک اس پانی کو پیشاب کے ذریعے نکالنے میں پیش کر دیا، تو میں اسے کیسے اختیار کروں۔"

چنانچہ حدیث میں آیا ہے اگر پوری دنیا کی قیمت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ ملتا۔[1]

صاحب تنویرالاذہان نے ج ۱/۳۵۵ میں اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھا ہے:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾[2]

تَرجَمہ: "آپ کہہ دیں کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور متقی کے لئے آخرت بہتر ہے۔"

آخرت دنیا سے بہتر ہے کیونکہ دنیا کی نعمتیں کم اور آخرت کی زیادہ ہیں، دنیا کی نعمتیں ختم ہونے والی اور آخرت کی نعمتیں ابدی ہیں، دنیا کی نعمتیں فکر وغم اور مصائب کے ساتھ مخلوط، جب کہ آخرت کی نعمتیں صاف وشفاف، دنیا کی نعمتیں مشکوک کیونکہ بڑے سے بڑا اور پرعیش زندگی گذارنے والا بھی نہیں جانتا کہ اگلے دن میرا کیا انجام ہوگا، جب کہ آخرت کی نعمتیں یقینی ہیں۔ تو عاقل کے لئے لازم ہے کہ وہ آخرت کو اختیار کرے جو ہر خیر سے پُر ہے اور دنیا سے پرہیز کرے جو ہر شر سے بھری ہوئی ہے۔[3]

منقول ہے کہ ایک شخص نے کسی سے مکان خریدا اور کہا کہ اس کی رجسٹری لکھ

---

[1] ترمذی، "كِتَابُ الزُّهْدِ، بَابُ مَاجَاءَ فِي هَوَانِ الدُّنْيَا عَلَى اللهِ": ۲/۵۸

[2] سورۂ نساء آیت:۷۷

[3] گناہوں کے پہاڑ اور بخشش کا سیلاب: صفحہ ۸۷

دو، اس نے یوں لکھا:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

امّابعد! ایک فریب خوردہ نے دوسرے فریب خوردہ سے مکان خریدا اور غافلوں کی گلی میں آ داخل ہوا، یہ ایسا مکان ہے کہ صاحبِ مکان کو بقا نہیں، اس کے حدود اربعہ مندرجہ ذیل ہیں۔

* پہلی حد تو موت تک پہنچتی ہے۔
* دوسری حد موت سے لے کر قبر تک ہے۔
* تیسری حد قبر سے لے کر میدان حشر تک جاتی ہے۔
* اور اس کی چوتھی حد یہاں سے دوزخ یا جنت تک جاتی ہے۔

فقط والسلام

رجسٹری کی یہ تحریر دیکھ کر مالک نے جب خریدار کو سنائی تو اس نے مکان واپس کردیا اور تمام رقم صدقہ کردی اور زہد وتقویٰ اختیار کرلیا، یہ ان لوگوں کا حال ہے جو حقیقت سے شناسا ہیں، مگر دنیا سے غافل لوگ دنیا کی تعمیر میں اپنی آخرت برباد کررہے ہیں۔

زاہد بچہ[1]

تنویر الاذہان ۴۵/۳ میں ایک واقعہ لکھا ہے:

حضرت بہلول رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ وہ بصرہ کی کسی سڑک سے گذر رہے تھے اور بچے اخروٹ اور باداموں کے ساتھ کھیل رہے تھے اور ایک بچہ ان کو دیکھ کر رو رہا تھا، میں سمجھا کہ اس بچے کے پاس اخروٹ وغیرہ نہیں ہیں جن سے یہ بھی کھیلے، اس لئے حسرت سے رو رہا ہے، میں نے پوچھا: بچہ! تو کیوں رو رہا ہے؟

---

[1] واقعہ نمبر۱۴

میں تجھے بھی یہ چیزیں خرید دیتا ہوں، تا کہ تو بھی ان کے ساتھ کھیل میں شریک ہو سکے، بچے نے نظر اٹھا کر جو مجھے دیکھا اور یوں گویا ہوا: ارے بھائی! ہم کھیل کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، میں نے کہا تو پھر ہم کس لئے پیدا کئے گئے ہیں؟

اس نے کہا: علم اور عبادت کے لئے، میں نے کہا: یہ تو نے کہاں سے سیکھا؟ کہنے لگا: قرآن کی اس آیت سے:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: ”کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے اور تم لوٹ کر ہمارے پاس نہیں آؤ گے۔“

پھر اس نے عربی کے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

”میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا بن ٹھن کر چل رہی ہے، نہ تو دنیا کسی زندہ کے لئے باقی رہے گی اور نہ کوئی زندہ دنیا کے لئے رہے گا، گویا کہ موت اور حادثات تیز رفتار گھوڑے کی طرح انسان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ بس اے دنیا کے فریب خوردہ ٹھہر جا اور اس دنیا سے اپنے لئے کوئی کار آمد چیز حاصل کر۔[2]“

لہٰذا آپ بھی اپنی قدر، اپنے مرتبے کو پہچانیئے اور اس حقیر دنیا کو جس کی حیثیت مچھر کے برابر بھی نہیں ہے، جو دھوکہ کا گھر ہے، یہ دنیا اگر آپ کے سامنے اپنی اصلی حالت میں آجائے، تو آپ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کریں گے۔

اس کے دھوکے میں آنے سے بچیئے کہ ذرا سے زمین کے ٹکڑے اور سونے چاندی کے ٹکڑوں، اور مال و جائیداد کے پیچھے اپنی دنیا و آخرت اپنے ہاتھوں تباہ نہ

---

[1] سورۃ المؤمن آیت:۱۱۵

[2] گناہوں کے پہاڑ اور بخشش کا سیلاب: صفحہ ۸۸

کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے جتنا آپ کو دیا ہے اس پر صبر کیجئے، اس پر شکر ادا کیجئے، اگر آپ کے مقدر میں ہوگا تو اللہ تعالیٰ آپ کو اور دیں گے، اگر آپ اس حقیر دنیا کے چکروں پڑ گئے اور اس کے پیچھے آپ نے بہن بھائیوں سے جھگڑا کیا، کسی بھائی بہن کے ساتھ ناانصافی کی، کسی بہن بھائی کا حق دبایا، تو یاد رکھیئے! یہ دنیا تو چند دن کی ہے ختم ہوجائے گی اس کا کوئی بھروسہ نہیں، اور جب موت آئے گی تو یہ سب کچھ مال و جائیداد...... یہ زمین...... یہ بینک بیلنس...... یہ گاڑیاں...... یہ کارخانے...... وغیرہ سب یہیں رہ جائے گا، کچھ بھی ساتھ نہ جائے گا۔

بلکہ ہم سب کو ایک ایک چیز کا حساب دینا پڑے گا، اگر ہم نے یہ چیزیں ناجائز طریقوں سے حاصل کی ہوں گی، کسی کو دھوکہ دے کر، کسی پر ظلم کر کے تو ہمارے لئے چھٹکارہ پانا مشکل ہوگا۔

کیونکہ حدیث میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ أَخَذَ شَيْأً مِنَ الأَرْضِ بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى سَبعِ أَرْضِيْنَ.﴾[1]

تَرجَمَہ: ''جس شخص نے کسی دوسرے کی کچھ بھی زمین ناحق لے لی تو قیامت کے دن وہ اس زمین کی وجہ سے (اور اس کی سزا میں) زمین کے ساتوں طبق تک دھنسایا جائے گا۔''

اسی طرح ایک اور حدیث شریف پڑھیئے اور غور کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا.﴾[2]

[1] بخاری، كِتَابُ بدءِ الخَلقِ، بَابُ مَاجَاءَ فِي سَبعِ أَرْضِيْنَ: ۱/۴۵۳

[2] ترمذی، كِتَابُ النِكاحِ، بَابُ مَاجَاءَ مِن النَّهي عَنِ النِكاحِ الشِّغَار: ۱/۲۱۳

ترجمہ: ”جس نے کسی کی کوئی چیز چھین لی اور لوٹ لی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

یہ وعید انتہائی سخت وعید ہے کہ کسی کی چیز کا چھیننے والا اور غصب کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اور آپ کے لوگوں میں سے نہیں ہے۔

لہٰذا! سوچیے اور غور کیجیے! کہ کہیں ہم کو شیطان نے دنیا کے دھوکے میں تو مبتلا نہیں کردیا ہے، اگر ایسا ہے تو حق دار کو اس کا حق دیجیے، مظلوم سے معافی مانگیے اور اس کو اس کا بدلہ ادا کیجیے۔

گوشت کا پتھر بننا[1]

ام المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی شخص نے گوشت کا ایک ٹکڑا (پکا ہوا) ہدیہ کے طور پر پیش کیا، چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت کا بہت شوق تھا، اس لئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خادمہ سے فرمایا:

﴿ضَعِيْهِ فِي الْبَيْتِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ فَوَضَعَتْهُ فِيْ كُوَّةِ الْبَيْتِ﴾

ترجمہ: ”اس کو اندر رکھ دے شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت نوش فرمالیں۔ خادمہ نے اس کو اندر طاق میں رکھ دیا۔“

اس کے بعد ایک سائل آیا اور دروازے پر کھڑے ہوکر سوال کیا کہ کچھ اللہ کے واسطے دے دو، اَللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ تمہارے یہاں برکت فرمائے۔

گھر میں سے جواب ملا کہ اللہ تجھے برکت دے (یہ اشارہ تھا کہ کوئی چیز دینے کے لئے موجود نہیں) وہ سائل تو چلا گیا۔ اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] واقعہ نمبر ۱۵

تشریف لائے، اور ارشاد فرمایا: میں کچھ کھانا چاہتا ہوں، کوئی چیز تمہارے یہاں ہے؟

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خادمہ سے فرمایا: جاؤ وہ گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دو، وہ اندر گئیں اور جا کر دیکھا کہ طاق میں گوشت تو نہیں ہے، سفید پتھر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا ہے (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ معلوم ہوا تو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿فَإِنَّ ذٰلِكَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَةً لَمَّا لَمْ تُعْطُوْهُ السَّائِلَ﴾[1]

تَرجَمَہ: "جب تم نے وہ گوشت سائل (فقیر) کو نہ دیا تو وہ گوشت پتھر کا ٹکڑا بن گیا۔"

لہٰذا ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچیے! کہ سائل کو نہ دینے کی وجہ سے جب گوشت پتھر کا ٹکڑا بن گیا، حالانکہ وہ اس کا حق بھی نہیں تھا تو بھائی بہن کا حق ہوتے ہوئے ان کو نہ دینا کتنی مصیبتوں اور پریشانیوں کا سبب بنے گا۔

آپ یہ نہ سمجھیے کہ ہم کو فلاں بہن بھائی کا حصہ نہ دینے کی وجہ سے اتنا ہم کو مل رہا ہے، بلکہ یہ جو ہم کو بظاہر ملتا ہوا نظر آ رہا ہے، یہ ہمارے پیٹ میں جا کر لاعلاج بیماریوں کا .... عدالتوں کی پریشانیوں کا .... چور ڈاکوؤں کے ہاتھ لٹنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

ہم نے بہن بھائیوں کا حق دبایا تو والدین کے لئے زندگی اور موت کے بعد بھی ان کے لئے پریشانی کا سبب بنے گا۔

والدین کے انتقال کے بعد بہنوں کو حق نہ دینا، یا ان کو صرف حج کروا دینا .... بہن کے بیٹے کو منیجر بنوا دینا .... وغیرہ کافی نہیں، بلکہ ہمیں تو اپنا حق بھی بہن بھائیوں کو دے دینا چاہیے اگر بہن بھائی ہمارے ساتھ نا انصافی کا معاملہ بھی کریں تو بھی ہمیں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے حدیث شریف

[1] مشکوٰۃ، بَابُ الْإِنْفَاقِ وَكَرَاهِيَةِ الْإِمْسَاكِ: ص۱۶۶

میں آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ: اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَحْسَنَّا، وَاِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا، وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ، اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْا، وَاِنْ اَسَاؤُا فَلَا تَظْلِمُوْا.﴾[1]

تَرْجَمَہ: "تم دوسروں کی دیکھا دیکھی کام نہ کرو کہ یوں کہنے لگو، اگر لوگ ہمارے ساتھ بھلائی کریں تو ہم بھی ان کے ساتھ بھلائی کریں اور اگر لوگ ہمارے اوپر ظلم کریں تو ہم بھی ان پر ظلم کریں، بلکہ تم اپنے آپ کو اس بات پر قائم رکھو کہ اگر لوگ بھلائی کریں تو تم بھی بھلائی کرو اور اگر لوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم نہ کرو۔"

ایک پڑوسی نے اپنے پڑوس کے گھر میں ایک پیالہ بھیجا کہ تھوڑا سا شہد دے دیجیے بعد میں ہم آپ کو دے دیں گے، صاحبِ خانہ نے شہد کی پوری بوتل اٹھا کر دے دی۔

بچے نے ابو سے پوچھا: کہ ابو! وہ تو پیالہ میں شہد مانگ رہے تھے تھوڑا سا دینا ہی کافی تھا، آپ نے پوری بوتل ہی دے دی؟

والد صاحب نے فرمایا: وہ اپنا ظرف لائے تھے، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ظرف کے حساب سے دیں۔

حدیث شریف میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَيْتاً يُقَالُ لَهُ: بَيْتُ السَّخَاءِ﴾[2]

"جنت میں ایک گھر ہے جس کو سخاوت کا گھر کہا جاتا ہے۔"

لہٰذا ہمیں بھی اپنے بہن بھائیوں کا حق ادا کرنا چاہیے بلکہ ان کے ساتھ حسنِ

---

[1] ترمذی، اَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ مَاجَاءَ فِي الْاِحْسَانِ وَالْعَفْوِ: ۲۱/۲

[2] الترغیب والترہیب: ۲۶۰/۳

سلوک اور سخاوت کا معاملہ کرنا چاہیے، نہ یہ کہ ان کا حق دبائیں ان کے مکان، جائیدار وغیرہ پر قبضہ کریں اور پھر پریشان ہوکر عاملوں کے چکر کاٹنا، کہ اس مکان میں جنات آگئے یا ہم پر کسی نے جادو کروا دیا ہم پر کسی نے سفلی کروا دیا، یا ہمیں فلاں کمپنی نے نقصان پہنچوا دیا یا فلاں شخص نے ہم پر کیس کردیا اب روزانہ عدالت کے چکر لگا کر پریشان ہونا۔

حالانکہ جنات ایک ضعیف مخلوق ہے اللہ کے حکم کی تابع ہے اللہ کے حکم کے بغیر کوئی جن کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اللہ کے حکم کے بغیر کوئی جادو کوئی سفلی عمل اثر نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ﴾[1]

تَرجَمَہ: ”وہ بغیر اللہ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“

لہٰذا ایسے مصائب اور بلاؤں کے آنے پر یہ غور کیا جائے کہ ہم نے کسی صاحب حق کا حق تو نہیں دبایا، کسی پر ظلم تو نہیں کیا، گاہک کو دھوکہ دے کر تو مال نہیں کمایا، ملازمت کے اوقات میں ڈنڈی مار کر تو فائدہ حاصل نہیں کیا وغیرہ وغیرہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں اور بہن بھائیوں، دوستوں اور والدین کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر احسان کرنے والا بنائیں۔

والدین کو ستانے کے چند اہم نقصانات

① ﴿اِنَّ الْعَاقَّ لَا يُبْسَطُ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَلَا يُطَالُ فِيْ عُمْرِهٖ.﴾

تَرجَمَہ: ”نافرمان کے رزق اور عمر میں برکت نہیں ہوتی۔“

② ﴿اِنَّ اَبْنَاءَ الْعَاقِّ يَعُقُّوْنَهٗ جَزَاءً وِّ فَاقًا﴾

تَرجَمَہ: ”نافرمانی کرنے والے کی اولاد، اس کی نافرمانی کرتی ہے یہ

---

[1] سورۃ البقرۃ: آیت ۱۰۲

بدلہ ہے پورا پورا۔"

۳ ﴿اَلْعَذَابُ الشَّدِيْدُ الَّذِى يُوْعَدُ العَاقُّ لِوَالِدَيهِ﴾

تَرْجَمَہ: "سب سے سخت عذاب ماں باپ کے نافرمان کو دیا جائیگا۔"

۴ ﴿اَلذِّكْرُ السَّيِّءُ عِنْدَالنَّاسِ لِمَنْ عَقَّ وَالِدَيهِ﴾.

تَرْجَمَہ: "ماں باپ کے نافرمان کا تذکرہ لوگ اچھے الفاظ سے نہیں کرتے۔"

۵ ﴿اِنَّ الْعَاقَّ تَجِدُهٗ فِي الغَالِبِ غَيرَ مُوَفَّقٍ فِيْ أَعْمَالِهٖ وَفِيْمَا يُرِيْدُهٗ وَيطْلُبُهٗ ...... فَأَبْوَابُ الْخَيْرِ مُغْلَقَةٌ فِيْ وَجْهِهٖ.﴾

تَرْجَمَہ: "ماں باپ کے نافرمان سے اس کے ارادے اور طلب کے باوجود نیک اعمال کی توفیق سلب کرلی جاتی ہے اور خیر کے دروازے اس پر بند کردیئے جاتے ہیں۔"

۶ ﴿اَلْعَاقُّ لَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْاَعْمَالُ، فَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثَلَاثَةٌ لَا يُقْبَلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنهُمْ صَرْفاً وَلَاعَدْلًا: عَاقٌّ، وَمَنَّانٌ، وَمُكَذِّبٌ بِالْقَدْرِ.﴾

تَرْجَمَہ: "نافرمان اگر اعمال کر بھی لے تو قبول نہیں ہوتے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کے اعمال خیر اللہ جل شانہ قبول نہیں فرماتے۔
(۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) احسان جتلانے والا (۳) تقدیر کا جھٹلانے والا۔"

۷ ﴿عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ دَيْنٌ يُسْتَقْضٰى وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ.﴾

تَرْجَمَہ: ''والدین کی نافرمانی ایک قسم کا قرضہ ہے اس کا کبھی نہ کبھی مطالبہ ضرور ہوگا۔''

❽ ﴿عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ يُذْهِبُ إِشْرَاقَةَ الْوَجْهِ وَيُطْفِئُ نُورَهُ.﴾

تَرْجَمَہ: ''والدین کی نافرمانی کرنا چہرہ کی رونق اور اس کے نور کو بجھا دیتا ہے۔''

❾ ﴿اَلْعُقُوقُ يَحْرِمُ الْعَاقَّ مِنْ اَنْ يَنْظُرَ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.﴾

تَرْجَمَہ: ''والدین کی نافرمانی کرنا اللہ کے دیدار سے محرومی کا سبب ہوتا ہے۔''

❿ ﴿اَلْعُقُوقُ يُبْعِدُ عَنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''والدین کی نافرمانی کرنا اللہ کی خوشنودی سے دور کردیتا ہے۔''

والدین کی دعائیں حاصل کرنے کے لئے گھر کے ہر فرد کے ساتھ نرمی کریں

ہم کو ہر ایک کے ساتھ ہمیشہ نرمی کے ساتھ گفتگو کرنی چاہیئے، خصوصاً والدین سے۔

مثل مشہور ہے: ''گڑ نہ دے تو گڑ سی بات تو کرے۔''

یعنی اگر تم کسی کو فائدہ نہ پہنچا سکو تو کم از کم شیریں کلامی سے تو پیش آؤ اگر شیریں کلامی سے بھی محروم ہو تو دل آزار کلمات کہنے ہی سے باز رہو۔

''اے زنبور گر عسل نہ دہی نیش مزن''

تَرْجَمَہ: ''اے مکھی اگر تو شہد نہیں دیتی تو ڈنک نہ مار۔''

---

[1] نضرة النعيم: ۵۱۷/۱۰

شیریں کلامی سے آرام پیدا ہو چہ اطراف میں
کسی کو بس میں کرنے کا یہ جادو ہے چھوڑیئے تلخ کلامی
کوا کس کی دولت چھینے ہے کوئل کسی کو کیا دیتی ہے
صرف شیریں کلامی کے باعث سب کا دل موہ لیتی ہے[۱]

شاہ نواز فاروقی صاحب نے بیت العلم کے لئے اردو کی دوسری کلاس کی کتاب تیار کی تھی اس کی تصحیح کے دوران ایک نظم بہت پسند آئی، آپ بھی اس کے اشعار پڑھیئے اور یاد کر کے ہر ایک سے نرمی کے ساتھ بات کرنے کا عزم کیجئے

کوّا بولا کاؤں کاؤں
بھٹک رہا ہوں گاؤں گاؤں
میں سب کے گھر جاتا ہوں
اپنی بات سناتا ہوں
لیکن سب دھمکاتے ہیں
پتھر مار بھگاتے ہیں
کُو کُو کُو کوئل بولی
کانوں میں مصری گھولی
بھائی کوّے ذرا سنو
میٹھے میٹھے بول کہو
تم جب میٹھا بولو گے
کانوں میں رس گھولو گے
سب تم کو اپنائیں گے
اپنے پاس بٹھائیں گے

۱ؐ مخزن اخلاق صفحہ ۵۰۲

حکیم لقمان سے ان کے آقا نے کہا ایک بکری ذبح کرکے اس کے بہترین حصے کا گوشت لے آؤ، وہ ذبح کرکے دل اور زبان لے آئے۔ پھر کہا ایک اور بکری ذبح کرکے اس کا بدترین گوشت لے آؤ وہ دوبارہ دل وزبان لے کر آگئے۔ مطلب یہ تھا کہ یہ حصے جتنے اچھے ہیں ہماری لاپرواہی سے اتنے ہی برے بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔

یہ زبان جسم کا نازک ترین عضو ہے لیکن گوشت کے اس چھوٹے سے لوتھڑے نے دنیا میں جو قیامتیں ڈھائیں ہیں اور انقلاباتِ زمانہ کو جنم دیا ہے اس کی تاریخ بہت طویل اور حیران کن ہے۔

زبان قوتِ گویائی کا وسیلہ ہے اور یہی چیز اسے ایک اشرف عضو کا درجہ دیتی ہے۔ اس کے ذریعہ ہم اپنے خیالات واحساسات دوسروں تک پہنچاتے ہیں، ذائقوں کا مزہ اُٹھاتے ہیں۔

یہی زبان ہمیں موت کا پیغام بھی دیتی ہے اور زندگی کی نوید بھی سناتی ہے ہمیں زخمی بھی کرتی ہے اور ہمارے زخموں کا مداوا بھی کرتی ہے۔

زبان سے آپ کسی کا دل موہ لیتے ہیں اور کسی کی دل آزاری بھی کرتے ہیں۔ یہی زبان آپ کو امید دلاتی ہے اور آپ کی امیدوں کو خاک میں بھی ملاتی ہے۔ زبان کے کرشمے اتنے گوناگوں اور وسیع ہیں کہ انہیں زندگی کے ہر مرحلے پر اور ہر شعبے میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔

زبان کے گھاؤ جو تلوار کے زخم سے بھی زیادہ گہرے ہیں اور جن کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں لاکھوں افراد مختلف مسائل کا شکار ہیں آپ بھی اگر کسی ''زبان'' کے زخم خوردہ ہیں تو کبھی کبھی رات کی تنہائیوں میں اس کی ٹیس ضرور محسوس ہوتی ہوگی، ہماری زبان کے یہ گھاؤ معاشرے کے کئی دلچسپ پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ زبان انسان کی بہترین دوست ہے لیکن کبھی کبھی بدترین دشمن ثابت ہوتی ہے، عربی کا مشہور شعر ہے:

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ[1]

تَرجَمَہ: "نیزوں سے لگے زخم کبھی نہ کبھی بھر جایا کرتے ہیں لیکن زبان سے لگائے گئے زخم کبھی نہیں بھرتے۔"

بزرگوں کا قول ہے:

"جب تک زبان آپ کے قابو میں ہے یوں سمجھیں کہ تلوار نیام میں ہے، جونہی آپ نے کوئی لفظ بولا یہ تلوار دوسرے کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔"

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج العابدین میں زبان کی آفات کے باب میں ایک حدیث کا خلاصہ نقل کیا ہے:

"کہ جب انسان صبح کرتا ہے تو بدن کے تمام اعضاء (ایک طرح گویا ہاتھ جوڑ کر) زبان سے عرض کرتے ہیں کہ تو ہمارے معاملے میں خیال رکھیو ہمارا صحیح استعمال تیرے صحیح استعمال پر موقوف ہوگا۔[2]"

ایک حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَابَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ.﴾[3]

تَرجَمَہ: "یعنی جو مجھے دو جبڑوں کے بیچ کی چیز (زبان) اور دو پیروں (ٹانگوں) کے بیچ کی چیز (شرم گاہ) کے صحیح استعمال کی ضمانت دے میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول

---

[1] شرح جامی: ص ۱۳

[2] مشکوٰۃ: ص ۴۱۳

[3] مشکوٰۃ: ص ۴۱۱

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کہ سب سے افضل عمل کیا ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے وقت پر نماز پڑھنا'' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿أَن يَسْلَمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِكَ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''یہ بات کہ لوگ تمہاری زبان سے محفوظ رہیں۔''

یعنی زبان کو دوسروں کی دل آزاری سے، غیبت سے، دھوکہ دہی سے روکو۔
حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: نجات کا طریقہ کیا ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿أَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ﴾[2]

تَرْجَمَہ: ''اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور تمہارا گھر تمہارے لئے کافی ہوجائے اور اپنے گناہ پر رو۔''

گھر کے کافی ہونے سے مراد یہ ہے کہ بلا ضرورت گھر سے باہر نکل کر فتنے میں مبتلا نہ ہو۔
اور گناہ پر رونے سے مراد گناہ پر اظہار ندامت اور توبہ کرنا ہے۔[3]
ایک حدیث میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى سِوَاهُ﴾[4]

---

[1] الترغیب والترہیب: ۳۳۵/۳
[2] ترمذی، أبوابُ الزُّهدِ، بَابُ مَاجَاءَ فِيْ حِفْظِ اللسان: ٦٦/٢
[3] آسان نیکیاں: صفحہ ۱۲۰
[4] مسلم، كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ فَضْلُ الرِّفْقِ: ٣٢٢/٢

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نرمی کا معاملہ کرنے والے ہیں اور نرمی کے معاملے کو پسند فرماتے ہیں اور نرم خوئی پر وہ اجر عطا فرماتے ہیں جو تندی اور سختی پر نہیں دیتے (بلکہ) کسی اور چیز پر نہیں دیتے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک اور حدیث نقل فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الرِّفْقَ لَايَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ﴾[1]

ترجمہ: ''نرمی جس چیز میں بھی ہوگی اسے زینت بخشے گی اور جس چیز سے بھی ہٹالی جائے گی اس میں عیب پیدا کردے گی۔''

نرم خوئی کا مطلب یہ ہے کہ غصے سے مغلوب ہوکر سخت الفاظ یا سخت رویہ اختیار کرنے سے پرہیز کیا جائے، دوسرے سے نرم الفاظ اور نرم لب ولہجہ میں بات کی جائے۔

اگر کسی کو ٹوکنا ہو یا اس سے اختلاف کا اظہار کرنا ہو تو اس کے لئے بھی ایسا انداز اختیار کیا جائے، جس میں کھردرے پن اور درشتی کے بجائے خیر خواہی، تواضع اور دل سوزی کا پہلو نمایاں ہو۔

اگر کسی چھوٹے کی تربیت کے لئے اس پر غصہ کرنا ضروری ہو تو وہ بھی صرف بقدرِ ضرورت اور اعتدال کی حدود میں ہو۔[2]

نرمی کا ایک واقعہ آپ کی خدمت میں پیش ہے کہ ایک حکیمہ سمجھدار والدہ نے نرمی سے اپنے سوتیلے بیٹے کی دشمنی کو دوستی میں کس طرح تبدیل کرلیا۔

---

[1] مسلم، كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ فَضْلُ الرِّفْقِ: ۳۲۲/۲

[2] آسان نیکیاں، صفحہ ۶۰

فرماں بردار بیٹا[1]

امین اور مامون دونوں ہارون الرشید کے بیٹے تھے۔ امین ملکہ زبیدہ کے بطن سے تھا اور مامون ایک لونڈی کے بطن سے، جس کا نام ''مراجل'' تھا۔ ہارون الرشید کی وفات پر امین تخت پر بیٹھا۔ وہ بڑا عیش پسند تھا پھر اس نے اپنے دودھ پیتے بچے کو ولی عہد بنانا چاہا۔ حالانکہ بموجب تحریر ہارون الرشید، اس کا ولی عہد مامون تھا۔ اس پر دونوں بھائیوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں امین قتل ہوا۔ اور مامون تختِ خلافت پر بیٹھا تو زبیدہ والدۂ امین مقتول نے مامون کے نام یہ خط لکھا:

خط

''اے امیر المؤمنین! ہر ایک قصور اگر چہ وہ بڑا ہی ہو تیری بخشش کے سامنے چھوٹا ہے اور ہر ایک لغزش خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہو تیری درگذر کے مقابلے میں بالکل حقیر ہے۔ اور یہ ایسی باتیں ہیں جن کا خدا نے تجھے خوگر بنایا ہے۔ پس خدا تیری عمر دراز کرے اور تیری نعمت عام کرے اور بھلائی کو تیرے ذریعے ہمیشہ رکھے اور برائی کو تجھ سے دور کرے۔

یہ اس غمگین کا رقعہ ہے جو زندگی میں مصائبِ زمانہ کو دور کرنے کے لئے تیری امیدوار ہے۔ اور مرنے کے بعد تجھ سے اچھے ذکر کی اُمید رکھتی ہے۔ پس تم اگر میری ضعیفی، عاجزی اور قلت حیلہ پر رحم کرنا مناسب سمجھتے ہو اور اس بات کو اچھا خیال کرتے ہو تو مجھ سے صلہ رحمی کرو اور برضا و رغبت اس چیز میں ثواب کی امید رکھو کہ جس کے لئے تمہیں خدا نے بنایا ہے، تو کرو۔ اور اس شخص کو یاد کرو جو اگر زندہ ہوتا تو تجھ سے میری شفاعت کرتا۔

جب مامون اس رقعہ پر مطلع ہوا تو اپنے سوتیلے بھائی پر رویا اور اپنی سوتیلی

---

[1] واقعہ نمبر ۱۶

والدہ زبیدہ کے لئے نہایت نرم ہوا اور اس کی طرف یہ خط جواب لکھا۔

جواب

''اے والدہ ماجدہ! خدا تیری نگہبانی کا متولی ہو، تیرا رقعہ ملا اور میں اس پر مطلع ہوا۔ خدا شاہد ہے کہ وہ تمام باتیں جو تو نے اس میں لکھی ہیں، مجھے بھی بُری معلوم ہوئی ہیں۔ مگر کیا کروں، تقدیریں نافذ ہوتی ہیں، اور مامور تصرف کرتے رہتے ہیں اور احکام جاری ہوتے ہیں اور تمام خلقت ان کے قبضے میں ہے اور کوئی ان کے دفع کرنے پر قادر نہیں سب دُنیا پراگندہ ہونے والی ہے اور ہر زندہ موت کی طرف جانے والا ہے۔

غدر وبغاوت انسان کی موت کا باعث ہیں اور شکر کا فائدہ شاکر کی طرف لوٹتا ہے۔ میں نے ان تمام چیزوں کے واپس کرنے کا حکم دیا ہے جو تجھ سے لی گئی تھیں اور اب تو سوائے مرنے والے یعنی امین کی ذات کے اور کسی چیز کو کم نہیں پائے گی۔ یعنی اب امین تو ہاتھ نہیں آسکتا مگر باقی تمام اشیاء جو اس وقت تیرے پاس تھیں ویسی ہی مہیا ہو جائیں گی۔ اور میں بعد ازیں تیرے لئے اُن چیزوں سے بھی زیادہ کا ذمہ دار ہوں جو تو پسند کرے گی۔[1]''

لہٰذا ہمیں بھی اپنی زبان کو نرم طریقہ سے استعمال کرنا چاہئے اور اس کے لئے اس دعا کے مانگنے کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے۔

﴿(رَبِّ)[2] سَدِّدْ لِسَانِيْ وَاهْدِ قَلْبِيْ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ﴾[3]

---

[1] مخزن اخلاق صفحہ ۴۲۶

[2] وضاحت: یہ ایک لمبی دعا کا آخری حصہ ہے، پوری دعا ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۹۵ اور الحزب الاعظم صفحہ ۱۷ پر موجود ہے۔ اس دعا کے شروع میں رَبِّ ہے، لہٰذا آخر کے حصہ میں ہم نے رَبِّ کو قوسین یعنی بریکٹ میں لکھا ہے۔

[3] ترمذی، ابواب الدعوات، احادیث شتّٰی: ۲/۱۹۵

تَرجَمہ: ”(اے رب) میری زبان کو درست رکھ، اور میرے دل کو ہدایت نصیب فرما اور میرے دل کی سوزش (یعنی کینہ) نکال دے۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

”مَنْ لَانَتْ كَلِمَتُهُ وَجَبَتْ مَحَبَّتُهُ“[1]

تَرجَمہ: ”جو نرم خوئی کا عادی ہوگا اس کی محبت ہر چھوٹے بڑے کے دل میں اتر جائے گی۔“

چھوٹے بھائی، بہنوں کو کڑوے بولوں اور غصیلے جملوں کے ذریعہ خطاب نہ فرمائیں اس سے کبھی اصلاح نہیں ہوسکتی، اس سے چھوٹے بھائی بہن آپ کی بات مانیں گے بھی نہیں، مزید والدین کو شکایت لگا کر پریشانی میں اضافہ ہوگا۔

مثلاً چھوٹے بہن بھائی جھگڑ رہے ہوں تو یہ نہ کہیے: تم دونوں ہر وقت لڑتے ہی رہتے ہو، تمہارا اور کوئی کام ہی نہیں بلکہ یوں کہیے:

بھائی تم دونوں تو بہت اچھے بچے ہو، تم نے شیطان کو کیوں گھر میں آنے دیا سوچو کہیں تم بغیر سلام کے تو گھر کے اندر نہیں آگئے۔

باہر کھیلتے ہوئے چھوٹے بھائی کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے یہ کہنا: آرام سے گھر میں بیٹھو، تمہیں دسیوں مرتبہ سمجھایا ہے وغیرہ یا گھر میں کسی فضول کام میں مشغول بہن بھائی کو یہ نہ کہیں کام چور کہیں کے امی کام کر رہی ہیں تم یہاں نواب بن کر بیٹھے ہوئے ہو۔

اس طرح کہنے سے کبھی اصلاح نہ ہوگی آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ یہ ایسے نالائق بہن بھائی ہیں کہ میرے کئی کئی بار کہنے کے باوجود ان کے کان پر جوں نہیں رینگتی بالکل ڈھیٹ ہیں۔ پھر یہ بچے آپ کی باتوں کا بدتمیزی سے جواب دیں گے۔

لہٰذا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر، اپنے والدین کو راحت پہنچانے کی

---

[1] سمیر المومنین

خاطر میٹھے اور نرم بولوں کے ذریعے بات سمجھانے کی کوشش کیجیے، بزرگوں کا ارشاد ہے:

"برے طریقے سے کہی گئی اچھی بات بھی اپنا اثر کھو بیٹھتی ہے۔"

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

صبح دم مرغِ چمن باگلِ نوخاستہ گفت
نازکم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت
گل بخندید کہ از راست نرنجم لیکن
ہیچ عاشق سخن تلخ بمعشوق نگفت

ترجمہ:

۱ "صبح کے وقت چمن کے ایک پرندے نے تازہ کھلے ہوئے پھول سے کہا۔"
۲ "کہ ذرا نازکم کر کہ اس باغ میں تجھ جیسے بہت سے پھول کھل چکے ہیں۔"
۳ "پھول یہ سن کر ہنسا اور کہا کہ مجھے سچی بات کا ملال نہیں۔"
۴ "مگر کسی محبت کرنے والے نے آج تک محبوب سے کڑوے بول نہیں بولے۔"

آپس کی محبت[1]

ایک ماں نے اپنی بیٹی کو انگور کا خوشہ دیا تو بیٹی نے بڑی خوشی کے ساتھ اسے قبول کر لیا۔ لیکن اس کو اپنے بھائی سے بہت محبت تھی، اس نے وہ خوشہ اپنے بھائی کو دے دیا۔ بھائی اپنی بہن کی محبت دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ پھر بھائی کے دل میں خیال آیا کہ والد محترم آنے والے ہیں، میں یہ خوشہ ان کو دے دوں تو وہ بہت خوش ہوں گے۔

---

[1] واقعہ نمبر ۱۷

لہٰذا جب شام کو والد گھر تشریف لائے تو بھائی نے وہ انگور کا خوشہ والد محترم کو دے دیا۔ والد محترم نے بیٹے کے خلوص کی بہت تعریف کی اور بیٹے کو بہت داد دی۔ پھر والد محترم نے سوچا کہ بچوں کی والدہ سارے گھر کا کام کاج کرتی ہیں لہٰذا یہ خوشہ اسے دینا چاہیے، تاکہ وہ خوش ہو جائے تو والد نے انگور کا خوشہ بچوں کی والدہ کو دے دیا۔

والدہ انگور کے خوشے کو اسی حالت میں دیکھ کر بہت حیران ہوئی اور سب کو اکٹھا کیا اور سب کا شکریہ ادا کیا اور اسے سب نے خوشی خوشی مل کر کھایا۔

اسی طرح ان کے دلوں میں پہلے سے زیادہ محبت بڑھ گئی۔ یہی طریقہ ہے آپس میں محبت بڑھانے کا۔[1]

والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ بھلائی کی چابی بن جائیے

اَللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ نے مسلمان کی زندگی کو خیر کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنایا ہے اور اَللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ مسلمان کی زندگی اوروں کی راحت رسانی اور ان کی پریشانیوں کو دور کرنے میں صرف ہو۔

چنانچہ اَللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ کے مقرب اور محبوب بندے نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں کو بھی تکلیف دینے سے بچایا کرتے تھے اور ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ ان کی ذات سے کس طرح اوروں کو فائدہ ہو جائے۔ ہم اور آپ جن لوگوں کے نام لیوا ہیں ان کی زندگی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قصہ سنایا فرمایا:

---

[1] تربیت البنات: صفحہ ۹۹

قلی صاحب[1]

حضرت ایک مرتبہ رات کو تھانہ بھون پہنچے اسٹیشن پر اترے تو ایک میاں بیوی بھی اسٹیشن پر اترے میاں آواز لگانے لگے۔

کوئی قُلی ہے، قُلی .... قُلی صاحب..........

کوئی جواب نہ آیا مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے آواز سنی خیال آیا کہ ان لوگوں کو کس طرح راحت پہنچائی جائے۔ اپنا عمامہ اتارا اور قلیوں کی طرح سر پر رومال باندھ لیا ان کے پاس آئے پوچھا کہاں جاؤ گے؟

انہوں نے کہا خانقاہ ایک بیگ اٹھالیا اور ان کو خانقاہ تک پہنچا دیا، خانقاہ پہنچنے کے بعد ان صاحب نے کہا بابا جی! کتنے پیسہ لوگے؟

فرمایا آپ مستورات کو زنانہ خانہ پر پہنچادیں پھر بات کیجئے گا، وہ جب اندر گئے مفتی صاحب خانقاہ پر جا کر اپنی جگہ لیٹ گئے صبح وہ صاحب حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگے۔

حضرت رات کو تو آپ کی عجیب کرامت دیکھی اسٹیشن پر دیر ہوگئی کوئی قلی نہیں مل رہا تھا، بڑی مشکل سے ایک بابا ملا وہ یہاں دروازے تک اتار کر گیا میں نے اندر جب زنانہ خانہ تک مستورات کو پہنچایا باہر آیا تو وہ قُلی غائب تھا، والد صاحب اس مجلس میں سے موجود تھے مگر وہاں اطلاع نہیں دی کہ حضرت بندہ وہی قلی تھا۔

جن کا مقصود محض اللہ کو راضی کرنا ہو اللہ کے بندوں پر رحم، ان کی ضروریات پوری کرنا، آخرت میں اجر حاصل کرنے کے لئے ہو وہ دنیا میں ان چیزوں کا ظاہری بدلہ نہیں چاہتے ہیں۔ اس واقعہ پر غور کرنا چاہیئے اتنے بڑے مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ عام انسانوں کی خدمت اس طرح کرتے ہیں تو ہمیں اپنے والدین بہن بھائیوں کی

---

[1] واقعہ نمبر ۱۸

کس طرح خدمت کرنی چاہیۓ اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ماں باپ کی دعا کی کتنی ضرورت ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿فَطُوبٰى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ﴾[۱]

تَرجَمَہ: ''پس خوش خبری ہے اس بندہ کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ ہر خیر کی چابی بنائے۔''

دنیا میں جتنے دن اور جتنے گھنٹے اور لمحے آپ کو رہنا ہے اس میں ایک ایک لمحہ ہر ایک کے لئے بھلائی کی چابی بننے کی نیت کر لیجیۓ اس نیت کا بھی اثر ہوگا، کہ میرے وجود سے کسی کو تکلیف نہ ہو میں سب کے لئے راحت ہی راحت بن جاؤں، ہر ایک کے لئے بھلائی اور خیر کا پیغام لے کر آؤں، مسلمان جس ملک میں رہے وہ ملک والوں کے لئے شہر والوں کے لئے گھر والوں کے لئے سب کے لئے اس کا وجود خیر ہی خیر کا سبب ہو۔

جب کوئی مسافر ریل گاڑی میں سوار ہو کر کسی منزل کی طرف روانہ ہوتا ہے تو وہ بار بار کھڑکی سے منہ نکال کر شیشہ سے دیکھتا ہے کہ اب کون سا اسٹیشن آیا ہے؟

اگر وہی اسٹیشن راستے میں پڑ رہے ہیں جو منزل مقصود کے راستے میں آیا کرتے ہیں تو مطمئن ہو جاتا ہے اور انہی اسٹیشنوں سے اندازہ لگاتا ہے کہ منزل کتنی دور ہے اور اگر اسٹیشن ایسے نامانوس آنے لگیں، جو اس منزل کے راستے پر نہیں پڑتے تو سمجھ جاتا ہے کہ گاڑی کسی اور رخ پر جارہی ہے۔ اور گھبرا کر گاڑی بدلنے کی فکر کرتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے بندے اور بندی کو بار بار اپنے دل کی کھڑکی میں جھانک کر دیکھنا چاہیۓ کہ بھلائی کی چابی کا اسٹیشن آیا یا نہیں؟

[۱] ابن ماجه، كِتَابِ السُّنَّةِ بَابُ مَنْ كَانَ مِفْتَاحاً لِلْخَيْرِ: ص۲۱

اگر اس اسٹیشن کے کچھ آثار معلوم ہوتے ہیں تو سفر صحیح سمت میں ہو رہا ہے۔
لیکن اگر خدمت، محبت، والدین اور بہن بھائیوں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر، ان کے ساتھ نرم اور ملائم گفتگو، چھوٹے بھائی بہنوں کو تنہائی میں محبت و نرمی کے ساتھ سمجھانا وغیرہ کے بجائے والدین کی نافرمانی کر کے ان کو تکلیف پہنچانا، والدین کی اولاد سے لڑنا جھگڑنا، نمازوں کی پابندی نہ کرنا، ان کے کاموں میں ہاتھ نہ بٹانا، اپنے بیوی بچوں پر ان کو ترجیح دینا وغیر کے اسٹیشن آرہے ہیں، تو سمجھ لینا چاہیئے کہ انسان کسی غلط گاڑی میں سوار ہے اور یہ سواری اسے والدین کی خدمت اور دعا کی اس منزل تک نہیں پہنچا سکتی جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوب ہے۔[1]

والدین رشتہ داروں اور عام مسلمانوں سے ملنے کی فضیلت

اس حدیث مبارک میں ایک عام مسلمان کی ملاقات کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، تو اس سے اندازہ لگانا چاہیئے، کہ والدین سے ملنے کا درجہ کتنا زیادہ ہوگا۔

﴿عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ: أَنَّ رَجُلًا زَارَ أَخاً لَهُ فِيْ قَرْيَةٍ أُخْرٰى، فَأَرْصَدَ اللهُ لَهُ عَلَى مُدْرَجَتِهِ مَلَكاً، فَلَمَّا أَتٰى عَلَيْهِ، قَالَ: أَيْنَ تُرِيْدُ؟ قَالَ: أُرِيْدُ أَخاً لِيْ فِي هٰذِهِ الْقَرْيَةِ، قَالَ: هَلْ لَكَ عَلَيْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لَا، غَيْرَ أَنِّيْ أَحْبَبْتُهُ فِي اللهِ عَزَّوَجَلَّ، قَالَ: فَإِنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ إِلَيْكَ بِأَنَّ اللهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ﴾[2]

---

[1] میرے والد میرے شیخ صفحہ ۳۸

[2] مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الحب فی اللہ تعالیٰ: ۳۱۷/۲

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی زیارت اور اس سے ملاقات کے لئے چلا وہ دوسری بستی میں تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتہ کو اس کا منتظر بنا کر بٹھا دیا۔ جب وہ اس تک پہنچا تو فرشتہ نے (جو انسانی شکل میں تھا) اس سے پوچھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: اس بستی میں میرا بھائی ہے اس سے ملنے جانے کا ارادہ ہے۔ فرشتہ نے کہا: کیا تمہارا اس پر کوئی حق ہے کہ اس کی وجہ سے وہاں جا رہے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں! (جانے کا سبب سوائے اس کے) کچھ نہیں کہ میں اس سے اللہ عزوجل کے لئے محبت کرتا ہوں۔ فرشتہ نے کہا کہ، بلاشبہ میں تمہارے لئے اللہ کا فرستادہ ہوں (اور یہ پیغام دینے کے لئے بھیجا گیا ہوں کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے اسی طرح محبت فرماتے ہیں جیسے تم اس سے محبت کرتے ہو۔“

١ اس واقعہ میں اللہ عزوجل کے بندوں سے اور خصوصاً اہل ایمان سے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت کرنے کی فضیلت اور اس کا بہترین نتیجہ بتلایا گیا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت کرنا بہت ہی بڑا عمل ہے۔

٢ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے محبت کرنے کے بہترین انجام کو بیان کرتا ہے، کہ بندوں سے بے لوث محبت کرنے والا خالق کی محبت کا مرکز بن جاتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے لگتے ہیں، جب بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے تو پھر ساری دنیا بھی اس سے محبت کرنے لگے گی۔

جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

”ایمان کے بہترین خصائل میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا

بھی ہے۔[۱]"

ہم تمام مسلمانوں سے محبت کرنے والے بن جائیں، ان کی خیر خواہی ہمارے دلوں میں ہو، ان کی دنیا وآخرت کی کامیابی کے لئے ہم کوشش کرنے والے بن جائیں۔ اس کے لئے روزانہ کم از کم ۲۵ یا ۲۷ مرتبہ ہم یہ دعا مانگیں:

جو یہ دعا مانگے گا:

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ"

تَرجَمَہ: "اے اللہ! مسلمان مردوں اور عورتوں کی مغفرت فرما دیجئے۔"

❶ اس کے لئے ایک فضیلت تو یہ ہے۔

"یُسْتَجَابُ لَھُمْ وَیُرْزَقُ بِھِمْ اَھْلُ الْاَرْضِ"

یعنی زمین والوں کو اس کے ذریعے رزق ملے گا، جب زمین والوں کو اس کے ذریعے ملے گا تو اس کو بدرجہ اولیٰ ملے گا، اور اس کے ذریعہ دعائیں بھی قبول ہوں گی۔

❷ دوسری فضیلت یہ ہے کہ جو مؤمن مرد اور عورت کے لئے استغفار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ہر مؤمن مرد وعورت کے بدلے میں ایک ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔[۲]

لہٰذا ہمیں پابندی سے والدین سے ملنے جانا چاہیئے۔ اور اس فضیلت کو سوچ کر جانا چاہیئے اسی طرح کچھ نہ کچھ ہدیہ لے کر جانا چاہیئے۔

والد صاحب کی شکایت نہ کریں

ایک عجیب واقعہ[۳]

قرطبی نے اپنی اسناد متصل کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[۱] مشکوۃ، باب الحب فی اللّٰہ: ص۴۲۶

[۲] ترجمہ حصن حصین: صفحہ ۱۲۷ [۳] واقعہ نمبر ۱۹

سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے والد نے میرا مال لے لیا ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اپنے والد کو بلا کر لاؤ اس وقت جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کہ جب اس کے والد آجائیں تو آپ ان سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں، جو انہوں نے اپنے دل میں کہے ہیں اور خود اس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سنا، جب یہ شخص اپنے والد کو لے کر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والد سے دریافت فرمایا: کیا بات ہے کہ آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے؟

کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا مال چھین لیں والد نے عرض کیا کہ آپ اسی سے یہ سوال فرمائیں کہ میں اس کی پھوپھی اور خالہ یا اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِیْه": (جس کا مطلب یہ تھا کہ بس حقیقت معلوم ہوگئی اب اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں) اس کے بعد اس کے والد سے دریافت فرمایا: وہ کلمات کیا ہیں جن کو ابھی تک خود تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا؟

اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ آپ پر ہمارا ایمان اور یقین بڑھا دیتے ہیں (جو بات کسی نے نہیں سنی اس کی آپ کو اطلاع ہوگئی جو ایک معجزہ ہے)۔

پھر اس نے عرض کیا: کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے چند اشعار دل میں کہے تھے جن کو میرے کانوں نے بھی نہیں سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہمیں سناؤ اس وقت اس نے یہ اشعار سنائے:

؎ غَذَوْتُكَ مَوْلُوْداً وَمُنْتُكَ يَافِعًا
تُعَلُّ بِمَا اَجْنِیْ عَلَيْكَ وَتُنْهَلُ

ترجمہ: ''میں نے تجھے بچپن میں غذادی اور جوان ہونے کے بعد بھی تمہاری ذمہ داری اٹھائی تمہارا سب کھانا پینا میری ہی کمائی سے تھا۔''

؎ اِذَا لَيْلَةٌ ضَافَتْكَ بِالسَّقْمِ لَمْ اَبِتْ
لِسَقْمِكَ اِلَّا سَاهِرًا اَتَمَلْمَلُ

ترجمہ: ''جب کسی رات میں تمہیں کوئی بیماری پیش آگئی تو میں نے تمام رات تمہاری بیماری کے سبب بیداری اور بے قراری میں گزاری۔''

؎ كَاَنِّیْ اَنَا الْمَطْرُوْقُ دُوْنَكَ بِالَّذِیْ
طُرِقْتَ بِهٖ دُوْنِیْ فَعَيْنِیْ تُهْمَلُ

ترجمہ: ''گویا کہ تمہاری بیماری مجھے ہی لگی ہے تمہیں نہیں جس کی وجہ سے میں تمام شب روتا رہا۔''

؎ تَخَافُ الرِّدٰی نَفْسِیْ عَلَيْكَ وَاِنَّهَا
لَتَعْلَمُ اَنَّ الْمَوْتَ وَقْتٌ مُؤَجَّلُ

ترجمہ: ''میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا، حالانکہ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے پہلے یا پیچھے نہیں ہوسکتا۔''

؎ فَلَمَّا بَلَغْتَ السِّنَّ وَالْغَايَةَ الَّتِیْ
اِلَيْهَا مَدٰی مَا كُنْتُ فِيْكَ اُؤَمِّلُ

ترجمہ: ''پھر جب تم عمر کی حد تک پہنچ گئے جس کی میں تمنا کیا کرتا تھا۔''

؎ جَعَلْتَ جَزَائِیْ غِلْظَةً وَّفَظَاظَةً
كَاَنَّكَ اَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ

ترجمہ: ”تو تم نے میرا بدلہ سختی اور سخت کلامی بنا دیا گویا کہ تم ہی مجھ پر احسان و انعام کر رہے ہو۔“

فَلَيْتَكَ إِذَا لَمْ تَرْعَ حَقَّ أُبُوَّتِي
فَعَلْتَ كَمَا الْجَارُ الْمُصَاقِبُ يَفْعَلُ

ترجمہ: ”کاش اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہو سکتا تو کم از کم ایسا ہی کر لیتے جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے۔“

فَأَوْلَيْتَنِي حَقَّ الْجِوَارِ وَلَمْ تَكُنْ
عَلَيَّ بِمَالٍ دُوْنَ مَالِكَ تَبْخَلُ

ترجمہ: ”تو کم از کم مجھے پڑوسی کا حق تو دیا ہوتا اور خود صبر سے ہی مال میں میرے حق میں بخل سے کام نہ لیا ہوتا۔“

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سننے کے بعد بیٹے کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا:

﴿اَنْتَ وَ مَالُكَ لِاَبِيْكَ﴾

ترجمہ: ”یعنی جا تو بھی اور تیرا مال بھی سب تیرے باپ کا ہے۔[1]“

صرف یہ ہی نہیں کہ والدین کی خدمت اور فرماں برداری سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اور ان کی خدمت سے جنت ملتی ہے، بلکہ اس دنیا کے اندر بھی بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً رزق میں کشادگی اور عمر میں درازی وغیرہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو، اور اس کی روزی میں کشادگی ہو اسے چاہیئے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔[2]

---

[1] تفسیر قرطبی ۲۴۶/۱۰ [2] مسند احمد بحواله لترغیب والترهیب ص ۲۹۰

بعض اوقات انسان کے دل میں ایسے احساسات پیدا ہوتے ہیں، جن کی بنیاد پر انسان اپنے والدین کو قصور وار سمجھ کر ان سے بددل ہوجاتا ہے۔ مثلاً بڑے بھائی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ۱۸ گریڈ کے افسر بنے تو چھوٹے بھائی بیرونِ ملک میں مستحکم ہیں اور میں اکیلا اپنے ملک میں پریشان۔

بڑے بھائی کی شادی کروڑ پتی گھرانے میں ہونے کی وجہ سے وہ بڑے تاجر ہیں اور میں چھوٹی سی دوکان کو رو رہا ہوں۔ تقسیم جائیداد کے وقت ایک میرے حصے میں زمین کا وہ ٹکڑا آیا کہ جس کی قیمت وقت گذرنے پر مزید گرگئی، وغیرہ۔

اس طرح کے حالات میں بعض لوگوں کو روتے ہوئے، جگہ جگہ اپنے والد صاحب کی ستم ظریفی کا تذکرہ کرتے ہوئے یا انہیں برا بھلا کہتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔ حالانکہ غور کیا جائے تو تقدیر کے فیصلوں کی وجہ سے ایک بیٹے پر خدانخواستہ کوئی برا حال آگیا تو اس میں باپ کا کیا قصور؟

انہوں نے تو اپنی پوری کوشش کی کہ سب بھائیوں بہنوں کو برابر ملے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے آگے کس کی چل سکتی ہے؟

یعنی جائیداد کی تقسیم میں ایک بیٹے کے حصہ میں جو دوکان آگئی تھی، اس وقت وہ بہت چل رہی تھی، لیکن کچھ عرصے بعد دوکان کے مالک نے دوکان خالی کرنے کا نوٹس دے دیا، اور اس بیٹے کو مجبوراً دوکان خالی کرنی پڑی۔

جب کہ دوسرے بھائیوں کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوا وہ خوب ترقی کرتے رہے۔ جو فلیٹ ایک بیٹے کے نام ہوا تھا، اس وقت اس کی قیمت اتنی ہی تھی جتنی دوسرے بھائیوں کے مکان یا فلیٹ کی تھی، لیکن تقدیر سے کچھ عرصے بعد وہاں پر سمینٹ فیکٹری کے بننے اور دھویں وآلودگی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے فلیٹ کی قیمت گر گئی۔

اگر ایسے موقعوں پر شیطانی وساوس آئیں کہ والد صاحب نے میرے ساتھ ظلم

کیا یا والدہ نے مجھ پر ظلم کیا۔ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے وغیرہ، اگر ایسے وساوس کو آپ اپنے دل میں جگہ دیں گے تو اس کے تین بڑے نقصان ہوں گے۔

❶ آپ کے رونے دھونے، جگہ جگہ شکایت کرنے سے آپ کی عزت میں فرق تو آئے گا ہی، ساتھ ہی اس کی لپیٹ میں آپ کے بے چارے بے قصور بھائی اور بہنیں بھی آسکتے ہیں۔ ان کی عافیت والی زندگی بے سکون ہوسکتی ہے۔ آپ کے جگہ جگہ اس طرح تذکرہ کرنے کی وجہ سے لوگ آپ کے بھائی بہنوں کو ظالم یا قصور وار سمجھیں گے جس کی وجہ سے ان کے کاروبار یا ملازمت میں نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس طرح آپ اپنا سکون بھی اور اپنے بہن، بھائیوں کا سکون بھی برباد کر دیں گے۔

❷ دوسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ بھائیوں سے لڑکر انہیں ناراض کیا اور جو کچھ تھوڑا بہت آپ کو اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے اس کی ناشکری ہوئی تو اللہ تعالیٰ کو بھی ناراض کردیا۔ حالانکہ آپ جو ناراض ہیں درحقیقت اس میں صرف جذبہ حسد کارفرما ہے کہ میرے بھائی کروڑ پتی ہیں اور میں لکھ پتی کیوں نہیں ہوں؟ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ اور جو کچھ دنیوی عافیت حاصل تھی، وہ بھی ہاتھ سے گئی۔

❸ تیسرا نقصان یہ ہوگا کہ جب آپ اس عمر کو پہنچیں گے، جس عمر میں آج آپ کے والد صاحب ہیں۔ تو جیسے آپ شکوہ کرتے ہیں، ویسے ہی آپ کی اولاد بھی آپ سے شکوہ کرے گی۔ چاہے آپ نے ہر لحاظ سے اور ہر اعتبار سے برابری کی ہو۔ اردو کا محاورہ ہے: ”جیسی کرنی ویسی بھرنی۔“

لہٰذا ان نقصانات سے بچنے کے لئے اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جب بھی کوئی حال، کوئی مصیبت، کوئی پریشانی آئے تو اس کی نسبت کسی مخلوق کی طرف نہ کریں۔ نہ والدین یا بھائی، بہن کی طرف نہ دوست یار کی طرف، بلکہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں، انہیں درست کریں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رو رو کر التجا کریں کہ اے اللہ! میرے

اس برے حال کو اچھے حال سے بدل دیں، اور دنیوی و اُخروی زندگی کو خوشحال بنادیں۔

اور یہ سوچیں کہ جس حال میں اللہ تعالیٰ نے مجھے رکھا ہے، وہ حال میرے لئے بہت ہی بہتر ہے۔ کیا پتہ جو حال میں طلب کر رہا ہوں، اس میں مصیبتیں زیادہ ہوں؟ پیسہ زیادہ ہو لیکن بیماریاں بھی زیادہ ہوں اور وہی پیسہ دواؤں میں لگے تو کیا فائدہ؟ وہ پیسہ مزید پریشانیوں کا سبب بنے تو کیا فائدہ؟

ہاں ان پریشانیوں کو دور کرنے کی فکر کریں، مثلاً ملازمت نہیں مل رہی تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھ جائیں، والد صاحب کی شکایت نہ کرتے پھریں، بھائیوں کے مظالم بہنوں کے سامنے نہ ذکر کریں، بلکہ کوشش کریں کہ ملازمت مل جائے اور اگر بڑے بھائیوں نے ظلم بھی کیا ہو تو معاف کردیں، اور یہ یقین رکھیں کہ اگر میرے مقدر میں یہ مال ہوگا تو مجھے ضرور مل کر رہے گا، اور اگر میرے مقدر میں نہیں ہے تو کیا فائدہ ہے کہ بھائی بہنوں میں جھگڑے کا سبب بنوں۔

اگر میرے صبر اور شکر کی وجہ سے بھائی بہن سکون سے رہ رہے ہیں اور والدین کی عزت سلامت ہے، یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ میرے جھگڑوں کی وجہ سے میرا سکون بھی تباہ ہو اور ان کا چین وسکون بھی برباد ہو، نیز والدین مرحومین کی عزت پر دھبہ آئے۔ اگر مجھے مال مل بھی گیا اور میرا مقدر نہیں تو مجھ سے کوئی اور چھین کر لے جائے گا۔

اپنے دل کو اس طرح تسلی دے کر مطمئن کریں۔ تجربہ کار لوگوں کا کہنا ہے کہ جن کے مقدر میں مال نہیں ہوتا، وہ سونے میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو مٹی ہوجاتا ہے اور جن کے مقدر میں ہوتا ہے، وہ مٹی میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو سونا بن جاتا ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جس حال میں رکھا ہے، اس پر شکر کرے، اور یقین رکھے کہ میرے لئے یہی بہتر ہے۔ مچھر نے اگر کاٹا ہے تو حال

تو برا ہے، لیکن اگر یہ سوچا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے سانپ کے ڈسنے سے بچا کر مچھر کا زخم دے دیا، تو اس پر بھی شکر کی توفیق ہوگی۔

والد صاحب نے آپ کے لئے کتنا خرچ کیا ہوگا.........؟

آپ اور ہم سوچ ہی نہیں سکتے کہ والدین نے ہماری تعلیم و تربیت پر کتنا خرچ کیا ہوگا؟ ہماری صحت اور تندرستی پر، ہمارے کھلونوں اور ہماری کتابوں پر، اور ہماری دوائیوں اور ہمارے تعلیمی اخراجات پر، اسکول کی فیسوں پر، ایڈمیشن فیس، سیکوریٹی فیس، امتحان کی فیس، لائبریری کی فیس وغیرہ امور پر۔

سوچیں ایک ایک کام پر والد صاحب کو کتنا مقروض ہونا پڑا ہوگا۔ اساتذہ کی خدمت کے لئے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے ہوں گے، جس چھت کے نیچے ہم زندگی گزار رہے ہیں اس مکان کو بنانے، یا خریدنے، یا کرایہ پر لینے کے لئے کتنی مشقت اٹھانی پڑی ہوگی۔

ہماری منگنی اور شادی کے لئے کتنی فکر، اور کتنے اخراجات برداشت کئے ہوں گے اور پھر آج ہمیں تنخواہ ملے تو ہم یہ کہیں کہ یہ ہمارا مال ہے......؟

ہماری بیوی ہم سے یہ کہے امی کو ''ہم نے'' یہ جوڑا دیا تھا۔ بیوی صاحبہ کو بھی سوچنا چاہیئے کہ جو کچھ شوہر کے پاس ہے چاہے ظاہری طور سے وہ شوہر کی کمائی ہو لیکن حقیقۃً وہ شوہر کے والد یعنی میرے سسر کی ملکیت ہے۔

اس لئے مجھے انہی کا مال انہی پر خرچ کرنے میں کنجوسی نہیں کرنی چاہیئے اور حساب بھی نہیں رکھنا چاہیئے۔ بلکہ شوہر کو بھی سمجھانا چاہیئے کہ جس قدر ممکن ہو ہم والدین کو ہدیہ دیتے رہیں۔ کبھی بھی والدین کے پاس خالی ہاتھ نہ جائیں۔

والدین نے اولاد پر کتنا خرچ کیا ہوگا ایک چھوٹے سے واقعہ سے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

معلم پر خرچ کرنا[1]

❶ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے حماد رحمہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ مکمل پڑھ لی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی اس کی خبر ہوئی۔ امام نے فوراً معلم کو بلا بھیجا۔ وہ آیا تو امام صاحب نے بڑے ادب واحترام سے اس کی خدمت میں پانچ سو درہم کی تھیلی پیش کی، اور استدعا کی کہ اسے قبول کرلیا جائے۔

معلم نے تھیلی ہاتھ میں لے کر کہا۔ محترم امام صاحب! میں حیران ہوں کہ آپ کے صاحبزادے حماد کو سورۂ فاتحہ ختم کرا کے میں نے کون سا ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ آپ مجھے اتنی بڑی رقم عطا فرما رہے ہیں۔

یہ سن کر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے معلم کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: تم نے میرے بچے کو سورۂ فاتحہ ختم کرا کے حقیقتاً ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے کیونکہ میری رائے میں علم سے واقف کرانا ایک روشن کارنامہ ہے۔ اللہ کی قسم! اگر اس وقت میرے پاس پانچ سو درہم سے زائد رقم ہوتی تو میں بلا تاخیر ساری کی ساری تمہیں دے ڈالتا۔[2]

اسی طرح ایک اور قصہ پڑھیے۔

❷ ''خلیفہ مہدی کے لڑکے ابراہیم نے پانچ سال کی عمر میں ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' پڑھنا شروع کی تو اس کی طرف سے خلیفہ مہدی نے ایک لاکھ درہم صدقہ کیا اور پانچ سو غلام آزاد کیے۔[3]

❸ موسیٰ الہادی نے اپنے بھائی کی حذاقت[4] کے وقت جب کہ اس کی عمر سات

---

[1] واقعہ نمبر ۲۰

[2] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ: ص ٤٧ بحوالہ خیر القرون کی درس گاہیں: صفحہ ۳۴۸

[3] الذخائر والتحف صفحہ ۱۱۲ بحوالہ خیر القرون کی درسگاہیں: صفحہ ۳۴۸

[4] حذاقت اس رسم کو کہتے ہیں کہ جب بچے قرآن پڑھنے میں ماہر ہوجاتے ہیں اور اس کا معتد بہ

سال کی تھی اس کو ایک لاکھ درہم انعام دیئے۔[1]''

اگر والدین کسی بات پر ٹوکیں تو تاویلات کا سہارا نہ لیجئے

اگر والدین میں سے کوئی یا اپنے بڑوں میں سے کوئی آپ کو آپ کی غلطی بتلائے، کسی کوتاہی پر تنبیہ کرے تو فوراً کہیئے، آئندہ خیال رکھوں گا، آئندہ ایسا نہیں ہوگا، اب شکایت کا موقع نہیں دونگا۔

غلطی اور کوتاہی حقیقت میں ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، دونوں حالتوں میں بڑوں کی تنبیہ کے وقت خاموش رہ کر ان کی بات رکھنی چاہیئے۔ ہرگز کسی تاویل کا سہارا اس عین ٹوکنے کے وقت نہیں لینا چاہیئے۔

انسان کی ایک نفسیاتی بیماری ہے کہ ''انسان اپنے خلاف تنقید کو برداشت نہیں کرتا۔

بسا اوقات انسان کے لئے تہجد میں اٹھنا آسان ہوتا ہے، حج عمرہ صدقہ خیرات وغیرہ سارے امور آسان ہوجاتے ہیں، نفس کو بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

لیکن والدین، اساتذہ، کی طرف سے ایسی تنقید جس کی زد اس کی ذات پر پڑ رہی ہو تو وہ فوراً بپھر جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوتا ہے جو اپنے خلاف تنقید، تنبیہ، ڈانٹ، کو کھلے دل سے سنیں، اور اپنی اصلاح کی کوشش کریں، چاہے تنقید کرنے والا کوئی بھی شخص ہو۔

تنقید کرنے والے کی بات کو غور سے سنا جائے، پھر سوچا جائے کہ اس میں

حصہ صحیح تلفظ ومخرج کے ساتھ پڑھ لیتے تو اس وقت حذاقت ومہارت پر خوشی منائی جاتی تھی، اہل ثروت اس موقع پر بچوں کی ہمت افزائی کرتے تھے اور ان کے معلموں اور مؤدبوں کو انعام واکرام سے نوازتے تھے۔

[1] حوالہ سابق

میری کون سی غلطی ہے، اگر تنقید کرنے والے نے غلط تنقید کی ہے تو بھی خاموش رہ کر سوچنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ۱۰۰ فیصد میں سے دس فیصد بھی صحیح تنقید ہے تو ہمیں اپنی اصلاح کا موقع مل جائے گا، ہم اپنی کوتاہیوں کو دور کرسکیں گے۔

اس لئے کہ انسان سے جو غلطی یا کوتاہی ہوتی ہے اس کے تین درجہ ہوتے ہیں (۱) سہواً (۲) عمداً (۳) خطاءً۔

کسی کی تنبیہ اور تنقید برداشت کرنے سے بہت زیادہ آسانی کے ساتھ دو درجوں پر قابو پالیا جاتا ہے اور انسان پھر غلطیوں سے بچ جاتا ہے۔

انسان ہر قسم کی محنت میں جب ہی کامیاب ہوسکتا ہے جب وہ اپنے خلاف تنقید کو بصد شوق قبول کرے۔

اس لئے کہ تنقید کو برداشت کرنا، بیک وقت بہت سی صفات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ والدین اور بڑے بھائی بہنوں کی تنبیہ برداشت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نفس پرستی کا مریض نہیں ہے۔ کیونکہ نفس پرست شخص کے ہاں اپنی ذات اتنی اہم ہوتی ہے کہ اس کو اپنی غلطیوں کا سننا بھی گوارا نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ جذبات کا حقیقی غلام ہوتا ہے خواہ وہ کتنا ہی آزاد اور امیر ترین آدمی کیوں نہ ہو۔

جو اپنے والدین اور بڑوں کی تنبیہ پر فوراً تاویلات کا سہارا لیا کرتا ہے اور جواب پر جواب دینے کا عادی ہوجاتا ہے، حقیقت میں اس نے طوقِ غلامی اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے، انسان کو چاہیئے کہ اپنے رُتبے اور حیثیت کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عادی ہو اور خالصۃً حق کا طالب ہو۔

حق کا جذبہ صحیح طور پر موجود ہو تو آدمی کسی دوسرے کی بات میں الجھے گا نہیں وہ تو صرف یہ سوچے گا کہ کیا چیز حق ہے، اور جو چیز حق ہوگی اس کو دل و جان سے قبول کرے گا۔ خواہ وہ اس کے موافق ہو یا اس کے خلاف۔

عربی کے ایک شعر کا مفہوم یہ ہے کہ۔

''میرا سب سے بڑا محسن وہ ہے جو میرے پاس میرے عیوب کا ہدیہ پیش کرے، جو مجھے بتائے کہ میرے اندر کیا عیب ہے۔'' اور جو شخص تعریف کر رہا ہے کہ تم ایسے اور ویسے ہو، اور اس کو چڑھا رہا ہے، جس کے نتیجے میں دل میں کبر اور غرور پیدا ہو رہا ہے، یہ بظاہر تو دیکھنے میں اچھا معلوم ہو رہا ہے، لیکن حقیقت میں وہ نقصان پہنچا رہا ہے۔[1]

لہٰذا والدین اور اساتذہ کرام یا بڑے بھائی بہن کو اپنا محسن سمجھنا چاہیئے ان کا احسان ماننا چاہیئے کہ انہوں نے ہمارا عیب بتا دیا۔ اب ہم اس کی اصلاح کریں گے۔

حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنے وعظ ''مؤمن، مؤمن کا آئینہ ہے'' میں فرماتے ہیں:

''بعض اوقات ایک انسان کو اپنی بیماری کا علم نہیں ہوتا کہ میرے اندر فلاں بیماری ہے۔ لیکن جب وہ کسی طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو وہ ڈاکٹر بتا دیتا ہے کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے۔ اب ڈاکٹر کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم نے اس شخص کو بیمار بنا دیا۔ بلکہ یہ کہا جائے گا جو بیماری خود تمہارے اندر پہلے سے موجود تھی اور تم اس کی طرف سے غافل تھے۔ ڈاکٹر نے بتا دیا کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے، اس کا علاج کر لو۔''

آگے ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

ایک نصیحت آموز واقعہ[2]

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے اپنا یہ

---

[1] اصلاحی خطبات: جلد ۸ صفحہ ۳۰۱

[2] واقعہ نمبر ۲۱

واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میرے والد ماجد یعنی (میرے دادا) بیمار تھے، دیوبند میں قیام تھا۔ اس وقت دہلی میں ایک حکیم نابینا بہت مشہور تھے۔ اور بہت حاذق اور ماہر حکیم تھے۔ ان کا علاج چل رہا تھا۔ میں دیوبند سے دہلی گیا تا کہ والد صاحب کا حال بتا کر دوا لے لوں چنانچہ میں ان کے مطب میں پہنچا اور حضرت والد صاحب کا حال بتایا اور کہا کہ ان کی دوا دے دیں۔

حکیم صاحب نابینا تھے۔ جب انہوں نے میری آواز سنی تو فرمایا کہ میں تمہارے والد صاحب کی دوا تو بعد میں دوں گا، پہلے تم اپنی دوا لو۔ میں نے کہا کہ میں تو ٹھیک ٹھاک ہوں، کوئی بیماری نہیں ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ نہیں، یہ تم اپنی دوا لو۔ صبح یہ کھانا، دوپہر یہ کھانا اور شام کو یہ کھانا۔ اور جب ایک ہفتہ کے بعد آؤ تو اپنا حال بیان کرنا۔

چنانچہ انہوں نے پہلے میری دوا دی اور پھر والد صاحب کی دوا دی۔ جب میں گھر واپس آیا تو والد صاحب کو بتایا کہ حکیم صاحب نے اس طرح مجھے بھی دوا دی ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ جس طرح حکیم صاحب نے فرمایا ہے اسی طرح کرو اور ان کی دوا استعمال کرو۔ جب ایک ہفتہ کے بعد دوبارہ حکیم صاحب کے پاس گیا تو میں نے عرض کیا کہ حکیم صاحب! اب تک یہ فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا اور نہ کوئی بیماری معلوم ہوئی۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ گذشتہ ہفتہ جب تم آئے تھے تو تمہاری آواز سن کر مجھے اندازہ ہوا کہ تمہارے پھیپھڑوں میں خرابی ہوگئی ہے اور اندیشہ ہے کہ کہیں آگے چل کر ٹی بی کی شکل اختیار نہ کر لے اس لئے میں نے تمہیں دوا دی۔ اور اب الحمد للہ تم اس بیماری سے بچ گئے۔

دیکھئے! بیمار کو پتہ نہیں ہے کہ مجھے کیا بیماری ہے۔ اور معالج اور ڈاکٹر کا یہ بتانا کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے، یہ اس کا احسان ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ ڈاکٹر نے بیمار بنا دیا، بلکہ اس نے بتا دیا کہ تمہارے اندر یہ بیماری پیدا ہو رہی ہے، تا کہ تم

علاج کرلو۔ اب اس بتانے کی وجہ سے ڈاکٹر پر غصہ کرنے اور اس سے ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔[1]

انسان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو عاجز اور حقیر سمجھے۔

اور یہ تنقید برداشت کئے بغیر نہیں ہوسکتا، جب آدمی تنقید کے بجائے نیاز مندی کی باتوں کو پسند کرنے لگتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس خطرے میں ڈالتا ہے کہ عجز کے بجائے کبر اس کے نفس کی غذا بن جائے۔

وہ ایک مصنوعی فضا میں زندگی گذارنے لگتا ہے، اس کی ظاہری تواضع اس کو اور دوسروں کو اس غلط فہمی میں رکھتی ہے کہ وہ کبر کا شکار نہیں ہوا ہے، حالانکہ وہ نفسیاتی طور پر پوری طرح کبر کا مریض ہوچکا ہوتا ہے۔

اس لئے جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے قیادت، امامت کا کام لیا وہ ہمیشہ لوگوں کو یوں دعا دیتے تھے۔

"رَحِمَ اللّٰہُ امْرَأً نَبَّہَ عَلٰی عُیُوْبِیْ"

تَرجَمَۂ: "اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو (تنہائی) میں میرے عیوب پر مطلع کرے۔"

اور ایسے ہی لوگوں کی زبانوں پر حق کی آواز بلند ہوتی ہے اور وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کہتے ہیں:

"لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ"

تَرجَمَۂ: "یعنی اگر علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میری اصلاح نہ فرماتے تو میں ہلاک ہوجاتا۔"

حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے فرمایا: کہ میرے والد

---

[1] اصلاحی خطبات، جلد ۸ صفحہ ۳۰۱

صاحب مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا معمول تھا اگر کوئی شخص ان کو کوئی غلطی بتلاتا تھا اور ان کو سو فیصد یقین تھا کہ یہ غلط کہہ رہا ہے، اس کے باوجود ایک منٹ کے لئے خاموش رہتے کہ شاید صحیح کہہ رہا ہو۔

اصلاح کی بات[1]

''ایک شخص حضرت مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خط میں بہت برا بھلا لکھتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت نے اپنے خادمِ خاص مولانا یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا: بھائی کیا بات ہے آج کل وہ ہمیں خط نہیں لکھتے؟

مولانا یحییٰ صاحب نے جواب دیا: وہ لکھتے تو ہیں مگر میں آنجناب کو سناتا نہیں ہوں کہ بے کار باتیں ہوتی ہیں۔

فرمایا: مجھے سنایا کرو شاید اس میں ہماری اصلاح کی کوئی بات نکل آئے۔''

لہٰذا ہمیں بھی چاہیئے ہمارے والدین، بڑے بھائی، اساتذہ کسی بات پر تنبیہ کریں تو ترکی بہ ترکی جواب دینے کے بجائے خاموش رہ کر سوچیں۔ چاہے ہمیں اپنی غلطی نظر نہ آئے لیکن پھر بھی سوچیں کہ شاید جو ابو فرما رہے ہیں وہ صحیح ہو۔

ہاں! یقین ہو کہ وضاحت کرنے سے والد صاحب کو اطمینان ہو جائے گا تو فوراً اس وقت تو جواب پر جواب نہ دیں خاموش ہو جائیں جب ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے کم از کم دو یا تین نمازوں کا وقت گذر جائے اس کے بعد وضاحت کر دیں کہ جس بات پر آپ ناراض ہو رہے تھے اس کی وجہ یہ تھی۔

بسا اوقات والد صاحب نے بیٹے کو تھوڑی سی بات پر ڈانٹ دیا، بیٹا یہ سمجھتا ہے اتنی چھوٹی سی بات پر اتنا زیادہ تو نہیں ڈانٹنا چاہیئے تھا یا اتنی سی بات پر سب کے

---

[1] واقعہ نمبر ۲۲

سامنے تو ذلیل نہ کرتے، یا والد صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا، اس بدگمانی اور قلبی غیبت سے بھی بچنا چاہیئے۔

ہاں! ان مراحل میں یا ایسے وقت میں دل کو تسلّی دینے کے لئے ان دو تدبیروں پر عمل کریں۔

۱ والد صاحب کے عمل کی تاویل کر لیجئے، شاید اس وجہ سے والد صاحب نے ایسا کیا ہو، شاید والدہ نے اس وجہ سے ایسا کیا ہو، شاید میں اس کو چھوٹی سی بات سمجھتا ہوں والد صاحب کے ذہن میں کوئی اور بات ہو، جہاں میرے دماغ اور میری عقل کی رسائی نہ ہو شاید والد صاحب کی بیماری ذریعہ بنی ہو وغیرہ۔

۲ دل سے والدین کو معاف کر کے اپنے گناہوں کی بھی معافی مانگیئے۔

بسا اوقات یہ گناہوں کا نتیجہ ہوتا ہے جو انسان کو محسوس نہیں ہوتا، فوراً توبہ کر لیجئے! اور سوچیئے کہیں میں نے تو کسی کو اس طرح ذلیل نہیں کیا کہ اس اصول کے تحت ''جیسی کرنی ویسی بھرنی''

میں نے خود اپنے کسی چھوٹے کو اس طرح تکلیف پہنچائی ہوگی تو میرے بڑے مجھے پہنچا رہے ہوں گے۔

والد صاحب کے طمانچہ میں بھی تعلیم اور تربیت چھپی ہوئی ہے

بسا اوقات والد صاحب کسی نا مناسب بات پر بچے کی پٹائی کر دیتے ہیں۔ بچے کو بہت غصہ آتا ہے اتنی چھوٹی بات پر طمانچہ کیوں مارا؟

ابو ایسے ہیں وغیرہ..........وغیرہ..........

اس حالت میں بچے کو چاہیئے کہ صبر کرے اور سوچے کہ والد صاحب نے جو تادیبی کاروائی کی ہے، اس میں میری مصلحت ہے اور اسی میں میرا فائدہ ہے۔ اس

لئے کہ یہ والد صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ میری تعلیم و تربیت کی فکر فرمائیں۔ اگر کوئی بچہ ادب کے خلاف، تمیز کے خلاف یا شریعت کے خلاف کوئی غلط کام کر رہا ہے۔ تو اس کو بتانا والدین کے ذمے فرض ہے۔

دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں ان کے بچپن میں ان کے والدین نے ہر موقع پر تنبیہ، تادیب، سزا، جزا کے ذریعے سے ان کی تعلیم و تربیت فرمائی اس طرح وہ بڑے بنے۔

آپ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام سنا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ان سے کتنا بڑا کام لیا صرف ان کے ایسے شاگرد جو ان کے خلفاء بھی بنے ان کی تعداد اور ان کے حالات پر جو کتاب لکھی گئی، وہ دو جلدوں میں ہے جس کا نام ''مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفائے کرام'' ہے دنیا کے کئی ملکوں میں ان کے نام کے دارالعلوم بنے، مساجد بنیں، خانقاہیں بنیں، اسکول بنے۔

جنوبی افریقہ کے جوہانسبرگ شہر کے قریب ایک بہت بڑا مدرسہ ''دارالعلوم زکریا'' واقع ہے۔

وہاں سینکڑوں بچے حافظ اور عالم بنتے ہیں، اور کئی ملکوں کے بچے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔

ان کے حالاتِ زندگی پر ایک بہت ہی پیاری کتاب ہے جس کا نام ''آپ بیتی'' ہے، اس کتاب کا آپ خوب مطالعہ فرمائیں اس سے آپ کو ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ اس کتاب سے ایک واقعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

میں اپنا تکیہ لے آؤں[1]

میری عمر تین چار سال کی تھی، اچھی طرح سے چلنا بھی بے تکلف نہیں سیکھا تھا،

---

[1] واقعہ نمبر ۲۳

سارا منظر خوب یاد ہے اور ایسی باتیں اَوقَع فِي الذِّهن ہوا کرتی ہیں۔ میری والدہ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرقَدَهَا کو مجھ سے عشق تھا، ماؤں کو محبت تو ہوا ہی کرتی ہے، مگر جتنی محبت ان کو تھی اللہ ان کو بہت بلند درجے عطا فرمائے، میں نے ماؤں میں بہت کم دیکھی۔

اس وقت انہوں نے میرے لیے ایک بہت خوبصورت تکیہ چھوٹا سا سیا تھا، ایک بالشت میری موجودہ بالشت سے چوڑا اور ڈیڑھ بالشت لمبا، اس کی ہیئت بھی کبھی نہیں بھولوں گا، اس کے اوپر گوٹہ ٹھپہ، گوکھرو، کرن بنت وغیرہ سب کچھ ہی جڑا ہوا تھا۔ نیچے لال قند کا غلاف اور اس پر سفید جالی کا جھالر بہت ہی خوشنما، وہ مجھے اتنا محبوب تھا کہ بجائے سر کے وہ میرے سینے کے اوپر رہا کرتا تھا، کبھی اس کو پیار کرتا، کبھی سینے سے چمٹایا کرتا۔

والد صاحب نے آواز دے کر فرمایا کہ ”زکریا مجھے تکیہ دے دے۔“ مجھ میں پدری محبت نے جوش مارا اور اپنے نزدیک انتہائی ایثار اور گویا دل پیش کر دینے کی نیت سے میں نے کہا کہ۔

”میں اپنا تکیہ لے آؤں۔“ فرمایا کہ ”ورے آ۔“ میں انتہائی ذوق وشوق میں کہ ابا جان اس نیاز مندی اور سعادت مندی پر بہت خوش ہوں گے دوڑا ہوا گیا، انھوں نے بائیں ہاتھ سے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر اور داہنے ہاتھ سے منہ پر ایسا زور سے تھپڑ رسید کیا کہ آج تک اس کی لذت بھولا نہیں اور مرتے وقت تک امید نہیں کہ بھولوں گا۔ اور یوں فرمایا کہ ”ابھی سے باپ کے مال پر یوں کہتا ہے کہ اپنا لاؤں، کچھ کما کر ہی کہنا کہ اپنا لاؤں۔

اللہ ہی کا فضل وکرم ہے اور محض اس کا ہی لطف واحسان ہے اس کے بعد سے جب بھی یہ واقعہ یاد آجاتا ہے تو دل میں یہ مضمون پختہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ اپنا اس دنیا میں کوئی مال نہیں۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ دن بدن یہ مضمون پختہ ہی ہوتا جارہا ہے۔[۱]

---

[۱] آپ بیتی: جلد ۱ صفحہ ۱۷

لہٰذا ہمیں بھی اپنے والدین کی ڈانٹ ڈپٹ اور تادیب پر ناراض نہ ہونا چاہیے بلکہ اس کو تو والدین کا احسان سمجھانا چاہیے کہ یہ ہماری تربیت، اصلاح اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔

والد صاحب کا نام روشن کیجیے

لطیفہ: کسی بچے نے یہ سن لیا کہ والد کا نام روشن کیجیے تو محترم نے بلب پر والد صاحب کا نام گرامی لکھ لیا اور اپنے تئیں خوش ہو گئے کہ والد کا نام روشن ہو گیا۔

آیئے! ہم اور آپ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ والدین کا نام کس طرح روشن کیا جائے، آپ کتاب بند کر کے ہو سکے تو دو رکعت نفل پڑھیے اور دعا کیجیے کہ اے اللہ! مجھے والدین کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیجیے، دنیا اور آخرت میں ان کا نام روشن کرنے والا بنا دیجیے۔

❶ سب سے پہلی بات جس کے ذریعہ آپ والدین کا نام روشن کریں گے وہ یہ ہے کہ آپ قرآنِ کریم کے حافظ بن جایئے اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَومَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِن ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِیْ عَمِلَ بِهٰذَا.﴾[1]

تَرجَمہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جاوے گا جس کی روشنی آفتاب سے بھی زیادہ ہوگی، اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو۔ پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود عامل

[1] ابو داؤد، كِتَابُ الصَّلوٰة، بَابٌ فِي ثَوَابِ قِرَأَةِ الْقُرآنْ: ۲۰۵/۱

ہے۔"

دیکھیے! کتنی بڑی فضیلت اور سعادت ہے کہ آپ کی تھوڑی سی لگن اور محنت کی وجہ سے کتنا بڑا اجر وثواب اللہ جل شانہ عطا فرمارہے ہیں کہ آپ کے قرآنِ کریم حفظ کرنے پر قیامت کے دن جب سارے اولین و آخرین جمع ہوں گے آپ کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج سے بھی زیادہ ہوگی۔

آپ سوچیے! کہ سارے انبیاء، شہداء، صدیقین، صالحین وہاں جمع ہوں گے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کے آخری انسان تک سارے کے سارے وہاں موجود ہوں گے اور وہ یہ منظر دیکھ رہے ہوں گے کہ فلاں کے بیٹے کے قرآنِ پاک حفظ کرنے کی وجہ سے اس کے والدین کو ایسا عظیم الشان تاج پہنایا جارہا ہے۔

یہ کتنی بڑی عزت کی بات ہے کہ آپ کی وجہ سے کل قیامت کے دن اس طرح آپ کے والدین کا نام روشن ہو، اور دنیا میں بھی لوگ ایسے بچے کے والدین کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان پر رشک کرتے ہیں۔

لہٰذا آپ ہمت کیجیے اور حفظِ قرآن شروع کردیجیے، اگر آپ روزانہ کی دس آیات یاد کرلیں تو آپ پورا قرآن ان شاء اللہ تعالیٰ (ہر مہینہ ۳۰ دن کے حساب سے) ایک سال، دس ماہ، سات دن میں حفظ کرسکتے ہیں۔

اور اگر روزانہ کی پندرہ آیات یاد کرنی شروع کردیں تو آپ ان شاء اللہ تعالیٰ (ہر مہینہ ۳۰ دن کے حساب سے) باآسانی ایک سال، دومہینے، پچیس دن میں پورا قرآنِ پاک مکمل کرسکتے ہیں۔

اگر آپ عمر کے اس حصہ میں پہنچ گئے ہیں کہ یاد نہیں کرسکتے تو بھی کوشش ضرور کیجیے، ہاں! اس کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد، اپنے بھائی بہنوں کی اولاد، اپنے خادم، چوکیدار، گھر کی خالہ کی اولادوں پر ترغیب کے ذریعے محنت کرکے ان کو حافظ بنائیے۔

اپنے محلے میں قرآنِ کریم کے حفظ کے لئے ایک استاد رکھ کر حفظ شروع

کروایئے تاکہ آپ کم از کم یہ ثواب حاصل کرنے والے بن جائیں، اور دنیا آخرت میں آپ کا نام ان لوگوں میں لکھا جائے، جنہوں نے اپنے والدین کا نام روشن کیا۔

۲ آپ کے والد کو اللہ تعالیٰ نے جو بھی خوبیاں عطا فرمائی ہیں، وہ جو نیک کام کررہے ہیں یا کرکے چلے گئے ہیں، اس کو جاری رکھیئے اس کو آگے بڑھایئے، اس میں مزید اضافہ کیجئے خصوصاً چچا، تایا، پھوپھی، دادی، دادا کے ساتھ حسنِ سلوک، ادب سے ان سے ملنا، ان کا اکرام کرنا، ان کی اولاد کا بھی خیال رکھنا، ان کو ہدیہ دینا، ان کی بے روزگار اولاد کو روزگار پر لگانا، کم از کم ہفتے میں ان سے ملنے جانا وغیرہ امور کا خیال رکھنا۔

۳ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسباب و وسائل عطا فرمائے ہیں تو والد صاحب کے ایصالِ ثواب کے لئے مسجد بنوادیں یا کنواں کھدوادیں یا دواخانہ بنوادیں، کہیں پانی کی سبیل لگوادیں، بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے کوئی مدرسہ بنادیں۔

ہاں! ضروری نہیں کہ اس میں والد صاحب کے نام کی تختی لگوائیں یا ان کے نام کی مسجد بنوائیں، جس اَللّٰه جَلَّ جَلَالَهٗ کو راضی کرنے کے لئے آپ نے یہ کام کئے ہیں اس اللہ کے علم میں آجانا کافی ہے، چاہے وہ کسی کو بھی پتہ نہ ہو لیکن آپ کو اور آپ کے رب کو پتہ ہونا یہ کافی ہے، اور حقیقت میں یہی صدقہ بہت اونچے درجہ کا ثواب رکھتا ہے جو اس طریق پر ہو۔ حدیث میں آتا ہے اس شخص کے بارے میں جو خفیہ طور پر صدقہ کرے:

"وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ اِخْفَاءً حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَاتُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ"[1]

تَرجَمَہ: "اور ایک وہ شخص جو ایسے پوشیدہ طریقے سے صدقہ کرتا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔"

یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے، حدیث شریف کی ابتدا میں یہ فضیلت ذکر ہے

[1] بخاری، کِتَابُ الْأَذَانِ، بَابُ مَنْ جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ...... ۹۱/۱

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن سات قسم کے لوگوں کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے جس دن کوئی اور سایہ نہ ہوگا، ان سات طرح کے لوگوں میں ایک وہ بھی ہے جو انتہائی پوشیدہ طور پر اللہ کی راہ میں صدقہ کرے یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو یہ نہ معلوم ہو کہ اس نے اپنے دائیں ہاتھ سے کیا خرچ کیا۔

لہٰذا آپ بھی اسی جذبہ کے ساتھ اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کیجیے، اور مخلوق سے کچھ بھی امید نہ رکھیے، محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے جذبے کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کیجیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو دلوں کے بھید اور رازوں کو جاننے والی اور مستغنی ذات ہے، وہ آپ کے اک اک حال سے خوب باخبر ہے۔

والد کی چاہت پر عمل کی کوشش کیجیے

باپ کو خوش کر کے دنیا وآخرت دونوں بنالی[1]

گجرات کا ایک بادشاہ تھا جس کا نام محمود تھا۔ ایک دفعہ رمضان میں کئی علماء بیٹھے تھے۔ ایک عالم نے کہا کہ قیامت کے دن سب لوگ پریشان ہوں گے لیکن جو قرآن کا حافظ ہوگا، اس کے والدین پریشانی سے بچ جائیں گے۔

بادشاہ نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا افسوس ہے! کہ ہمارے بیٹوں میں کوئی بھی حافظ نہیں ہے، ورنہ ہم بھی قیامت کے دن پریشانی سے بچ جاتے۔

اس مجلس میں محمود بادشاہ کا بیٹا خلیل بھی تھا، اس کے دل پر اپنے والد کی بات کا بڑا اثر ہوا۔ محمود کی عمر بھی زیادہ تھی۔ بہت بڑے کاروبار کی نگرانی بھی اس کے ذمہ تھی لیکن اس نے دن رات محنت کی، فارغ وقت میں پڑھتا رہتا تھا، راتوں کو جاگ جاگ کر آنکھیں سرخ ہو گئیں لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی۔

---

[1] واقعہ نمبر ۲۴

چنانچہ اس نے ایک سال اور چند ماہ میں پورا قرآن ختم کرلیا اور پھر رمضان میں والد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس سال تراویح میں قرآن میں سناؤں گا۔ بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ تم کب سے حافظ ہو گئے؟

خلیل خان نے کہا جب آپ نے علماء کے سامنے کہا تھا کہ اگر ہمارا بیٹا بھی حافظ ہوتا تو ہم بھی قیامت کی پریشانی سے بچ جاتے بس اسی دن میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ میں حافظ بن کر رہوں گا، میں نے دن رات محنت کی چنانچہ اللہ پاک نے مجھے حافظ بنا دیا، آپ کو خوشخبری ہو کہ آپ بھی ایک حافظ کے باپ ہیں۔

محمود خان نے بیٹے کو مصلے پر کھڑا کیا۔ خلیل خان کو قرآن اتنا پختہ یاد تھا کہ ہر روز تراویح میں پورا قرآن ختم کر دیتا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا بیٹے میں تمہارا کیسے شکریہ ادا کروں اور تمہیں کیا انعام دوں؟

پھر اس نے خلیل خان کا ہاتھ پکڑا اور اسے تخت پر بٹھا کر بادشاہ بنا دیا اور خود نیچے جا کر بیٹھ گیا۔[1]

فائدہ:

۱ خلیل نے اپنے والد محمود کی چاہت پوری کرنے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی، ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے خلیل کو حفظِ قرآن کی نعمت سے نوازا۔

۲ دوسری نعمت یہ عطا فرمائی کہ قرآن کریم پکا یاد تھا۔

۳ والد کے خوش ہونے سے تیسری نعمت جو سب سے بڑی نعمت ہے اللہ کی رضا وہ حاصل ہوئی۔

۴ چوتھی نعمت یہ ملی کہ اللہ نے انعام کے طور پر بادشاہت بھی نصیب فرمائی۔

اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ انسان والد کی چاہت پر عمل کا ارادہ کرلے اور پھر کوشش شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ بھی مدد فرماتے ہیں۔

---

[1] تفہیمات: ص ۴۳

دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ بسا اوقات والدین کی چاہت یا ان کے حکم کے خلاف کرنے کا جی چاہتا ہے ماں باپ کا حکم ہے یہاں رشتہ نہ کرو، اس ملک میں نہ جاؤ، اس کاروبار کو نہ کرو، اس ملازمت کو نہ کرو۔ شیطان دھوکہ دیتا ہے اور اولاد کی زبان پر یہ الفاظ بھی آجاتے ہیں، والدین سمجھتے نہیں، والدین نے انا کا مسئلہ بنایا ہوا ہے، والدین معیار، خاندان کو دیکھتے ہیں والدین مال چاہتے ہیں۔ اس لئے مجھے اپنی پسند کا رشتہ نہیں کرنے دیتے۔

لہٰذا ان شیطانی دھوکوں سے بچنا چاہیئے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ والدین کے حکم کے مقابلے میں اپنی چاہت پر عمل کرنے سے تھوڑی سی چند دنوں کی لذت اور راحت ہے، لیکن بعد میں مصیبت ہی مصیبت ہے، جو رشتہ ای میل یا فون یا موبائل وغیرہ سے ملا ہے اس میں اگر والدین ناراض ہیں تو کبھی بھی ان کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے چوہے کو پنجرے میں مکھن والی ڈبل روٹی، جس کو کھا کر وہ پنجرے میں قید ہو جائے گا۔ یا مچھلی کو کانٹے پر لگا ہوا تازہ گوشت جسے کھا کر وہ کانٹے میں پھنس جائے گی۔

اسی طرح اس شخص کا حال ہوگا جو انجام سے غافل ہو کر والدین کی بات کو نہ مانتے ہوئے یا والدین کی بات کے خلاف اپنی بات منوائے۔ اور جو شخص والدین کی بات مان کر تھوڑی سی مشقت برداشت کر لیتا ہے اپنی چاہت کے خلاف تھوڑا سا برداشت کر لیتا ہے، تو پھر اللہ جل جلالہ والدین کی اطاعت اور ان کی چاہت پر عمل کرنے کے نتیجے میں اس کو مستقل راحت نصیب فرماتے ہیں دنیا ہی میں وہ شخص انجام کے اعتبار سے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کر لیتا ہے اور آخرت میں تو بے شمار نعمتیں ملتی ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کی چاہت پر عمل کرنے والا بنائے اور والدین کو بھی سمجھ اور ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

والدین کے کاموں میں ہاتھ بٹایئے

آپ نے یہ مشہور جملہ سنا ہوگا

"مَن خَدَمَ خُدِمَ"

ترجمہ: "جو خدمت کرتا ہے اس کی خدمت کی جاتی ہے۔"

گھر میں والدین اسی بچے سے زیادہ محبت کرتے ہیں جو محنتی ہو اور والدین کا خیال رکھتا ہو، اور بڑے ہو کر معاشرہ میں ایسے انسان سے ہر ایک محبت کرتا ہے جو محنتی اور چست ہو۔

آپ والدین کے ساتھ گھر کے امور میں تعاون کیجئے اور ان کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آیئے، اس میں آپ کا دنیا اور آخرت دونوں کا فائدہ ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ثَلَاثٌ مَن كُنَّ فِيهِ نَشَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ، رِفْقٌ بِالضَّعِيفِ وَالشَّفَقَةُ عَلَى الْوَالِدَيْنِ، وَالإِحْسَانُ إِلَى الْمَمْلُوكِ.﴾[1]

ترجمہ: "تین خوبیاں جس شخص میں پائی جائیں اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے، اور اسے جنت میں داخل کر دیں گے۔ کمزوروں سے نرم برتاؤ کرنا، والدین سے مہربانی کا معاملہ کرنا اور غلام سے اچھا سلوک کرنا۔"

لہٰذا آپ بھی اس فضیلت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے والدین کے ساتھ انتہائی شفقت و مہربانی کا معاملہ کیجئے، اور ان کے ساتھ ہر طرح سے تعاون کیجئے، اور اس کے لئے اپنے کو چست بنایئے اور ہمت پیدا کیجئے، اور کاہلی و سستی سے بچیئے۔

کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سستی اور کاہلی سے پناہ مانگی ہے اور اللہ

---

[1] ترمذی، اَبوَابُ صِفَةِ القِيَامَةِ، بَابٌ فِيهِ أَربَعَةُ أَحَادِيث:۷۶/۲

تعالیٰ بھی اس چیز کو ناپسند فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک واقعہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

کوشش پوری کریں[1]

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں کا مقدمہ آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا، یہ فیصلہ جس شخص کے خلاف تھا اس نے فیصلہ نہایت سکون سے سنا اور یہ کہتے ہوئے چلنے لگا کہ "حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کو میرے پاس لاؤ پھر فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَلُوْمُ عَلَى الْعِجْزِ وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ فَإِذَا غَلَبَكَ أَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.﴾

تَرجَمَۃ: "یعنی اللہ تعالیٰ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کو ناپسند کرتا ہے، بلکہ تم کو چاہیے کہ تمام ذرائع اختیار کرو، پھر بھی عاجز ہو جاؤ تو اس وقت کہو:"

"حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ"[2]

لہٰذا آپ بھی اپنے کو اس بری عادت سے بچایئے، اور چستی کی عادت ڈالیے، آپ اپنا ایک نظام الاوقات بنایئے اور اس کے مطابق اپنے امور کو انجام دیجیے، اور ساتھ ساتھ اس دعا کا بھی اہتمام کیجیے۔

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ.[3]"

---

[1] واقعہ نمبر ۲۵

[2] معارف القرآن: جلد ۲ صفحہ ۲۴۳

[3] ابو داؤد، كِتَابُ الصَّلٰوةِ، بَابٌ فِي الْإِسْتِعَاذَةِ: ۱/۲۱۵

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں عجز اور کاہلی سے، بزدلی اور بخل سے اور سخت بڑھاپے سے۔''

پھرتی کے ساتھ کام کرنا، امی ابو کے کاموں میں ہاتھ بٹانا، بغیر کہے گھر کی صفائی ستھرائی میں امی کی مدد کرنا نیک بچوں کی شان ہوا کرتی ہے۔

جمعہ یا اتوار کو چھٹی ہوتی ہے آپ کوشش کریں...... ابو کی سائیکل، موٹر سائیکل یا کار ہو تو اچھی طرح آپ اس کو دھو دیجیے اگر ابو کی اجازت ہو، ابو کے جوتے پالش کر دیجیے اسی طرح دیگر امور میں ابو کی مدد کر دی جن امور میں مدد کی ضرورت ہو۔

اسی طرح امی کے ساتھ گھر کے کاموں میں امی کی مدد کیجیے امی کام کر رہی ہیں چھوٹا بھائی یا بہن رو رہا ہے اس کو چپ کرا دیجیے اگر وہ بھوکا ہے اس کو بوتل میں دودھ ڈال کر دے دیجیے، امی کے ساتھ کپڑے دھلوا دیجیے، کپڑوں پر استری کر دیجیے۔

اسی طرح امی کے ساتھ کھانا پکانے میں مدد کیجیے، کبھی آٹا گوندھ لیجیے کبھی برتن دھو دیجیے، فرج کی صفائی کر دیجیے وغیرہ۔

خصوصاً جب گھر میں مہمان آئیں تو ایسا نہ ہو کہ پکانے کا، دسترخوان لگانے کا، اٹھانے کا، سارا بوجھ امی پر ہو، بلکہ آپ پوری پوری مدد کیجیے۔

انسان کو چاہیے کہ جدّ وجہد، عزم، استقلال، مشقت، ہمت، ثابت قدمی اور مسلسل محنت کرتے رہنے کی عادت بنائے۔

چھوٹے چھوٹے کاموں میں امی ابو کی مدد کرنے سے بڑے بڑے کام کرنا آپ کے لئے آسان ہوگا۔

یاد رکھیے! سستی اور آرام طلبی میں خسارہ ہے، اپنے ہاتھ سے کام کرنے اور دوسروں کی مدد کرنے سے آپ کو عجیب خوشی حاصل ہوگی۔ عمر کے ابتدائی دور میں محنت کرنے کی موزوں تربیت میسر آجائے، تو ایسے بچے بڑے ہو کر مسائل کو سمجھنے اور مشکلات کے حل ڈھونڈنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور کامیابی ان کے قدم چومتی

ہے۔

ے ہے قوتِ بازو میں تری رازِ سعادت
تو ڈھونڈتا پھرتا ہے اسے بالِ ہما میں

اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے لئے جدّ وجہد کرنا قدرت کا ایک اٹل قانون ہے جو لوگ سعی وکوشش سے گریز کرتے ہیں ان کی ہستی بالکل مٹ جاتی ہے۔ دنیا کی دوڑ دھوپ میں وہی شخص آگے نکل سکتا ہے جو محنت واستقلال کے گھوڑے پر سوار ہو اور عقلِ سالم کا تازیانہ ہاتھ میں رکھتا ہو۔

ے سانس کی طرح چلے منزلِ ہستی میں بشر
مدعا یہ ہے کہ دم بھر کو بھی بیکار نہ ہو

مانا کہ آپ پر ہوم ورک کا بھی بوجھ ہے، ٹیوشن پڑھنے بھی جانا ہے، مطالعہ اور تکرار بھی کرنا ہے، پھر اوپر سے والدین کا ہاتھ بٹانا، تو یاد رکھیے! محنت سے بھی آدمی تھک جاتا ہے اور کاہلی سے بھی، مگر محنت کا نتیجہ اللہ کے حکم سے صحت و دولت ہے اور کاہلی کا بیماری و افلاس، کیونکہ آبِ رواں چمکتا ہے اور آبِ ایستادہ (ٹھہرا ہوا پانی) سڑتا ہے، کچھ نہ کرنے کی نسبت کام کرکے ناکام رہنا بدرجہا بہتر ہے۔

ہاتھ کی محنت کو اپنے شایانِ شان نہ سمجھنا مہلک غلطی ہے۔ انسانی وجود ایک چکی کی مانند ہے جس میں گیہوں پیسا جائے تو آٹا ہو اور خالی چلائی جائے تو خود اس کا نقصان ہے۔

سیڑھی کے زینے اس لئے نہیں بنائے گئے کہ ان پر ٹھہر کر آرام کیا جائے بلکہ ہر ایک زینے کا مقصد ایک پاؤں کو اس لئے سہارا دینا ہے کہ دوسرا قدم اوپر جاسکے۔[1]

لہٰذا آپ ابھی سے یہ عزمِ مصمم کیجیے کہ میں محنت، ہمت، ثابت قدمی، اور چستی کے ساتھ اپنی زندگی کو گذاروں گا اور ہر ایک کو نفع پہنچاؤں گا، خصوصاً والدین کو۔

---

[1] مخزن اخلاق: صفحہ ۵۱۹

اگر آپ کے والد صاحب کے مالی حالات درست نہیں ہیں تو آپ اپنی استطاعت کے مطابق ان کو سہارا دیجیے مثلاً:

اگر آپ کو کوئی ہنر آتا ہے جیسے آپ بجلی کا کام کرسکتے ہیں یا فریج ایئر کنڈیشن کا کام آتا ہے...... آپ سلائی وغیرہ میں ماہر ہیں تو آپ کسی دکان پر چلے جایئے وہاں کام کر کے اپنے والد صاحب کے مالی حالات میں مدد کیجیے یا اگر آپ کو کوئی ہنر نہیں بھی آتا تو آپ گھر میں سموسے، پکوڑے وغیرہ بنا کر باہر کسی کینٹین پر جا کر یا محلے میں ہی بیچ دیجیے۔

ان امور کے علاوہ اگر آپ محنت مزدوری کرسکتے ہیں تو کسی فیکٹری، کارخانے میں یا تعمیراتی کاموں میں آپ محنت مزدوری کے ذریعے سے اپنی، والد صاحب کی اور گھر والوں کو مدد کیجیے اور محنت کرنے سے بالکل نہ شرمایئے۔

کیونکہ دنیا میں جتنے بھی بڑے لوگ گزرے ہیں وہ ان مرتبوں تک اسی محنت ہمت اور ثابت قدمی کے ذریعے پہنچے ہیں۔

محنت میں ہی عظمت ہے، آدمی محنت، ہمت اور ثابت قدمی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر مشکل سے نکل سکتا ہے اور ہر مصیبت سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔

لٰہذا محنت، ہمت اور ثابت قدمی کو اختیار کیجیے اپنی ذات کو بھی نفع پہنچایئے اور والدین کے لئے بھی راحت و آرام کا ذریعہ بنیئے۔

ہم والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتے ہیں

آپ اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتے ہیں ان صفات کو اپنا کر، جن صفات کی دعا اَللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے برگزیدہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کے لئے کی، اور والدین کی سرخروئی اور نجات کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

جب اولاد نیک ہوتو وہ اولاد واقعی اپنے والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے، اور ایسی اولاد کے لئے خود بخود والدین کے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، اور یہ چیز دونوں کے لئے دنیا وآخرت کی بہت بڑی نعمت ہے۔

یہ نعمت آپ کو بھی حاصل ہوجائے، اس کے لئے آپ سچے جذبے اور لگن کے ساتھ اگر ان باتوں پر عمل کریں گے، تو اِن شَاءَ اللّٰہُ العَزِیْزُ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس نعمت سے نوازیں گے۔

1 ان باتوں میں سب سے پہلی بات ہے، ''شرک سے حفاظت'' اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراھیم عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نے اپنے اولاد کے لئے یہ دعا فرمائی:

﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِناً وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴾[1]

تَرجَمَہ: ''اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنادے، اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے۔''

حافظ ابن کثیر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

ہر داعی کو چاہیئے کہ وہ اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اور نسل کے لئے (بتوں کی عبادت سے دور رہنے کی) دعا کرے۔[2]

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے تفسیر میں فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام اگرچہ معصوم ہوتے ہیں ان سے شرک وبت پرستی بلکہ کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، مگر یہاں حضرت خلیل علیہ السلام نے اس دعا میں اپنے آپ کو بھی شامل فرمایا ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ طبعی خوف کے اثر سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ہر وقت اپنے کو خطرے میں محسوس کرتے رہتے ہیں، یا یہ کہ اصل مقصود اپنی اولاد کو شرک وبت پرستی سے بچانے کی دعا کرنا تھا، اولاد کو اس کی اہمیت سمجھانے

---

[1] سورۂ ابراھیم: آیت ۳۵

[2] تفسیر ابن کثیر: ۵۹٤/۲

کے لئے اپنے آپ کو بھی شامل دعا فرمالیا۔[1]

حضرت ابراھیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے یہ دعا اپنی اولاد کے لئے فرمائی:

''اے اللہ ! میری اور میری اولاد کی شرک سے حفاظت فرما'' کیونکہ شرک ایسی چیز ہے کہ یہ انسان کو گمراہی میں ڈال کر ہر نیکی اور بھلائی سے محروم کردیتی ہے۔

حضرت مفتی اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

دوسری آیت میں اپنی اس دعا کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ بت پرستی سے ہم اس لئے پناہ مانگتے ہیں کہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیا ہے، یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت ابراھیم عَلَیْہِ السَّلَامُ اپنے والد اور قوم کا تجربہ کرچکے تھے، کہ بت پرستی کی رسم نے ان کو ہر خیر وصلاح سے محروم کردیا۔[2]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شرک انسان کو ہر خیر وبھلائی سے محروم کردیتا ہے، اور پھر انسان اپنے مرتبہ کو بھلا کر حیوانیت کے مرتبہ سے بھی نیچے چلا جاتا ہے۔ اسی لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کے لئے خاص طور پر شرک سے حفاظت کی دعا فرمائی، ایک مؤمن کو جتنی خوشی اس بات سے ہوتی ہے کہ اس کی اولاد ایمان والی اور شرک سے بچنے والی ہو کسی اور بات سے اتنی نہیں ہوتی۔

کیونکہ جب اولاد شرک سے بچنے والی اور دین پر چلنے والی ہو تو وہ اپنے والدین کا ہر طرح خیال رکھتی ہے اور ان کی خوب اطاعت کرتی ہے، تو ایسی اولاد والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے، تو آپ بھی شرک سے بچیے اور اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنیے۔ ساتھ ساتھ شرک سے حفاظت کے لئے اس دعا کا اہتمام کیجیے۔

---

[1] معارف القرآن، جلد ۵ صفحہ ۲۶۰

[2] معارف القرآن: جلد ۵ صفحہ ۲۶۰

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ"[۱]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں تیرے ساتھ کسی کو شریک کروں اس حال میں کہ میں جانتا ہوں اور جو میرے علم میں نہیں میں اس کے لئے تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں۔"

۲ دوسری چیز یا دوسری صفت جس کو اختیار کر کے آپ اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتے ہیں، وہ "نماز" ہے۔ نماز کی ادائیگی کے متعلق جتنی تاکید اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیثِ مبارکہ میں ارشاد فرمائی ہے اتنی تاکید کسی اور چیز کے متعلق نہیں فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾[۲]

تَرجَمَہ: "نماز کو قائم کریں آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی، یقیناً فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہے"

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَلصَّلَاةُ عَمُوْدُ الدِّيْنِ.﴾[۳]

تَرجَمَہ: "نماز دین کا ستون ہے۔"

اب آپ ذرا غور کیجیے! کہ نماز کی دین میں کتنی زیادہ اہمیت ہے کہ سینکڑوں

[۱] مسند احمد، ٤٠٣/٤ بحواله كتاب الدعاء، ص٢٦١

[۲] سورة بنی اسرائيل آيت: ٧٨

[۳] منتخب احادیث: صفحہ ۱۵۹

آیات اور احادیث اس پر گواہ ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ کے مقربین خاص یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے شرک سے حفاظت کے بعد جس چیز کی دعا اپنی اولاد کے حق میں فرمائی وہ نماز ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی اپنی اولاد کے لئے:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾[1]

تَرجَمہ: ''اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی، اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما۔''

سوچیے! غور کیجیے! کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب نبی جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اولاد کے لئے کس چیز کی دعا مانگ رہے ہیں؟ مال و دولت کی، حکومت بادشاہت کی، نہیں! بلکہ ''نماز'' کی۔

نماز کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ﴾[2]

تَرجَمہ: ''اور یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتائی ہے، تو اگر آپ پابندی کے ساتھ باجماعت مسجد میں پہلی صف میں تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز کا اہتمام کریں گے تو خود بخود آپ بری عادات سے بچتے چلے جائیں گے، اور اچھی عادتیں اختیار کرتے چلے جائیں گے۔

اگر آپ نے واقعی اس طرح کیا تو حقیقتاً آپ اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں گے، لہٰذا! آج ہی سے یہ پختہ ارادہ کر لیجیے کہ مرد ہر حال میں

---

[1] سورۂ ابراھیم، آیت: ٤٠

[2] سورۃ العنکبوت آیت: ٤٥

نماز کا جماعت کے ساتھ مسجد میں اور عورتیں نماز کے اول وقت میں گھروں میں نماز کا اہتمام کریں گی اور ساتھ ساتھ اس دعا کا بھی اہتمام کیجیے۔

﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾

۳ تیسری صفت ''خدمت'' ہے، خدمت ایسی کہ جس سے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مطلوب ہو۔ ہم سب جانتے ہیں کہ والدین کے اولاد پر اس قدر احسانات ہوتے ہیں کہ اگر اولاد پوری زندگی ان کی خدمت کرتی رہے، پھر بھی ان کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

جان لیجیے کہ جو لوگ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں، ان کی خدمت میں لگے رہتے ہیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ان کے سارے گناہ معاف کردیتا ہے اور انہیں اپنی خوشنودی سے نوازتا ہے۔

اولاد حقیقی طور پر اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سکون بن سکتی ہے، آپ اپنے والدین کی خدمت کرنے میں بالکل نہ جھجکیے، جو خدمت آپ کے بس میں ہو کردیا کیجیے، کبھی پیر دبا دیجیے، کبھی سر میں تیل ڈال دیجیے، کبھی پلنگ یا تخت جس پر ان کی نشست و برخاست ہو، ہوادار جگہ میں رکھ دیجیے، کبھی پان لگا دیجیے کبھی جوتے سیدھے کردیجیے۔

ایسی چھوٹی چھوٹی خدمتیں دل میں ایسا سرور بھر دیتی ہیں کہ والدین کے دل سے خود بخود اولاد کے لئے دعاءِ خیر و عافیت فی الدارین نکلتی ہے۔ اور ایسی چھوٹی چھوٹی خدمتیں اور نیکیاں انسان کو ایسے مرتبے تک پہنچا دیتی ہیں کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا، خدمت کرنا ایسی پیاری صفت ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی نظروں میں محبوب بنا دیتی ہے۔

ہمارے اکابر جن پر ہمیں فخر ہے باوجود اس کے کہ وہ علم کے اعلیٰ مراتب پر فائز

تھے، خدمت کرنے میں بھی کبھی پیچھے نہ رہے۔
حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

تواضع وانکساری کی اعلیٰ مثال[1]

۱ حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اکابرِ دیوبند میں ہے ان کے علم وفضل کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلا واسطہ شاگرد اور حضرت شاہ عبد الغنی صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہم سبق ہیں۔ وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لیے جارہا تھا، بوجھ زیادہ تھا اور وہ بمشکل چل رہا تھا۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے ان سے پوچھا اجی! تم کہاں رہتے ہو؟

انہوں نے کہا بھائی! میں کاندھلہ میں رہتا ہوں۔

اس نے کہا: وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں اور یہ کہہ کر ان کی بڑی تعریفیں کیں، مگر مولانا نے فرمایا: اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے، ہاں نماز تو پڑھ لے ہے۔

اس نے کہا واہ میاں! تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو؟

مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ٹھیک کہتا ہوں۔ وہ بوڑھا ان کے سر پر ہوگیا، اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کو جانتا تھا اس نے بوڑھے سے کہا بھلے مانس! مولوی مظفر حسین یہی ہیں اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔

---

[1] واقعہ نمبر ۲۶

انہی مولانا مظفر حسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور اپنے تمام رشتہ داروں کے گھر تشریف لے جاتے جس کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہوتا اس سے پوچھ کر لادیتے اور طرّہ (انوکھی بات) یہ کہ اس زمانے میں لوگوں کے پاس پیسے کم ہوتے تھے، عموماً چیزیں غلّے کے عوض خریدی جاتی تھیں چنانچہ آپ گھروں سے غلہ باندھ کر لے جاتے اور اس سے اشیاءِ ضرورت خرید کر لاتے تھے۔

❷ یہی حال دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا تھا۔ علم و فضل کا تو یہ عالم کہ آج ان کی ''عزیز الفتاویٰ'' عہد حاضر کے تمام مفتیانِ کرام کے لئے ماخذ بنی ہوئی ہے اور فتویٰ کے ساتھ شغف کا یہ حال کہ وفات کے وقت بھی ایک استفتاء ہاتھ میں تھا جسے موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینے پر ڈال دیا تھا۔

لیکن سادگی، تواضع اور خدمت خلق کا یہ مقام کہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

''کوئی کیسے سمجھے کہ یہ کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامات صوفی اور صاحبِ نسبت شیخ ہیں جب کہ غایتِ تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار سے سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلّے کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا بھی خود لاتے، بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کو پہنچاتے۔''

حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے زبانی سنا کہ اسی سودا سلف لانے میں کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب حضرت مفتی صاحب کسی عورت کو سودا دینے کے لئے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی:

''مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں، میں نے یہ چیز اتنی نہیں اتنی

منگائی تھی۔" چنانچہ یہ فرشتہ صفت انسان دوبارہ بازار جاتا، اور اس عورت کی شکایت دور کرتا۔[۱]

لہٰذا والدہ محترمہ نے کبھی کہہ دیا کہ یہ سودا غلط لائے ہو واپس کردو تو بحث مباحثہ نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ آپ ہی نے تو اس طرح فرمایا تھا، اب بار بار میں کیوں جاؤں، بلکہ فوراً جی ہاں کہنا چاہیئے اور حتی الامکان کوشش کرنی چاہیئے کہ والدہ کی بات پوری ہوجائے۔ اگر ان کی بات پوری نہ ہوسکے تو فوراً نفی میں جواب نہ دیں، تھوڑی دیر صبر کر کے پھر معذرت کردیں کہ امی یہ کام اس طرح نہ ہوسکا۔

اتنے بڑے بڑے علماء، بزرگ حضرات نے عام انسانوں کی خدمت کی اور اپنی سعادت اور خوشی سمجھ کر خدمت کی تو ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم کم از کم والدین کی خدمت ضرور کریں۔ اپنی سعادت سمجھ کر کریں، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

اور ان کی منشا پہچاننے کی کوشش کریں، کہ اس وقت امی کو فلاں چیز کی ضرورت ہے، امی باورچی خانہ کی صفائی سے خوش ہوں گی تو صفائی کرلیجیے۔

ابو نماز کے لئے جارہے ہیں ان کے جوتے سیدھے کردیجیے، جوتوں پر پالش کردیجیے، اگر کپڑوں پر استری کی ضرورت ہو تو استری کردیجیے گرمی سے تھک کر ابو باہر سے آئے ہیں، تو پانی کا گلاس بغیر مانگے پیش کردیجیے۔ ابو کے پاس کچھ دیر بیٹھیے، خیر خیریت دریافت کیجیے۔

اگر آپ شادی شدہ ہیں تو بیوی کے لئے ظالم نہ بنیں

اگر آپ غیر شادی شدہ ہیں تو پھر تو مسئلہ آسان ہے کہ آپ ہر طرح سے خدمت کر کے اپنی والدہ کا دل جیتنے کی کوشش کرسکتے ہیں، ان کی ہر بات مان کر باتوں میں جی ہاں...... جی ہاں...... کہہ کر ان کی دعائیں لی جاسکتی ہیں۔

---

[۱] اکابر دیوبند کیا تھے: صفحہ ۱۰۰

اور اگر آپ شادی شدہ ہیں تو مسئلہ بہت باریک ہو جاتا ہے کہ آپ کے کاندھوں پر دو طرح کا بوجھ ہے، ایک تو ماں کا حق ادا کرنے کا کہ آیات اور احادیث اس بارے میں بہت کثرت سے آئی ہیں۔

اور دوسری طرف بیوی کا حق ہے کہ اس کے حقوق بھی شریعت نے مقرر کئے ہیں اور عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ماں کے حقوق اور بیوی کے حقوق کبھی کبھی ایک دوسرے کے مقابل آجاتے ہیں، اور دونوں کے حقوق ادا کرنے بہت ضروری ہیں۔ والدین کے حقوق اس طرح ادا کرنا کہ بیوی پر ظلم ہو یہ بھی اللہ کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔

والدہ نے بھی بہت قربانیاں دی مشقتیں اٹھائیں کہ ان کا بدلہ دنیا میں ممکن نہیں، دوسری طرف اہلیہ صاحبہ ہیں کہ وہ آپ کی خاطر اپنے والدین ......، بہن بھائی ......کو اور اس گھر کو...... جس میں ایک عرصہ گزارا اور اس گھر میں اس کی خاص اہمیت تھی، صرف آپ کے لئے چھوڑا یہ بھی ایک طرح کی قربانی ہے۔ بیوی کی اس قربانی کا بھی خیال رکھیے، وہ بھی اپنے پہلو میں دل رکھتی ہے اس کو زرخرید کنیز یا باندی نہ سمجھیے۔

یہ یاد رکھئے گا! وہ آپ کے والدین ہیں، ان کی خدمت، ان کا تعاون آپ کے فرائض میں سے ہے، یہ فرض بیوی پر ظلماً مسلط نہ کیجیے۔

ہاں اس فرض کی ادائیگی میں بیوی کو ترغیب اور حوصلہ افزائی، شاباشی، تعریف اور شکریہ کے بول بول کر جتنا معاون اور مددگار بنا سکتے ہوں تو بنائیے۔ اللہ نہ کرے آپ کسی وجہ سے بھی اس میں کامیاب نہ ہوں تو بیوی سے ناراض نہ ہوئیے، ڈانٹ ڈپٹ نہ کیجیے، دعا کرتے رہیے اور سمجھاتے رہیے، دعا اور وعظ و نصیحت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہاں خود ضرور والدین کی خدمت کیجیے۔

جب آپ اس بات کی نیت اور عزم کریں گے کہ مجھے والدین کے لئے بھی

آنکھوں کی ٹھنڈک بننا ہے اور بیوی بچوں پر بھی ظلم نہیں کرنا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ضرور آپ کی رہنمائی اور مدد فرمائیں گے۔ ایسے مشکل مراحل میں تجربہ کار علماء کرام سے مشورہ بھی ضرور کیا جائے۔

جہاں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ کے حقوق کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے، وہاں بیوی کے حقوق ادا کرنے اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے پر بھی بھرپور زور دیا۔

قرآن کریم کے پارہ نمبر۴ کی سورت نساء کی آیت نمبر۱۹ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج﴾

ترجمہ: ''ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بود و باش (رہن سہن) رکھو۔''

اس آیت کے تحت مولانا حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم اپنے وعظ میں فرماتے ہیں:

''اے دنیا کے انسانو! تمہارا پیدا کرنے والا تمہیں ہدایت دے رہا ہے کہ اپنی بیویوں سے اچھے سلوک سے پیش آؤ، اور اللہ تعالیٰ کی سفارش کو جو رد کرتا ہے اس سے بے غیرت اور کمینہ کوئی انسان نہیں ہوسکتا۔ یہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں۔''

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے کی سفارش فرمائی۔''

آپ اپنے اچھے اخلاق اور حکمت کے ذریعے دگنا اجر حاصل کرسکتے ہیں کہ بیوی کو آپ اپنے حسن سلوک اور نرم رویہ سے والدہ کی خدمت پر راضی کریں، لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ والدہ اور بیوی کے مزاج میں موافقت مشکل ہے اور آپ بیوی کو بخوشی اس پر راضی نہیں کرسکتے تو آپ بیوی پر زبردستی نہ کیجئے، کیونکہ حدیث میں

آتا ہے:

﴿اَلْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ اِنْ اَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا وَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اِسْتَمْتَعْتَ وَفِيْهَا عِوَجٌ.﴾[1]

تَرجَمَہ: ”عورت کی مثال پسلی کی طرح ہے اگر تم اس کو سیدھا کرو گے تو توڑ دو گے، اگر تم اس سے نفع حاصل کرنا چاہو تو حاصل کر سکتے ہو، لیکن اس میں ٹیڑھا پن رہے گا۔“

یعنی جیسے ٹیڑھی پسلیاں کام دی رہی ہیں ایسے ہی ان سے کام چلاتے رہو، ان کے ٹیڑھے پن پر صبر کرتے رہو، اگر ان کو سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ بیٹھو گے۔ اس حدیث کی شرح میں علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَفِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْلِيْمٌ لِلْاِحْسَانِ اِلَى النِّسَاءِ، وَالرِّفْقُ بِهِنَّ، وَالصَّبْرُ عَلٰى عِوَجِ اَخلَاقِهِنَّ، لِاِحْتِمَالِ ضُعْفِ عُقُوْلِهِنَّ.“

تَرجَمَہ: ”اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ بیویوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے، اور ان کے ساتھ نرمی کرنے، ان کے ٹیڑھے اخلاق پر صبر کرنے کی کیونکہ ان کی عقل کمزور ہوتی ہے۔“

اب آپ کے لئے ایک امتحان سامنے ہے ایک طرف ماں ہے اور اس کا مرتبہ اس کی محبتیں اور قربانیاں، دوسری طرف بیوی ہے، دونوں ہی کے ساتھ شریعتِ مطہرہ نے اچھا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے، تو اب آپ ہوش کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑیئے گا کہ اس میں آپ کی چھوٹی سی غلطی یا تو ہنستے بستے گھر کو برباد کردے گی، یا پھر ماں کی بددعا سے دنیا اور آخرت برباد ہوگی۔

لہٰذا آپ اعتدال کا راستہ اختیار کیجئے گھبرایئے نہیں، ہمت نہ ہاریئے، دونوں کی

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب المداراۃ مع النساء: ۷۷۹/۲

شکایت پر خاموشی اختیار کیجئے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ صَمَتَ نَجا﴾[1]

تَرجَمۂ: ''جو خاموش رہا وہ کامیاب ہوا۔''

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''کیا میں تمہیں دو ایسے عمل نہ بتاؤں جن کا بوجھ انسان پر بہت ہلکا لیکن میزانِ عمل میں بہت بھاری ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ضرور بتایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ، وَطُوْلِ الصَّمْتِ﴾[2]

تَرجَمۂ: ''خوش اخلاقی اور کثرت سے خاموش رہنے کی پابندی کرلو۔''

لہٰذا آپ صبر، خاموشی اور دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیجئے۔

اگر بیوی اور والدہ میں نبھاؤ نہیں ہورہا تو دونوں کی بات سن کر خاموش ہو جایئے۔ آپ بہت جلد خاموشی کا اچھا نتیجہ دیکھیں گے۔ اور کوشش کر کے گھر کا باورچی خانہ الگ کردیجئے، کہ اکثر باورچی خانہ ہی لڑائی کا سبب بن جاتا ہے۔

اس لئے کہ بڑوں کا ارشاد ہے: ''خانگی گھریلو فسادات سے بچنے کی ایک عمدہ تدبیر یہ ہے کہ چند خاندان ایک گھر میں اکھٹا نہ رہا کریں کیونکہ چند عورتوں کا ایک مکان میں اکھٹا رہنا ہی فساد کا سبب ہوتا ہے۔[3]''

---

[1] ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب: ۷٦/۲

[2] الترغيب والترهيب: ۳/ ۲۷٤

[3] ملفوظات اشرفیہ: صفحہ ۲۷

ایک شخص حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس تعویذ لینے آیا کہ اس کی بہو اس کی اطاعت نہیں کرتی۔ فرمایا: ''اس کا تعویذ یہی ہے کہ اس (بہو) کو اور اس کے شوہر کو الگ مکان میں رکھ دو، یعنی اپنے سے جدا کر دو یہ نہایت درجہ مطیعہ ہو جائے گی[1]''

آپ کے مسئلے کے بارے میں ہم مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' سے ایک سوال و جواب پیش کرتے ہیں، آپ پڑھیئے اور اپنے مسئلہ کا حل تلاش کیجیے۔

سُوَال:...... میں آپ کا کالم اخبار جنگ جمعہ ایڈیشن میں پابندی سے پڑھتی ہوں اور آپ کے جواب سے میں بے حد متأثر ہوں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

میری شادی کو ڈھائی سال ہوگئے ہیں، اس عرصہ میں میرے سسرال والوں سے میری معمولی معمولی بات میں نہیں بنتی۔ ان لوگوں نے مجھے کبھی پیار محبت سے نہیں دیکھا اور میری بیٹی کے ساتھ بھی وہ لوگ بہت تنگ مزاج ہیں، بات بات پر طنز کرنا، کھانے کے لئے جھگڑا کرنا۔

کاروبار ہمارے یہاں مل کر کرتے ہیں اور تمام محنت میرے شوہر ہی کرتے ہیں الحمد اللہ ہمارے یہاں رزق میں بے حد برکت ہے۔ ڈھائی سال کے عرصے میں، میں کئی بار اپنی والدہ کے یہاں آگئی۔ اور ان لوگوں کے کہنے پر کہ اب کوئی جھگڑا نہیں ہوگا، بڑوں کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے والدین کا کہنا مانتے ہوئے میں معافی مانگ کر دوبارہ چلی جاتی۔ تھوڑے عرصے تک ٹھیک رہتا پھر وہی حال۔

اس بار بھی میرے شوہر اور ان کے والد میں معمولی بات پر جھگڑا ہوگیا اور میں مع شوہر اپنی والدہ کے یہاں ہوں۔ میرے شوہر اور میں دونوں چاہتے ہیں کہ کہ ماں باپ کی دعاؤں اور پیار محبت سے الگ مکان لے لیں۔ کاروبار سے الگ نہ ہوں۔ اس لئے کہ ماں باپ کی خدمت بھی ہو، وہ لوگ دوبارہ بلاتے ہیں اور کہتے

---

[1] تحفۂ زوجین: صفحہ ۱۸

ہیں کہ اب ہم کچھ نہیں کہیں گے، جیسے پہلے کہتے تھے۔ آپ بتائیے کہ جب گھر میں روز جھگڑا ہو تو برکت کہاں سے رہے گی۔ آپ ہمیں مشورہ دیں کہ کیا ہم الگ مکان لے لیں؟ ان مسائل کا حل بتائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے گا اور میں تا زندگی دعا دیتی رہوں گی۔ میں بے حد دکھی ہوں۔

جواب:...... آپ کا خط غور سے پڑھا۔ ساس، بہو کا تنازع تو ہمیشہ سے پریشان کن رہا ہے اور جہاں تک تجربات کا تعلق ہے اس میں قصور عموماً کسی ایک طرف کا نہیں ہوتا بلکہ دونوں طرف کا ہوتا ہے۔ ساس، بہو کی ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر تنقید کیا کرتی اور ناک بھوں چڑھایا کرتی ہے، اور بہو جو اپنے میکے میں ناز پروردہ ہوتی ہے، ساس کی مشفقانہ نصیحت کو بھی اپنی توہین تصور کرتی ہے۔ یہ دوطرفہ نازک مزاجی مستقل جنگ کا اکھاڑہ بن جاتی ہے۔

آپ کے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ اگر آپ اتنی ہمت اور حوصلہ رکھتی ہیں کہ اپنی خوش دامن کی ہر بات برداشت کرسکیں، ان کی ہر نازک مزاجی کا خندہ پیشانی سے استقبال کرسکیں اور ان کی کسی بات پر ''ہوں'' کہنا بھی گناہ سمجھیں تو آپ ضرور ان کے پاس دوبارہ چلی جائیں۔ اور یہ آپ کی دنیا و آخرت کی سعادت و نیک بختی ہوگی۔ اس ہمت و حوصلہ اور صبر و استقلال کے ساتھ اپنے شوہر کے بزرگ والدین کی خدمت کرنا آپ کے مستقبل کو لائقِ رشک بنادے گا اور اس کی برکتوں کا مشاہدہ ہر شخص کھلی آنکھوں سے کرے گا۔

اور اگر اتنی ہمت اور حوصلہ آپ اپنے اندر نہیں پاتیں کہ اپنی رائے اور اپنی ''انا'' کو ان کے سامنے یکسر مٹا ڈالیں تو پھر آپ کے حق میں بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے شوہر کے ساتھ الگ مکان میں رہا کریں۔ لیکن شوہر کے والدین سے قطع تعلق کی نیت نہ ہونی چاہئے۔ بلکہ نیت یہ کرنی چاہئے کہ ہمارے ایک ساتھ رہنے سے والدین کو جو اذیت ہوتی ہے اور ہم سے ان کی جو بے ادبی ہوجاتی ہے، اس سے بچنا مقصود ہے۔

الغرض! اپنے کو قصور وار سمجھ کر الگ ہونا چاہیئے۔ والدین کو قصور وار ٹھہرا کر نہیں، اور الگ ہونے کے بعد بھی ان کی مالی وبدنی خدمت کو سعادت سمجھا جائے۔ اپنے شوہر کے ساتھ میکے میں رہائش اختیار کرنا موزوں نہیں۔ اس میں شوہر کے والدین کی سبکی ہے۔ ہاں! الگ رہائش اور اپنا کاروبار کرنے میں میں میکے والوں کا تعاون حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

میں نے آپ کی الجھن کے حل کی ساری صورتیں آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ آپ اپنے حالات کے مطابق جس کو چاہیں اختیار کرسکتی ہیں۔ آپ کی وجہ سے آپ کے شوہر کا اپنے والدین سے رنجیدہ وکبیدہ (غمگین) اور برگشتہ ہونا ان کے لئے بھی وبال کا موجب ہوگا اور آپ کے لئے بھی۔

اس لئے آپ کی ہر ممکن کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ آپ کے شوہر کے تعلقات ان کے والدین سے زیادہ سے زیادہ خوشگوار ہوں۔ اور وہ ان کے زیادہ سے زیادہ اطاعت شعار ہوں۔ کیونکہ والدین کی خدمت واطاعت ہی دنیا وآخرت میں کلیدِ کامیابی ہے۔[۱]

اگر آپ بہو ہیں

آپ اپنے شوہر کی والدہ کا احترام اور اکرام محض اللہ کو راضی کرنے کے لئے کریں گی تو یقین رکھیئے کہ آپ کی اولاد بھی آپ کا اسی طرح احترام کرے گی۔ آپ وقتاً فوقتاً شوہر کو آمادہ کریں گی کہ اپنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ احسان کرو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی اولاد کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ خیر کی باتوں کا الہام فرمائیں گے، اور آپ کی اولاد کی ناگہانی مصیبتوں اور اچانک آنے والی بلاؤں سے حفاظت فرمائیں گے۔

---

[۱] آپ کے مسائل اور ان کا حل: جلد ۵ صفحہ ۱۷۹

سوچیے! اگر چھوٹے بچے نے بستر خراب کردیا یا بیمار ہوا تو آپ کو محنت کر کے بستر...... قالین...... صاف کرنا ہی ہوگا۔ اسی طرح اگر شوہر کی والدہ یا شوہر کے بہن، بھائیوں کی اولاد سے بستر...... قالین خراب ہوگیا تو اس پر صبر کرلیجیے محض اس وجہ سے کہ شوہر کے والدین کو تکلیف نہ ہو خاموش ہوجائیے اور یہ سوچیے کہ قالین اور بستر دھل سکتا ہے، شیشہ کا مہنگا جگ، برتن ساس یا نند کے ہاتھوں ٹوٹ جانے پر یا گم ہوجانے پر یا زبردستی گم کروائے جانے پر یہ چیزیں دوبارہ مقدر ہوئیں تو مل سکتی ہیں مگر ساس کا دل دکھنے پر دوبارہ اس کا مداوا نہیں ہوسکتا۔

یہ یقین رکھیے جو تکلیف مقدر ہے وہ پہنچ کر رہے گی اگر خوشی خوشی والدہ (ساس اور نند) سے پہنچنے والی تکالیف کو برداشت کرلیا، تو دوسری بڑی بڑی تکالیف سے بچ جائیں گی جی نہ چاہتے ہوئے بھی ساس کی دل جوئی کرتی رہیں، ان کی کوئی بات پسند نہ آئے صبر کرلیجیے، ان کی طرف سے گھٹیا سے گھٹیا ہدیہ ملے تو بہت زیادہ شکریہ کے ساتھ قبول کیجیے۔

دل جوئی سے متعلق ایک واقعہ آپ بھی پڑھیے۔ اور پڑھنے سے پہلے تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر دعا کرلیجیے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں امین۔

میٹھا پانی[1]

امیر مامون کے عہد کا ذکر ہے کہ ایک اعرابی ریتیلے تھل میں رہا کرتا تھا، اس طرف کے سب کنویں کھاری تھے پانی آسمان سے بھی برستا تو شور زمین کے سبب کھاری ہوجاتا۔ وہاں کی خلقت نے میٹھے پانی کا مزا بالکل نہ چکھا تھا، ایک دفعہ وہاں قحط پڑا ہر کوئی کہیں کا کہیں نکل گیا۔

اس اعرابی نے بھی اس علاقے سے مسافرت اختیار کی اس خیال سے کہ امیر

[1] واقعہ نمبر ۲۷

کے پاس التجا لے جائے۔

امیر ان دنوں کوفہ کے قرب وجوار میں لب آب فرات (فرات کے کنارے) شکار کھیل رہا تھا۔ جب یہ اعرابی اپنے علاقے کی حدود سے باہر کسی گاؤں کے نزدیک پہنچا، تو دیکھا کہ ایک گڑھے میں بارش کا پانی جمع ہے، اس نے اس میں سے کچھ پیا تو تعجب کیا کہ دنیا میں ایسا میٹھا پانی بھی ہوتا ہے، ہونہ ہو یہ بہشت کا پانی ہے جو پروردگار نے میری خاطر جنت سے اتارا ہے، بہتر یہ ہے کہ یہاں سے مشک بھر کر امیر کے پاس لے جاؤں، تو وہ خوش ہوکر مجھے انعام دے گا۔ آخر چند روز کے بعد وہ پانی لے کر امیر کی خدمت میں پہنچا۔ امیر نے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟

کہا فلاں علاقہ سے، اور ایک تحفہ بھی لیتا آیا ہوں جو کسی بادشاہ کو میسر نہ ہوگا۔ یہ پانی خلد (جنت) کا خوش ذائقہ ہے۔ امیر عقل مند تھا دریافت کر کے کہا: اچھا! دو۔ اعرابی نے وہ مشک آگے رکھ دی۔ امیر نے ایک چلو اس میں سے پیا اور باقی کو کوزوں میں بھروالیا۔ اور کہا، تیری حاجت کیا ہے؟

بولا اے امیر! قحط نے مجھے بے وطن کر کے در بدر کردیا ہے اب تیرے دامن کا آسرا لیا ہے۔ امیر نے کہا: میں تیری حاجت پوری کرتا ہوں۔ بشرطیکہ تو یہیں سے پلٹ جائے اور آگے نہ بڑھے۔

وہ اس بات پر راضی ہوا۔ پھر امیر نے وہ مشک زر سے پر کردی اور بدرقہ (وہ شخص جو راہ میں مسافر کی حفاظت کرے) ہمراہ دے کر اسے رخصت کردیا۔ تب مقربوں نے پوچھا کہ اسے یہیں سے واپس کردینے میں کیا حکمت تھی؟

فرمایا کہ اگر وہ چند قدم اور بڑھتا، فرات کا پانی پیتا تو ایسا تحفہ لانے سے خجالت کھینچتا (شرمندہ ہوتا) مجھے حیا آئی کہ کوئی میرے پاس تحفہ لاکر شرمندہ ہو۔[1]

غور کیجیے! کہ جب اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک انجان انسان کے ساتھ بھی

---

[1] ماخوذ از مخزن اخلاق: صفحہ ۳۷۰

دل جوئی کی جائے، تو آپ کو اپنے شوہر کی والدہ کے ساتھ بدرجہ اولیٰ دل جوئی کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ وہ آپ کی محسنہ ہے۔

پیر ذوالفقار صاحب دَامَتْ بَرَکَاتُهُمْ فرماتے ہیں۔

میرے پاس ایک خاتون آئیں جو پڑھی لکھی لگتی تھیں۔ شاید ایم اے کیا ہوا تھا۔ اس نے پردہ کے پیچھے بیٹھ کر بات کی اور اپنی ساس کے بڑے گلے شکوے کئے کہ ناک میں دم کر رکھا ہے، بات بات پر نوک جھونک کرتی ہیں۔

غرض اس نے ساس کا خوب رونا رویا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ ساس کے شکوے کرتی رہیں اور اس دوران وہ رو پڑیں۔ لیکن ساتھ ہی بتایا کہ خاوند میرے ساتھ بہت اچھا ہے، بہت پیار کا سلوک رکھنے والا ہے۔ اس کے خاوند کی ایک فیکٹری ہے، بڑا کھاتا پیتا گھرانہ ہے، کار کوٹھی اس کے پاس ہے لیکن ساس کی وجہ سے بہت پریشان تھیں۔ جب اس نے بتایا کہ خاوند اس کے ساتھ بہت اچھا ہے، اور خاوند سے اسے کوئی شکوہ نہیں تو میں نے اُن سے ایک سوال کیا۔ کیا آپ کو خاوند اور گھر اچھا لگا؟

کہنے لگیں ہاں۔ میں نے پوچھا کہ آپ اس گھر میں کیسے آئیں؟

کہنے لگیں: وہ تو میری ساس میرے گھر آئیں، مجھے دیکھا اور پسند کیا اور مجھے بیاہ کر لے آئیں۔ اس پر میں نے کہا کہ اس نے تو آپ پر احسان کیا کہ اتنے اچھے گھر میں آپ کو لے آئیں جس میں آپ کو خاوند بھی اچھا ملا۔ اس بڑے احسان پر تو آپ کو عمر بھر اپنی ساس کا شکر گزار رہنا چاہیئے تھا، لیکن یہ شکوے کیسے؟

میں نے کہا اب بتائیں کہ اتنے بڑے احسان کے مقابلہ میں تمہاری یہ باتیں کیسی ہیں؟

کہنے لگیں: آپ نے تو میرا مسئلہ حل کر دیا۔ اس احسان کے مقابلے میں تو یہ باتیں واقعی کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔[1]

---

[1] خطبات فقیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۸

اسی طرح آپ اس بات کا بھی خیال رکھیئے کہ ناحق آپ کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے یا ناحق کوئی ایسا فعل آپ سے سرزد نہ ہوجائے جو آپ کے شوہر کی والدہ کے لیئے زیادتی کا سبب بنے، جس کی وجہ سے ان کے منہ سے ایسی بددعا نہ نکل جائے جو آپ کے لیئے دنیا و آخرت میں خسارے اور مصیبتوں کا سبب بنے۔

لہٰذا ایسی آہ سے بچیئے اور خوب اپنے شوہر کی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیجیئے۔ ایک واقعہ آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ مظلوم کی آہ کس قدر طاقتور ہے، اور انسان جیسا کسی کے ساتھ معاملہ کرتا ہے ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

حق دار[1]

حضرت عمر بن دینا رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص اسرائیلی (حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد) نے جو ساحل پر رہنے والا تھا سنا کہ ایک شخص پکار پکار کر کہہ رہا ہے: آگاہ ہوجاؤ جو شخص مجھے دیکھے وہ کسی پر ظلم نہ کرے۔

اسرائیلی نے اس کے قریب جاکر پوچھا اے عبداللہ تیری کیا خبر ہے اس نے کہا: سن! میں ایک سپاہی تھا ایک دن میں اس ساحل پر آیا تو میں نے ایک شخص کو شکار کرتے ہوئے دیکھا، اس نے میرے سامنے ایک مچھلی پکڑی میں نے اس سے کہا یہ مجھے دے دے، اس نے انکار کیا میں نے کہا میرے ہاتھ فروخت کردے، اس نے اس سے بھی انکار کیا میں نے ایک کوڑا اس کے سر پر رسید کیا اور مچھلی اس سے چھین لی اور میں اسے ہاتھ میں لٹکائے ہوئے گھر لئے جارہا تھا۔

ناگاہ اس مچھلی نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا، میں نے بہت چاہا کہ کسی طرح اپنا انگوٹھا چھڑالوں مگر نہ چھڑا سکا میں اپنے اہل وعیال کے پاس گیا انہوں نے بھی اس کے

---

[1] واقعہ نمبر ۲۸

چھڑانے کی بڑی کوشش کی لیکن نہ چھڑا سکے۔ آخر بڑی محنت و جانفشانی سے چھٹکارا ہوا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب کھانے لگا تو اس نے انگوٹھا چبا لیا وہ شخص کہتا ہے کہ پھر میرا انگوٹھا ورما گیا اور سڑ گیا اور اس میں جتنے مچھلی کے دانت تھے اسی قدر سوراخ ہو گئے۔ میں نے اپنے ایک دوست طبیب کو دکھایا اس نے دیکھتے ہی کہا کہ یہ "آکلہ" ہے، اگر تو اپنا انگوٹھا نہ کٹوائے گا تو تو ہلاک ہو جائے گا۔

میں نے انگوٹھا کٹوا لیا تو پھوڑا میری ہتھیلی میں ہو گیا، پھر اس کے پاس گیا اس نے کہا اگر ہتھیلی نہیں کٹوائے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے وہ بھی کٹوا دی، تو وہ میری کلائی میں ہو گیا پھر اس کے پاس گیا اس نے کہا اگر کلائی نہیں کٹوائے گا تو ہلاک ہو جائے گا، میں نے وہ بھی کٹوا دی پھر وہ پھوڑا میرے بازو میں ہو گیا۔

جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں بھاگ نکلا اور اہل و عیال کو ترک کر دیا، ایک دن میں اس طرح چیختا پھرتا تھا ناگاہ مجھے ایک درخت نظر آیا، اس کے سایہ میں جا بیٹھا وہاں مجھ پر کسی قدر غنودگی طاری ہوئی، خواب میں ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ کب تک ایک ایک کر کے اپنے اعضا کٹوائے گا حق دار کو حق پہنچا دے تو اس سے نجات پائے گا۔

جب مجھے وہ حق یاد آیا اور میں سمجھ گیا کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، چنانچہ میں ساحل پر اس صیاد کے پاس گیا دیکھا تو وہ جال پھینکے بیٹھا تھا، میں اس کے کھینچے تک منتظر رہا جب اس نے جال کھینچا تو اس میں بہت سی مچھلیاں تھیں میں نے اس کے پاس جا کر کہا اے اللہ کے بندے میں تیرا غلام ہوں، اس نے کہا تو کون ہے اے بھتیجے؟

میں نے کہا میں وہی سپاہی ہوں جس نے تمہارے سر پر کوڑا مارا تھا اور مچھلی تم سے چھین لی تھی اور اس کو اپنا ہاتھ دکھایا۔

اسے دیکھ کر اللہ کی بلا سے اس نے پناہ مانگی اور مجھ سے کہا: میں نے تجھے معاف کیا یہ کہتے ہی زخم میں سے کیڑے گرنے لگے، جب میں وہاں سے پلٹ کر آنے لگا تو مجھ سے کہا ٹھہر جا! یہ مجھ سے ناانصافی ہوگئی کہ ایک مچھلی کی وجہ سے میں نے بددعا کی حالانکہ اس کی کوئی وقعت نہ تھی اور وہ بددعا مقبول ہوگئی۔

اور ہاتھ پکڑ کر کہا چل! اور مجھے اپنے مکان پر لے گیا اور اپنے بیٹے کو بلایا اور ایک کونے میں لے جاکر کہا یہاں کھودو! لڑکے نے کھود کر وہاں سے ایک گھڑا نکالا جس میں تیس ہزار درہم تھے۔ پھر لڑکے سے کہا دس ہزار درہم اسے گن دے اس نے گن دیئے، کہا اس سے اپنا زمانہ گذار اور دس ہزار گنوادیئے اور کہا کہ اس کو اپنے پڑوس کے اور قریب کے غریب غربا پر تقسیم کردو۔ لوٹتے ہوئے میں نے عرض کیا کہ خدا کے لئے اتنا بتادیجئے کہ آپ نے کیا کہہ کر بددعا کی تھی؟

کہا جب تو نے میرے سر پر کوڑا مارا اور مچھلی لی تو میں آسمان کی جانب نگاہ کرکے رویا اور کہا اے رب! تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور اسے مجھ سے قوی بنایا اور مجھے ضعیف بنایا، پھر اسے مجھ پر مسلط کیا نہ تو نے مجھے بچایا نہ اتنی طاقت دی کہ اس کے ظلم سے محفوظ رہتا اور اپنے آپ کو خود بچاتا۔ میں تجھ سے اسی قدرت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس سے تو نے اسی قوی اور مجھے ضعیف بنایا ہے، اس کو مخلوقات کے واسطے عبرت بنا۔[1]

اسی طرح ایک عبرت ناک سچا واقعہ آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ انسان جیسا کرتا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی[2]

ایک مسلمان بہن اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں، میری شادی بچپن میں ہی ایک

---

[1] قصص الاولیاء: صفحہ ۲۸۷

[2] واقعہ نمبر ۲۹

نوجوان کے ساتھ ہوگئی تھی وہ بہت اچھے اور نرم دل شخص تھے، ان کا والدہ کے علاوہ کوئی اور نہ تھا وہ دونوں ایک فلیٹ میں رہتے تھے، وہ اپنی والدہ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور ان کے ساتھ بہت اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آتے۔ اسی وجہ سے میرے گھر والوں نے میری شادی کے لئے ان کا انتخاب کیا تھا۔

شادی کے بعد وہ مجھے اپنی والدہ کے برابر والے فلیٹ میں لے آئے، وہ اپنا وقت میرے اور اپنی والدہ کے درمیان تقسیم کر کے گذارتے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا رہا میں نے محسوس کیا کہ وہ سارا وقت اپنی والدہ کے ساتھ گزارنا شروع ہوگئے ہیں، تو مجھے ایک عجیب سا احساس ہونے لگا۔

شیطان نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور مجھے اس بات پر ابھارا کہ میں ان سے مطالبہ کروں کہ میرے لئے کوئی بڑا سا فلیٹ ڈھونڈیں۔ شروع میں تو انہوں نے میری بات نہ مانی لیکن میرے اصرار کرنے پر انہوں ۔ نے میری بات مان لی اور ہم لوگ برابر والی ایک بڑی بلڈنگ میں چلے گئے۔

"وَلَمْ تَدُمْ فَرْحَتِيْ طَوِيْلًا، فَقَدْ تَعَرَّضَ زَوْجِيْ لِحَادِثٍ أَلِيْمٍ بَعْدَ فَتْرَةٍ وَجِيْزَةٍ مِنْ اِنْتِقَالِنَا"

ترجمہ: "میری خوشی زیادہ دن تک برقرار نہ رہ سکی ہمارے دوسرے گھر میں جانے کے تھوڑے عرصہ بعد میرے شوہر ایک دردناک حادثے کا شکار ہوکر اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔"

اور مجھ پر تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کی ذمہ داری کا بوجھ ڈال گئے۔ میں نے ان کی تربیت کی، ان کو پالا پوسا، جوان کیا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے اپنے بیٹے کی شادی کردی اور انہیں اپنے برابر والا فلیٹ لے کر دے دیا۔

ایک کہاوت ہے:

"كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ"

تَرجَمَہ: ”جیسی کرنی ویسی بھرنی۔“

اسے میرے بیٹے نے مجھ پر آزمایا اس طور پر کہ ایک روز اچانک مجھے اطلاع ملی کہ:

”أَنَّهُ يَرْغَبُ فِي السَّكَنِ فِي شِقَّةٍ كَبِيْرَةٍ رَجَوْتُهُ أَلَّا يَتْرُكَنَا، حَاوَلْتُ مَعَهُ بِكُلِّ الطُّرُقِ“

تَرجَمَہ: ”وہ بڑے فلیٹ میں رہنا چاہتا ہے میں نے اس سے کہا کہ وہ ہمیں چھوڑ کر نہ جائے اور ہر طرح اسے منانے کی کوشش کی۔“

میں نے اس سے کہا: ہم اس کے چھوٹے فلیٹ میں چلے جاتے ہیں وہ ہمارے بڑے فلیٹ میں آکر رہے، لیکن وہ نہ مانا اور اپنی بات پر قائم رہا وہ ہماری بلڈنگ کے علاوہ کسی اور بلڈنگ میں رہنا چاہتا تھا، بلکہ وہ دوسرے محلے میں چلا گیا۔

”وَكَأَنَّهُ يَرُدُّ الدَّيْنَ الَّذِيْ عَمِلْتُهُ فِي جَدَّتِهِ أُمِّ أَبِيْهِ عِنْدَ مَا تَرَكْتُهَا وَحِيْدَةً عَنِ ابْنِهَا“

تَرجَمَہ: ”گویا کہ وہ مجھے میرا وہ قرض جو میں نے اس کی دادی کو دیا تھا، لوٹا رہا ہے کہ جب میں نے ان کے اکیلے بیٹے سے فرمائش کی تھی کہ اپنی والدہ سے الگ ہوجائے۔“

وہ قرض بھی کتنا سخت ہوتا ہے جس کا ادا کرنا دنیا ہی میں ضروری ہو، ہمیں چاہیئے کہ اس قصہ سے نصیحت پکڑیں۔[1]

لہٰذا ہمیشہ یاد رکھیئے! کہ کسی پر ظلم نہ ہو، کسی کا دل نہ دکھے، جس گھر میں آپ آئی ہیں اس گھر میں ہر ایک کے لئے رحمت بن جایئے، ہر ایک کو معاف کردیجیے، شوہر، ساس، دیورانی، جیٹھانی کی خدمت کرکے ان کی دعا لیجیے۔

ہاں اگر آپ کو کوئی ستائے تو دو رکعت نفل پڑھ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ

---

[1] عاقبة عقوق الوالدين: ص ۱۱۲

لیجیے اور اس ستانے والے کی ہدایت کی دعا کیجیے، چند دنوں میں آپ دیکھیں گی کہ استغفار اور دعا سے جو جتنا آپ کو ستا رہا ہوگا، اس کے دل میں اللہ تعالیٰ آپ کی محبت ڈال دیں گے اور وہ آپ کی دوست بن جائیں گی اور شیطان کو اس گھر میں آنے کا موقع نہیں ملے گا۔

آپ بھی ان باتوں پر غور کیجیے اور ٹھنڈے دماغ سے سوچیے اور عمل کیجیے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور محبت کرنے والا بنائیں۔

والدین گناہ کی طرف بلائیں یا والدین کی طرف سے بظاہر ظلم ہوتا ہوا نظر آئے تو......[۱]

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا کرتا تھا جب میں مسلمان ہوگیا تو میری والدہ نے کہا۔ اے سعد! یہ کیا کیا۔ یا تو اس دین کو چھوڑ دے ورنہ میں کھانا چھوڑ دوں گی یہاں تک کہ مرجاؤں گی۔ ہمیشہ تیرے لئے یہ طعن کی چیز رہے گی لوگ تجھے اپنی ماں کا قاتل کہیں گے۔

میں نے اس سے کہا کہ ایسا نہ کر، میں اپنا دین تو چھوڑ نہیں سکتا۔ اس نے ایک دن بالکل نہ کھایا نہ پیا دوسرا دن بھی اسی حال میں گزر گیا۔ تو میں نے اس سے کہا کہ اگر تمہاری سو جانیں ہوں اور ایک ایک کرکے سب ختم ہو جائیں، تب بھی دین تو نہیں چھوڑ سکتا۔ جب اس نے یہ پختگی دیکھی تو کھانا پینا شروع کر دیا۔[۲]

اللہ نہ کرے! اسی طرح آپ کے والدین آپ کو اگر کسی گناہ کی طرف بلائیں، یا اللہ نہ کرے!

آپ کو ظاہراً یہ محسوس ہو کہ والد صاحب ظلم کر رہے ہیں یا والدہ سوتیلی ہیں وہ

---

۱ واقعہ نمبر ۳۰

۲ مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل سعد بن ابی وقاص: ۲/۲۸۱

ظلم کررہی ہیں یا والد صاحب کے انتقال کے بعد بڑے بھائی کی بیوی ظلم کررہی ہیں یا والدین ڈاڑھی رکھنے سے یا پردہ کرنے سے منع کریں وغیرہ تو پریشان مت ہوئیے، صبر کیجئے! اوران تدابیر کے ذریعے دعا کیجئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مشکل کو حل فرمادیں گے، یا جو آپ کو والدین وغیرہ کی طرف سے بظاہر ظلم محسوس ہورہا ہے اس کے بدلے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ آپ کی محبت پیدا فرمادیں گے۔ جیسے فرعون کے دل میں جب اَللّٰہ جلَّ جَلَالُہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کی محبت پیدا کی، تو دشمن ان کے لئے دوست بن گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ﴾[1]

تَرجَمہ: ”اور میں نے اپنی طرف کی خاص محبت ومقبولیت تجھ پر ڈال دی۔“

یعنی فرعون کے دل میں تیری محبت ڈال دی یا عام لوگوں کے دلوں میں ڈال دی۔

لہٰذا ایسے پریشانی والے اوقات میں ان تدابیر پر عمل کریں۔

① پہلی تدبیر...... دو رکعت صلوٰۃ الحاجت

یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی مؤمن کے لئے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور بظاہر جو کام بندوں کے ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں دراصل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اُسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔

اور صلوٰۃ الحاجت کا جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس حدیث میں

---

[1] سورۂ طٰہٰ، آیت: ۳۹

تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور معتمد ترین طریقہ ہے، اور جن بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہے، اُن کا یہی تجربہ ہے اور انھوں نے "صلوۃ الحاجت" کو خزائنِ الٰہیہ کی کنجی پایا ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق (یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو، یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اُس کا تعلق کسی بندے سے ہو، بہر صورت) اس کو چاہیئے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد وثنا کرے اور نبی (علیہ السلام) پر درود پڑھے پھر اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے:

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ."[2]

ترجمہ: "اللہ کے سوا کوئی مالک ومعبود نہیں، وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے، پاک اور مقدس ہے وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد وستائش اُس اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اُن اعمال اور اُن اخلاق واحوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا

---

[1] معارف الحدیث: جلد۳ صفحہ۳۶۴

[2] ترمذی، ابواب صلوۃ الوتر باب ماجاء فی صلوۃ الحاجۃ: ۱/۱۰۸

یکا ذریعہ بنیں، اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصّہ لینے کا، اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا، میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کردے اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اُس کو پورا فرمادے اے ارحم الرّاحمین۔"

۲ دوسری تدبیر...... چار رکعت نماز صلوٰۃ الحاجت

حضرت فرات بن سلمان رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کرسکتا کہ کھڑا ہوکر چار رکعت نماز پڑھے پھر اس میں یہ کلمات کہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے۔

"تَمَّ نُوْرُكَ فَهَدَيْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ، عَظُمَ حِلْمُكَ فَعَفَوْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ، فَبَسَطْتَ يَدَكَ فَأَعْطَيْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ رَبَّنَا، وَجْهُكَ أَكْرَمُ الْوُجُوْهِ، وَجَاهُكَ أَعْظَمُ الْجَاهِ وَعَطِيَّتُكَ أَفْضَلُ الْعَطِيَّةِ وَأَهْنَؤُهَا تُطَاعُ رَبَّنَا فَتَشْكُرَ، تُعْصٰى رَبَّنَا فَتَغْفِرَ، وَتُجِيْبُ الْمُضْطَرَّ، وَتَكْشِفُ الضُّرَّ، وَتَشْفِي السُّقْمَ، وَتَغْفِرُ الذَّنْبَ، وَتَقْبَلُ التَّوْبَةَ، وَلَا يَجْزِيْ بِآلَائِكَ أَحَدٌ، وَلَا يَبْلُغُ مِدْحَتَكَ قَوْلُ قَائِلٍ." [1]

ترجمہ: "آپ کا نور مکمل ہے چنانچہ آپ نے ہدایت دی، پس آپ ہی کے لئے تمام تعریف ہے، آپ کا حلم عظیم ہے چنانچہ آپ نے معاف فرما دیا، پس آپ ہی کے لئے تمام تعریف ہے۔ آپ نے اپنا ہاتھ کشادہ فرما کر عطا و بخشش سے نوازا۔ پس اے ہمارے رب! تمام تعریف آپ ہی کے لئے ہے، آپ کی ذات سب سے کریم، آپ کا مرتبہ سب سے

---

[1] کتاب الدعاء: ص۳۷۹

عظیم اور آپ کا عطیہ افضل وخوشگوار عطیہ ہے۔ اے ہمارے رب! آپ کی اطاعت کی جاتی ہے تو آپ اس کی قدر فرماتے ہیں (اور ثواب عطا فرماتے ہیں) نافرمانی کیجاتی ہے تو مغفرت فرماتے ہیں مجبور و بے کس کی دعا سنتے اور قبول فرماتے ہیں۔ تکلیف کو آپ ہی دور کرتے ہیں اور بیماری سے شفا عطا فرماتے ہیں، گناہوں کو معاف فرماتے ہیں، اور توبہ قبول فرماتے ہیں آپ کی نعمتوں کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتا اور کسی کی بات آپ کی تعریف تک نہیں پہنچ سکتی (اور اس کا حق ادا نہیں کرسکتی)۔"

۳ تیسری تدبیر......استخارہ

اگر آپ کو والدین کسی رشتے پر مجبور کریں اور آپ کا دل نہ چاہے یا کاروبار، ملازمت اور تعلیم وغیرہ میں آپ کی چاہت کچھ ہے اور والدین کی کچھ، تو آپ دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھیے اور اللہ سے دعا مانگیے: اے اللہ! جو میں چاہ رہا ہوں اس میں خیر ہے تو والدین کے دلوں میں بھی یہ بات ڈال دیجیے اور اگر وہ خیر ہے جو والدین چاہتے ہیں تو میرے دل میں بھی یہ بات ڈال دیجیے۔

ہم آپ کو نماز استخارہ کا طریقہ اور اس کے متعلق کچھ ضروری وضاحتیں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

استخارہ کی فضیلت احادیث میں بہت آئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو استخارہ کرلیا کرے وہ کبھی شرمندہ نہ ہوگا اور نہ نقصان اٹھائے گا اور استخارہ کرنا نیک بختی کی علامت ہے۔ استخارہ نہ کرنا بدقسمتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرح استخارہ سکھاتے جس طرح قرآن کریم کی سورتیں سکھاتے۔

مختصر استخارہ اَللّٰھُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْلِیْ ہے[1] اور اصل استخارہ کی یہ ترکیب ہے

---

[1] ترمذی ۱۹۰/۲

کہ دو رکعت نفل نماز پڑھ کر دعائے استخارہ پڑھی جائے اور ھٰذَ الْاَمْرَ کی جگہ اس کام کا نام لیا جائے جس کے کرنے کا ارادہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کا ارادہ فرماتے: تو اَللّٰهُمَّ خرلی واخترلی فرمایا کرتے۔[1]

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے انس جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ (طلب خیر) کرلیا کرو۔ اس کے بعد غور کرو جو بات تمہارے دل میں آئے۔ اسی میں بھلائی ہے۔[2]

دعائے استخارہ یہ ہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ."[3]

تَرجَمَہ: "اے اللہ میں تیرے علم کے ساتھ بھلائی مانگتا ہوں اور قدرت چاہتا ہوں تیری قدرت کے ذریعے اور مانگتا ہوں تیرے فضل سے کیونکہ تو ہی قادر ہے میں قادر نہیں ہوں اور تو ہی جانتا ہے اور میں نہیں جانتا، تو غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اے میرے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام اچھا ہے میرے لئے میرے دین اور دنیا اور میرے کام کے

---

[1] ترمذی ۱۹۰/۲

[2] ردالمختار: ۷۱۸/۱ بحوالہ ابن سنی

[3] بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عندالاستخارة: ۹۴۴/۲

انجام میں تو، تو اس کو میرے قابو میں کردے اور اس کو میرے لئے آسان کردے پھر اس میں میرے لئے برکت دے۔ اور اگر تو سمجھتا ہے کہ یہ کام میرے لئے اچھا نہیں، میرے دین ودنیا اور میرے کام کے انجام میں تو، تو اس کو مجھ سے پھیردے اور مجھ کو اس سے پھیردے اور میرے لئے بھلائی مقدر کردے، جس جگہ بھی ہو پھر مجھ کو اس سے خوش کردے۔"

جیسا کہ اس دعا کے مضمون سے ظاہر ہے کہ استخارہ کی حقیقت اور اس کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی اور بے علمی کا احساس واعتراف کرتے ہوئے اپنے علیمِ کل اور قادر مطلق مالک سے رہنمائی اور مدد چاہتا ہے اور اپنے معاملہ کو اس کے حوالہ کردیتا ہے کہ جو اس کے نزدیک بہتر ہو بس وہی کردے۔

اس طرح گویا وہ اپنے مقصد کو اللہ کی مرضی میں فنا کردیتا ہے، اور جب اس کی یہ دعا دل سے ہو جیسے کہ ہونا چاہیے تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائے۔

استخارہ کرنے میں علمائے حقانی اور بزرگان دین نے چند اہم باتوں کی وضاحت فرمائی ہے ان کا ضرور خیال رکھیں۔

① استخارہ کے لئے نفل پڑھنے میں رات کی یا بعدِ عشاء کی کوئی قید حدیث پاک میں نہیں ہے۔ لہٰذا چوبیس گھنٹے میں کسی بھی وقت (جو وقت نوافل کی ادائیگی کے لئے ممنوع یا ناجائز نہ ہو) نوافل ادا کر کے دعا کرلیں۔[1]

② یہ کہ استخارہ خود کریں، اکثر لوگ دوسروں سے استخارہ کرواتے ہیں اور عاجزی کے طور پر کہتے ہیں کہ ہم تو گناہ گار ہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ دنیا میں تو ہم سب گناہ گار ہیں۔ گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں اور توبہ کریں، آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا

---

[1] احسن الفتاویٰ جلد ۳ صفحہ ۴۷۹

ارادہ کریں، اگر پھر بھی ہوجائے تو دوبارہ توبہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید رکھیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام کریم ہے اور کریم کا معنی محدثین نے یہ لکھا ہے کہ "وہ ذات جو بغیر استحقاق اور بلا قابلیت کے دے دے۔"[1]

لہٰذا اپنی نالائقی، نااہلیت اور گناہوں کے باوجود یَاکَرِیْمُ یَاکَرِیْمُ کہہ کہہ کر اللہ سے مانگیں، اور شیطان کے اس بہکاوے میں ہرگز نہ آئیں کہ "اے فلاں تیری دعا کیا سنیں گے تیرا منہ اس قابل کہاں" وغیرہ وغیرہ............ اس لئے اپنا منہ اور اپنے گناہ نہ دیکھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت کرم کو دیکھیں اور استخارہ خود ہی کریں۔

۳ کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں کہ استخارے کا عمل کرنے کے بعد خواب میں جواب آئے گا یا حل معلوم ہوگا بلکہ صرف اور صرف حالات پر نظر رکھیں کہ جس کام کے لئے استخارہ کیا ہے اس کی موافقت میں حالات بن رہے ہیں یا کام میں کوئی رکاوٹ پڑ رہی ہے، پھر بڑوں سے مشورہ بھی کرلیں پھر ان سب نوعیتوں کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ دل کس بات پر جم رہا ہے اسی کے موافق عمل کریں۔

اگر ایک بار اس عمل سے کسی بھی صورت پر دل نہ کھلے تو سات بار یہی عمل کریں۔ خواہ سات دن تک یا ایک ہی موقع پر دو، دو رکعت کرکے چودہ رکعات نوافل ادا کریں اور ہر دو رکعت کے بعد استخارہ کی دعا مانگیں۔ بس سنت طریقے یہی ہیں ان کے علاوہ جتنے طریقے لوگوں میں رائج ہیں۔ وہ سب خلافِ سنت ہیں۔ مثلاً رخ مڑ جائے گا، پاؤں ہل جائے گا وغیرہ۔ لہٰذا سنت طریقے پر اکتفا کریں۔

۴ چوتھی تدبیر...... ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.﴾[2]

اس کو روزانہ ہزار مرتبہ پڑھیں حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ

---

[1] مرقاۃ ۲۱۲/۳

[2] سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۷۳

اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کے جو فوائد و برکات قرآنِ کریم نے بیان فرمائے وہ کچھ صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص نہ تھے، بلکہ جو شخص بھی جذبۂ ایمانی کے ساتھ اس کا ورد کرے وہ یہ برکات حاصل کرلے گا۔

مشائخ وعلماء نے ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کے فوائد میں لکھا ہے کہ اس آیت کو ایک ہزار مرتبہ جذبۂ ایمان وانقیاد کے ساتھ پڑھا جائے اور دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتا۔

ہجوم، افکار ومصائب کے وقت ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کا پڑھنا مجرب ہے۔[1]

۵ پانچویں تدبیر......ایک ہزار مرتبہ استغفار

ابن تیمیہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فرمایا: جب میرے دل میں کوئی مسئلہ کھٹکے یا کوئی مشکل حالت درپیش ہو، میں کم وبیش ایک ہزار مرتبہ استغفار کرتا ہوں حتی کہ میرا سینہ کھل جاتا ہے اور مشکل حل ہوجاتی ہے۔ میں استغفار کرنے کی حالت میں چاہے بازار میں ہوں یا مسجد میں یا مدرسہ میں مگر مجھے ذکر واستغفار سے کوئی مانع نہیں حتی کہ میں اپنا مقصود پالیتا ہوں۔[2]

۶ چھٹی تدبیر......آیتِ کریمہ

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾[3]

اس آیت کی تسبیح معانی کا استحضار رکھتے ہوئے روزانہ اہتمام سے بلا تعداد

[1] معارف القرآن: جلد۲ صفحہ۲۴۴

[2] بطل الاصلاح الدینی: صفحہ۱۲ بحوالہ گناہوں کے پہاڑ: صفحہ۲۱

[3] سورۂ الانبیاء، آیت: ۸۷

پڑھیں اور دعا کریں۔

۷ ساتویں تدبیر...... ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ“[1]

اس تسبیح کو بھی روزانہ مسجد میں اعتکاف کی نیت کے ساتھ یا گھر میں بلا تعداد عصر تا مغرب یا مغرب تا عشاء یا کسی بھی وقت اہتمام کے ساتھ پڑھیے۔

۸ آٹھویں تدبیر...... سمجھانا

والدین کو ان کے بہت ہی زیادہ قریبی عزیزوں یا رازدار، سمجھدار، دوستوں کے ذریعے سمجھائیں مثلاً والد صاحب کو تایا، چچا وغیرہ اور والدہ کو خالہ وغیرہ کے ذریعہ سمجھائیں۔

۹ نویں تدبیر...... بات کی وضاحت

آپ والدین کی بات پوری سن لیجیے اور پھر اپنی بات وضاحت کے ساتھ ضرور کہیے اگر جھجک محسوس ہو تو ادب کے ساتھ خط لکھ دیجیے کہ میں فلاں جگہ رشتہ اس لئے پسند کرتا ہوں ...... یا میں فلاں کاروبار اس لئے نہیں کرنا چاہتا ...... یا فلاں ادارے میں ملازمت اس لئے نہیں کرنا چاہتا ...... یا فلاں جگہ میں تعلیم اس لئے نہیں حاصل کرنا چاہتا۔

آپ کے ذہن میں جو فوائد اور حکمتیں اپنی پسند کی ہیں انہیں اپنے والدین کی خدمت میں نہایت ہی احترام سے پیش کر دیجیے اور یہ عرض کر دیجیے کہ اِنْ شَاءَ اللّٰه میں کروں گا وہی جو آپ حکم فرمائیں گے آپ میری چاہت پر نظر ثانی فرمالیں تو آپ کی مہربانی ہوگی تادمِ موت میں آپ کے زیرِ احسان رہوں گا۔

ان نو تدابیر پر عمل کرنے کے بعد بھی آپ سے یا آپ کی اہلیہ سے برداشت نہ

---

[1] ترمذی، ابواب الدعوات، باب فی فضل لا حول ولا قوة الا باللّٰه: ۱۹۸/۲

ہو اور والدین کو آپ کی خدمت کی ضرورت بھی نہ ہو تو اگر الگ رہنا مناسب ہو تو الگ ہوجایئے اور ایسے موقع پر آپ بذریعہ خط اپنے تفصیلی حالات ''دارالافتاء دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴'' کے پتہ پر لکھ کر علماءِ کرام سے مشورہ ضرور کیجیے۔

نظمیں

① "والدہ کی موت"

اے کہ جینا تھا تجھے بھی ناگوار　　اے کہ تو مدت سے تھی زارِ نزار[۱]
مل گئی مٹی میں تو پایانِ[۲] کار　　بن گیا ہے آج تیرا بھی مزار
فکر تھی تجھ کو بہت اولاد کی
راہ لی آخر عدم آباد کی
موج ہائے اشک میں بہتی رہی　　رفتگاں[۳] کی یاد میں آتی رہی
دائمی ماتم کے دکھ سہتی رہی　　جلد مرجاؤں گی یہ کہتی رہی
آج فرصت ہو گئی ہر کام سے
سو لحد میں سو بڑے آرام سے
میری اولادوں کے تھے ارماں تجھے　　اب پڑھانا تھا انہیں قرآن تجھے
یوں نہ کرنا تھا انہیں حیراں تجھے　　بچیاں روتی ہیں اے ماں تجھے
آج کیوں ان سے جدا سوئی ہے تو
دامنِ مادر میں جا سوئی ہے تو

---

۱ کمزور، ناتواں
۲ آخرکار، انجام
۳ پیچھے چھوڑے ہوئے

تو نے کیں میری بہت غم خواریاں عمر بھر کرتی رہی دل داریاں
ہائے رے مجبوریاں لاچاریاں مجھ کو دھوکہ دے گئیں ناداریاں

وقتِ آخر تھا میں تجھ سے قریب
وقتِ آخر رہ گیا میں بدنصیب

آہ وہ حسرت دمِ رخصت تری وہ تبسم میں نہاں رِقت تری
آہ وہ معصوم سی صورت تری آہ وہ مغموم سی شفقت تری

وہ نگہ پر بے بسی چھائی ہوئی
وہ تیری آواز بھرائی ہوئی

مرے سر پر ہاتھ رکھنا پیار سے اور یہ کہنا بڑے اصرار سے
اے پسر[۱] بےفکر رہ گھر بار سے کام کیا تجھ کو میرے افکار سے

تو نہ رو اچھی ہوئی جاتی ہوں میں
غم نہیں کھاتی دوا کھاتی ہوں میں

اب کرے گا کون میرا انتظار خط لکھے گا کون مجھ کو بار بار
کون اب لے گا بلائیں بے شمار کون میرے دکھ سے ہوگا بےقرار

اب حقیقی مادری شفقت کہاں
بے غرض بے مدعا الفت کہاں

(حفیظ جالندھری)

[۱] بیٹا

(۲) ''ماں''

کیا بھلے دن تھے کہ تری گود میں پلتا تھا میں
ماما کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں چلتا تھا میں
میری خوشیوں سے خوشی ہوتی تھی غم سے غم تجھے
فکر رہتی تھی مرے آرام کی ہر دم تجھے
چلنے لگتی تھی نسیمِ جاں فزا[1] مرے لئے
جب بھی اٹھتے تھے تیرے دستِ دعا میرے لئے
کھیلتا رہتا تھا میں سائے میں ٹھنڈی نیم کے
مجھ کو ملتے تھے اسی میں لطف ہفت اقلیم[2] کے
فاختاؤں کی صدا کتنا لبھاتی تھی مجھے
داستانِ یوسفِ کنعاں سناتی تھی مجھے
میں بہل جاتا تھا ان کے نغمۂ مغموم سے
اب بھی مجھ کو انس ہے اس طائرِ معلوم سے
اب وہ کیفیت نہیں ملتی گل و گلزار میں
لطف آتا ہو. مجھے سایۂ اشجار میں
یہ زمانہ مختصر تھا ابرِ باراں[3] کی طرح
کوئی دن میں چل دیا بادِ بہاراں کی طرح
آج تیری یاد میں روتا ہوں میں زار و قطار
ذہن پر چھایا ہوا ہے عمرِ رفتہ کا غبار

---

[1] دل خوش کرنے والی پچھلی رات کی نرم ومعطر ہوا
[2] کل دنیا [3] بارش والا بادل

جب خیال آتا ہے چبھ جاتے ہیں دل میں خار سے
وقتِ آخر میں رہا محروم تیرے پیار سے
کر دیا غم نے ترے سرکش و حیراں مجھے
شہر کی نسبت بھلا لگتا ہے گورستاں مجھے
تیری خاکِ گور آنکھوں سے لگاتا ہوں کبھی
آہ بھرتا ہوں کبھی آنسو بہاتا ہوں کبھی
چاہتا ہے دل کہ تیرے ساتھ کچھ باتیں کروں
یوں مخاطب تجھ سے ہوتا ہوں بصد شوق دَرُوں
اے مری ماں! میری پیاری ماں! مری خود دار ماں
صابرہ ماں ! ہاجرہ ماں! پیکرِ ایثار ماں
کس لئے خاموش ہے کیوں لب کشا ہوتی نہیں
کیا نہیں سنتی مری آواز تو زیرِ زمیں
بول میری ماں! تیرا بیٹا بلاتا ہے تجھے
آپ بیتی تیرے پیاروں کی سناتا ہے تجھے
''ماں'' کہوں تو ایک ٹھنڈی سانس بھر لیتا ہوں میں
آہ کرلیتا ہوں میں فریاد کرلیتا ہوں میں
مجھ پہ تنہائی میں ایسا وقت آتا ہے کبھی
دھیان تیرا اس طرح نقشہ جماتا ہے کبھی
میں سمجھتا ہوں کہ تو بیٹھی ہے میرے سامنے
پھر عنایت کی ہے مجھ کو گردشِ ایام نے
آکے اس دنیا میں واپس عالمِ اَسرار سے
میرے سر پر ہاتھ رکھتی ہے تو اپنا پیار سے

نام لے لے کر سبھی کا پوچھتی ہے مجھ سے حال
کس طرح گزرے ہیں میرے بعد سب کے ماہ وسال
تیرے جانے سے ہم اپنے گھر میں بے گھر ہوگئے
اب یگانے اور بیگانے برابر ہوگئے
ملنے جائیں تو کوئی اپنی بلا لیتا نہیں
واپس آئیں تو کوئی ہم کو دعا دیتا نہیں
جوں ہی رکھا پاؤں ہم نے جا کے گورستان[۱] میں
فاختہ کی دکھ بھری آواز آئی کان میں
آج اس آواز میں کیا درد کتنا سوز تھا
یہ سرودِ[۲] شامِ ہستی کس قدر دل دوز[۳] تھا
بھولی بسری کتنی باتیں آج پھر یاد آگئیں
کتنی تصویریں نظر کے سامنے لہرا گئیں
ماں کی شفقت، باپ کی تادیب، بہنوں کا سلوک
یاد آتے ہی اٹھی، بیساختہ سینے سے ہوک[۴]
فاختہ! اب صبر کر کیا فائدہ اس شور سے
چیختی ہے آج تو کس درد کتنے زور سے
جو تری بولی سمجھتی تھی وہ رخصت ہوگئی
اب نہ بولے گی کہ وہ خوابِ گراں[۵] میں سوگئی
رو نہ اسے بھولے پکھیرو[۶] اب زیادہ غم نہ کر
میں دعا کرتا ہوں، تو آمین کہہ ماتم نہ کر

---

[۱] قبرستان [۲] شام کا نغمہ [۳] دل پر اثر کرنے والا
[۴] وہ درد جو یکایک اٹھے [۵] گہری نیند [۶] پرندہ

اس جہاں کو جانے والے لوٹ کر آتے نہیں
کچھ نہیں کھلتا کہ ہے کتنی حسین وہ سرزمیں
تیرے نالے[1] ہیں عبث[2] سر پھوڑنا بے سود ہے
دل نہ میلا کر کہ یہ دنیائے ہست و بود ہے
جا کے مل لینا اسے فردوس کے گل زار میں
منتظر ہوگی تری وہ سایۂ اشجار میں

---

[1] فریادیں [2] بے کار

(۳) ”ماں کی یاد میں چند آنسو“

مجھے بھولا سا کچھ گزرا زمانہ یاد آتا ہے
جو بن کر رہ گیا اب اک فسانہ یاد آتا ہے
پلانا دودھ کی دھاریں مجھے وہ گود میں لے کر
تھپک کر اپنے سینے پر سلانا یاد آتا ہے
مجھے وہ راحتِ آغوشِ مادر یاد آتی ہے
محبت سے بھری لوری سنانا یاد آتا ہے
مرے رونے پہ دل داری مچلنے پر وہ دل جوئی
بڑی خندہ جبیں[1] سے ناز اٹھانا یاد آتا ہے
کھلانا پیار سے کپڑوں کا پہنانا محبت سے
مجھے رہ رہ کے یارب! وہ زمانہ یاد آتا ہے
کنارِ مادری[2] سے خوب تر نعمت نہیں کوئی
مجھے وہ دورِ لطفِ بے کرانہ[3] یاد آتا ہے
وہ ان کا عالمِ مرگ اور ان کی یاس[4] کی باتیں
مری بیٹی مجھے کہہ کر رُلانا یاد آتا ہے
نہ تھا معلوم مجھ کو میری دنیا لٹ رہی ہے اب
بوقتِ نزع ان کا مسکرانا یاد آتا ہے
خدا ان کو جگہ دے گوشۂ گل زارِ جنت میں
نسیم ان کی محبت کا زمانہ یاد آتا ہے

(مس این۔ جے۔ بیگم)

---

[1] خوشی سے [2] ماں کی آغوش [3] بہت زیادہ [4] ناامیدی

(۴) "اے ماں"

آہ تجھ کو کس قدر منظور تھی خاطر مری
مجھ سے پہلے ہی تو اس دنیا میں جا کر بس گئی
تا کہ جب دنیا سے میں جانے لگوں سوئے عدم
اس نئے رستے میں رہبر ہوں ترے نقش قدم
لیکن اتنا سوچنا تھا جانے سے پہلے تجھے
کس طرح گزرے گی میری زندگی پیچھے ترے

کچھ نہ اپنی کہہ سکی تو اور نہ میری سن سکی
دفعتاً[1] ایسی ہوئی غافل نہ کھولی آنکھ بھی
ایک مدہوشی سی آخر وقت تک طاری رہی
میں خطائیں بخشواتا یہ تمنا ہی رہی
دل میں تھی یادِ وطن قسمت میں تھی غربت کی موت
اس لئے پردیس میں آئی تجھے غفلت کی موت

باتوں باتوں میں وہ اپنا روٹھ جانا یاد ہے
اور وہ با چشمِ نم تیرا منانا یاد ہے
بے سبب ہو کر خفا کھانا نہ کھانا یاد ہے
اور وہ تیرا منتیں کرکے کھلانا یاد ہے

[1] اچانک

ہائے وہ کہنا ترا دل مت دُکھا بیٹا! میرا
بعد میرے کوئی اتنا بھی نہیں ہوگا ترا

بخشواتا تھا میں جب رو کر خطا روتی تھی تو
پہلے سوتی تھی مگر ایسی نہیں سوتی تھی تو
زندگی دی تھی مجھے کیا آہ وزاری کے لئے
کیا مجھے پالا تھا تو نے اشک باری کے لئے
پرتو[1] رحمت تھی میرے حق میں تیری زندگی
نور تھا تجھ سے ہوئی بے نور میری زندگی

گرچہ میں نے زندگی میں قدر تیری کچھ نہ کی
اس خطا کی یہ سزا دینی مگر زیبا نہ تھی
بارہا روٹھی ہے تو میں نے منایا ہے تجھے
آج لیکن کیوں نہیں منتی منانے سے میرے
تیرے ارماں رو رہے ہیں دیکھ آنکھیں کھول کر
کیا میرے رونے کا تجھ پر اب نہیں ہوتا اثر

تو نے تکلیفیں سہیں اور رنج اٹھائے عمر بھر
ہو گئیں ختم تکلیفیں ذرا آرام کر
ہاں بہت جاگی ہے تو اب سوئے جا آرام سے
اب تجھے کچھ ڈر نہیں ہے گردشِ ایام سے

---

[1] سایۂ رحمت

روز ہوگی صبح لیکن تو نہ اٹھے گی کبھی
لوگ جاگیں گے مگر تو نہ جاگے گی کبھی

جا چکی ہے اِن دنوں سے اور اِن راتوں سے دُور
دُور اس دنیا سے اور دنیا کے ہنگاموں سے دُور
موت سے تو دُور ہے اور موت کی دہشت سے دُور
زنگی سے زنگی کی دائمی ظلمت سے دور
وہ نئی دنیا نئی بستی مبارک ہو تجھے
وہ نیا عالم نئی ہستی مبارک ہو تجھے

میں یہاں ہر ایک کے دکھ درد کا ساتھی رہا
آج تک دنیا کے غم کو اپنا غم سمجھا کیا
عمر بھر آہیں رہیں بادصبا کے دم کے ساتھ
آگئے آنکھوں میں آنسو گریہ شبنم کے ساتھ
کیا میرے غم میں نہ ہوگا کوئی مرا غمگسار
کیا میری فریاد پر کوئی نہ ہوگا اشکبار

آج تیری قبر پر آیا ہوں پھر روتا ہوا
آنسوؤں سے ہر مزار رہگذر دھوتا ہوا
ڈھونڈتا پھرتا ہوں، دنیا میں مرا کوئی نہیں
ایک تو ہی رہ گئی تھی اور اب تو بھی نہیں

اب میرے حق میں دعائیں کرنے والا کون ہے
دیر سے آؤں تو اب راہ تکنے والا کون ہے

سوچتا ہوں واقعی تکلیف تھی گھر میں تجھے
لیکن آئی ہے کہاں آرام لینے کی تجھے
آہ اس جنگل میں کیا دل تیرا گھبراتا نہیں
کیا اندھیری رات میں یاں تجھ کو خوف آتا نہیں
آندھیاں ہیں بجلیاں ہیں گرمیاں ہیں سردیاں
کس طرح کاٹے گی تو دن رات زیرِ آسماں

کون کہتا ہے کہ تیرا کوچ دنیا سے ہوا
میرے سینے میں ابھی تک دل دھڑکتا ہے تیرا
ہے میری آنکھوں میں تیری روشنی جلوہ فگن[1]
ہے رگوں میں میری تیرا خون اب تک موجزن[2]
جب تلک زندہ ہوں میں دنیا میں تو بھی زندہ ہے
یعنی تیری زندگی مثلِ فلک پائندہ[3] ہے

موت وہ ظلمت ہے جس میں روشنی خوابیدہ[4] ہے
مرنے والوں کی جبیں اس نور سے تابندہ[5] ہے

[1] چمک رہی ہے [2] ٹھاٹھیں مارنے والا [3] ہمیشہ
[4] سوئی ہوئی [5] روشن

دن میں بھی ہوتے ہیں تارے گو نظر آتے نہیں
جانے والے چھوڑ کر ہم کو کہیں جاتے نہیں
دیکھتا ہوں خواب میں گویا روتا ہوں میں
نیند سے تو جاگ اٹھی ہے سوتا ہوں میں

ٹھوکریں غربت کی ہیں اور زندگی مجبور ہے
دُور ہوں دِلی سے میں اور مجھ سے دِلی دُور ہے
اک غربتِ بے نوا[1] ہوں خانماں[2] برباد ہوں
مہرِ خاموشی ہے لب پر پیکرِ فریاد ہوں
میری اس بیچارگی پر بھی نہ کی کوئی نظر
تو نے مرا ساتھ چھوڑا اور ایسے وقت پر

زندگی ہے موردِ آلامِ پیہم[3] اے خدا
انتہائے صبح ماتم، شامِ غم کی ابتدا
اشک آنکھوں میں اور تکتا ہوں سوئے آسماں
ہاتھ سینے پر ہے اور لب تک نہیں آتی فغاں[4]

ہو چکی ہے جسم سے آزاد گویا جاں مری
آرہی ہے دور سے اے ماں ندا پیہم[5] تری

---

[1] فقیر، بے کس [2] تباہ برباد [3] مسلسل تکلیفوں کی گذرگاہ
[4] فریاد [5] مسلسل آواز

روح اب آزاد ہو کر زمزمہ[1] پرداز ہے
تیری جانب آسمان پر مائلِ پرواز ہے
روح تاریکی میں ہے تیری شرارے[2] کی طرح
تیری پیشانی چمکتی ہے ستارے کی طرح
(جاذب آفاقی)

---

[1] گاری رہی ہے [2] آگ کی چنگاری

۵ "ماں کا خط"

حق ماں سے زیادہ نہیں دنیا میں کسی کا
جو قابلِ عزت ہے وہ رُتبہ ہے اُسی کا
سینچا ہے اسی ماں نے تمہیں خونِ جگر سے
پروان چڑھا ہے اس کی دعاؤں کے اثر سے
نیند اپنی اسی ماں نے تمہارے لئے کھوئی
گذری ہیں وہ راتیں بھی دم بھر نہیں سوئی
اس ماں نے تمہیں جاگ کے آرام دیا ہے
اور لوریوں سے نیند کا پیغام دیا ہے
ارماں سے خواہش سے تمناؤں سے پالا
ہے کون بھلا ماں کی طرح چاہنے والا
سایہ ہے جہاں ماں کا وہاں حق کا کرم ہے
اس بی بی کے قدموں کے تلے باغِ اِرَم ہے
راضی ہے اگر ماں تو خدا شاد رہے گا
لو اس کی دعائیں تو گھر آباد رہے گا
ہو جائے کسی بات سے ماں گر کبھی برہم
آداب سے آگے سرِ تسلیم کر خم

(رضیہ بیگم راحت)

(۶) "والدہ کا مقام"

والدہ خوابِ محبت کی صحیح تعبیر ہے
والدہ صدق و صفا کے لفظ کی تفسیر ہے
والدہ مہر و وفا کی اک حسیں تصویر ہے
والدہ کیا ہے؟ سراپا جذبۂ تعمیر ہے
بستیٔ اُلفت کی آبادی اسی کے دم سے ہے
گلشنِ عصمت[۱] کی شادابی اسی کے دم سے ہے
ایک دم میں اس کی غوں غاں کو سمجھ لیتی ہے یہ
کوئی دیوانی ہے ہر دم لوریاں دیتی ہے یہ
رات دن ننھے کی خاطر جاگتی رہتی ہے کون؟
ہر مصیبت خندہ پیشانی سے پھر سہتی ہے کون؟
چاند میرا، لال میرا، روز و شب کہتی ہے کون؟
گھر سے رخصت کر کے تجھ کو منتظر رہتی ہے کون؟
وقف ہے کس کی زباں تیری دعاؤں کے لیے؟
کون ہے سینہ سپر[۲] تیری بلاؤں کے لیے؟
کیا کبھی تو نے تدبر بھی کیا اے نوجواں؟
کس کے سینے سے چمٹتی تھی تیری ننھی سی جاں؟
مادرِ مشفق اگر ہوتی نہ تیری پاسباں
کھا گئے ہوتے کبھی کے تجھ کو کتے بلیاں؟

---

۱ پاک دامنی
۲ خطرہ وخوف کے وقت ڈٹ جانا

یاد کر عہدِ طفولیت[1] کے احسانات کو
آ جگہ دیں اپنے سر آنکھوں پہ اُمہات کو
انبیاء بھی اس کی آغوشِ محبت میں پلے
اولیاء بھی اس کے آخر دست شفقت میں پلے
اتقیا بھی اس کے دامانِ عطوفت[2] میں پلے
اصفیا بھی اس کے احسان و مروّت میں پلے
اس کی خدمت سب پہ لازم ہے بشر کوئی بھی ہو
اس کی خوشنودی مقدم ہے حشر کوئی بھی ہو

(از محسنہ کائنات صفحہ: ۳۷)

[1] بچپن کا زمانہ
[2] مہربانی

⑦ "ماں کی مامتا"

مامتا ماں کی جانتے ہیں سب ماں ہے بچے کی پرورش کا سبب
بھوک بچے کو ہے ستاتی جب ماں سے کرتا ہے رو کے دودھ طلب
دودھ دیتی ہے پیار کرتی ہے
جان اُس پر نثار کرتی ہے
بچہ سینے سے جو رہا ہے چمٹ نہیں لے سکتی بے دھڑک کروٹ
پاؤں کی بھی نہ ہو ذرا آہٹ کبھی ننھے کی نیند جائے اُچٹ
اُوں اُوں کرتی تھپکتی جاتی ہے
ہولے ہولے سرکتی جاتی ہے
جب رہا وہ نہالچے[1] پر سو چھوٹے تکیے لگا دیئے دو دو
کئے سب کام تھے ضروری جو پر نہیں بھولتی ہے بچے کو
لیتی رہتی ہے ماں خبر ہر دم
اپنے بچے پہ ہے نظر ہر دم
ماں کو آرام کی کہاں فُرصت سوئی بے ڈھب تو آگئی شامت
کپڑے لتوں کی ہوگئی کیا گت ہے سینا بھی تر بہ تر لت پت
صبح اُٹھ کر کھنگالتی ہے
جاڑے پالے کا وقت اور یہ کام
بچہ اتنے میں چونک اُٹھا سو کے ناک میں دم کیا ہے رو رو کے
ماں نے پھر لے لیا ہے خوش ہو کے نیا کُرتا بدل کے، منہ دھو کے

---

[1] بچے کا بستر

باتیں کرتی ہے پیار سے جوں جوں
بولتا ہے جواب میں آغوں

رات کو لوریاں سناتی ہے گود میں لے کے بیٹھ جاتی ہے
کس قدر زحمتیں اُٹھاتی ہے بچہ ہے اور ماں کی چھاتی ہے

کبھی کُنڈی بجا کے بہلایا
کبھی کندھے لگا کے ٹہلایا

ماں کداتی اُچھالتی ہے اُسے دیکھتی اور بھالتی ہے اُسے
ہر طرح پر سنبھالتی ہے اُسے اللہ آمین سے پالتی ہے اُسے

دیکھ کر اُس کا چاند سا مکھڑا
بھول جاتی ہے اپنا سب دُکھڑا

جب لگایا ہے آنکھ میں کاجل پڑا بچے کی تیوری میں بل
دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ڈالیں مل بچہ بے چین ہے تو ماں بے کل[1]

چپ کیا جھنجنا بجا کے اُسے
سوئی خود پیشتر[2] سلا کے اُسے

ماں پکائے تو کھانا پکتا ہے اور بچہ اِدھر بلکتا ہے
کبھی پر چھائیں ماں کی تکتا ہے کبھی روتا کبھی ٹھنکتا[3] ہے

کھانا پکتا ہے نام ہی کو بس
لگتے ہاتھوں لیا ہے بھون[4] جھلس

اُس کا ہَنّا جُدا پکاتی ہے اُنگلیوں سے اُسے چٹاتی ہے
باتیں کرنا اُسے بتاتی ہے پاؤں چلنا اُسے سکھاتی ہے

---

[1] بے چین [2] پہلے
[3] بچہ کا لاڈ پیار میں رونے جیسی آواز نکالنا [4] جلدی میں کسی طرح پکا لینا

ماں کو بچے سے جو محبت ہے
درحقیقت خدا کی رحمت ہے
اِتفاقاً جو ہوگیا بیمار پھوڑا پھنسی ہے یا زُکام، بخار
پھر تو ہر وقت ہے گلے کا ہار ماں کو اُس سے زیادہ ہے آزار
اپنے آپے کا کچھ نہیں ہے ہوش
بیٹھی ہے بُت بنی ہوئی خاموش
وَہم سے دل ہے کانپتا تھر تھر اُڑ رہی ہیں ہوائیاں منہ پر
ہے فقط فضل پر خدا کے نظر مانگی ہے دُعائیں رو رو کر
پڑگئی کان میں کچھ اور بھنک
لگی ہونے کلیجے میں دَھک دَھک
دشمنوں کا نہیں ہے جی اچھا ماں کو اِک ہول ہوگئی پیدا
پھر تو دنیا جہان کی ہے دَوا ٹوم[۱] چھلّے کا مُنہ[۲] ذرا نہ کِیا
ہوت ان ہوت کا نہیں کچھ غم
رہے بچے کی خیریت جم جم[۳]
چاؤ اور چوچلوں سے پلتا ہے آخرش پاؤں پاؤں چلتا ہے
گھر سے باہر بھی جا نکلتا ہے کھیلتا، کودتا، اُچھلتا ہے
جب کہیں چوٹ پھینٹ[۴] ہے کھاتا
ماں ہی ماں کہہ کے ہے وہ چِلّاتا
چیخ کو سن کے دوڑی بے چاری آنسو ٹپ ٹپ ہیں آنکھ سے جاری
ہوئی بچے پہ صدقے اور وَاری کون کرتا ہے یوں خبرداری

---

۱ زیور ۲ کسی چیز کی قدر و قیمت کو نظر انداز کر دینا
۳ ہمیشہ ۴ چوٹ لگنا یا گر جانا

جھٹ کلیجے لگا لیا ماں نے
جھاڑا، پونچھا اُٹھا لیا ماں نے
اب تو اک اور ہوگیا کھٹکا جاکے اُونچی منڈیر پر لٹکا
ماں نے بہتیرا[1] اپنا سر پٹکا گر پڑا تو نہ کھائے گا پھٹکا[2]
پھر دبے پاؤں جاکے لائی اُتار
دیا آہستہ اِک طمانچہ مار
خیر سے اَب تو کام کرتا ہے روز مکتب میں شام کرتا ہے
کیا ادب سے کلام کرتا ہے سب کو جھک کر سلام کرتا ہے
ماں چٹاچٹ[3] بلائیں لیتی ہے
پیار کرتی دُعائیں دیتی ہے
(اسماعیل میرٹھی)

---

[1] بہت
[2] علاج ودوا کے لئے ایک لمحے کی مہلت نہ پائے گا
[3] لگاتار

⑧ ''چھاؤں''

ماں جہاں بستی ہے ہر چیز وہیں اچھی ہے
آسماں تیرے ستاروں سے زمین اچھی ہے
ماں کے ہونے سے مری عمرِ رَواں ساکن ہے
سر پہ اک ابرِ خنک[1] سایہ کناں، ساکن ہے
ماں کا ہونا عملِ خیر کے ہونے کی دلیل
رگِ ہستی[2] میں دمکتے ہوئے سونے کی دلیل
ماں کا دل مرکز پر کارِ نظامِ ہستی
ماں کے ہاتھوں کے سبب گردشِ جامِ ہستی
ماں جو تڑپے تو رگِ سنگ سے شبنم پھوٹے
راستہ بند جو ہو ماں کی دعاؤں سے کھلے
ماں کے اَشکوں سے مرا نامۂ اعمال دُھلے
ماں ہے وہ چھاؤں جہاں لُو[3] بھی خنک ہوجائے
بارِ ہستی مرے کاندھوں پہ سبک[4] ہوجائے
مجھ پر یہ چھاؤں سدا بار[5] خدایا رکھنا
سر برہنہ[6] ہوں مرے سر پہ یہ سایہ رکھنا

''خورشید رضوی''[7]

---

۱ ٹھنڈا ۲ زندگی ۳ شعلہ ۴ ہلکا
۵ دیر تک ۶ ننگے ۷ ماں: صفحہ ۳۰

مراجع ومآخذ

کتاب	مصنف/مؤلف	مطبع

اخبار ابی حنیفة واصحابه ....للمصیری

الادب المفرد ....الامام الحافظ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللّٰہ تعالیٰ

........................دارالکتب العلمیہ

ارشاد الساری .... ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ

اسدالغابة فی معرفة الصحابة........................عزالدین الاثیرابی الحسن علی بن محمد الجزری

.... دارالفکر، بیروت

احسن الفتاویٰ........................ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ

.... ایچ ایم سعید

اصلاحی خطبات........................ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

.... میمن اسلامک پبلشرز

اکابر دیوبند کیا تھے؟ ....حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم

........................ادارۃ المعارف

اطاعتِ امیر .... حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ

........................الرشید، ناظم آباد کراچی

آپ بیتی........................ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ

.... معہد الخلیل الاسلامی

آپ کے مسائل اور ان کا حل .... حضرت مولانا محمد یوسف لدھانوی شہید رحمہ اللّٰہ تعالیٰ

........................مکتبہ لدھیانوی

آسان نیکیاں .... حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

.... مکتبہ رحمانیہ

بیان القرآن ....حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالی
..................تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
بخاری شریف .... محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ تعالی
.... ایچ ایم سعید
البدایۃ و النھایۃ.................. الامام الحافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر
..................مکتب التحقیق
برالوالدین .... حافظ جمال الدین ابی الفرج ابن الجوزی البغدادی
..................مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ
بچوں کا اسلام .... شمارہ نمبر۱۰۹ اتوار ۷ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۵ جولائی ۲۰۰۴ء
بچوں کا اسلام..................۱۷ شعبان ۱۴۲۵ھ
پرچھائیاں.................. مولوی محمد سعد
.... بیت العلم
مختصر تفسیر ابن کثیر .... حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ تعالی
.... دارالفکر، بیروت
تفسیر قرطبی ....ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری رحمہ اللہ تعالی
..................دارالفکر بیروت
التفسیر المنار..................
ترمذی شریف .... استاد المحدثین ابوعیسیٰ محمد بن عیسی بن سورہ الترمذی رحمہ اللہ تعالی
.... ایچ ایم سعید
الترغیب والترھیب ....الامام الحافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی رحمہ اللہ تعالی
..................دارالکتب العلمیہ
التذکرہ.................. ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح رحمہ اللہ تعالی
.... دارالدیان للتراث
تحاسد العلماء .... عبداللہ بن حسین الموجان

....دارالمنارة للنشر والتوزیع
ترجمہ حصن حصین ....علامہ محمد ابن جزری رحمہ اللہ تعالیٰ
....میر محمد کتب خانہ
تاریخ دعوت و عزیمت.............. حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ
....مجلس نشریات اسلام
تحفۂ زوجین.................... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ
تحفۂ دلہن..محمد حنیف عبدالمجید
.... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی
تربیت البنات .... استاذ علی فکری
.... دارالاشاعت
تفہیمات برائے حفاظ و حافظات.............................مولانا محمد اسلم شیخوپوری
....مکتبہ حلیمیہ
الجامع الصغیر ....امام ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ
....ادارۃ القرآن
الحزب الاعظم .... ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ
....مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی
حقوق العباد .... حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
حیاۃ الصحابہ (عربی) .... حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی
.... کتب خانہ فیضی
حیاۃ الصحابہ (اردو) .... حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
.... زم زم پبلشرز
حقوق الاسلام وحقوق الوالدین..
حقوق الوالدین .... حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی رحمہ اللہ تعالیٰ
.... ادارۃ المعارف کراچی

خطبات حکیم الاسلام.................... حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ تعالی
..............................دارالاشاعت
خیرالقرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت ......حضرت مولانا قاری اطہر مبارک پوری
.... ادارہ اسلامیات
خواتین کے لئے تربیتی بیانات ....پیر ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم
..............................دارالمطالعہ
الدر المنثور.............................. للامام الحافظ جلال الدین سیوطی
.... دار احیاء التراث العربی
روض الریاحین فی حکایات الاولیاء والصالحین ....عبداللہ بن اسعد الیافعی
.... مؤسسۃ عماد الدین، قبرص
سنن ابوداؤد.................... سلیمان بن اشعث ابی داؤد السجستانی رحمہ اللہ تعالی
..............................ایچ ایم سعید
سنن نسائی.......... ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان رحمہ اللہ تعالی
.... قدیمی کتب خانہ
سنن ابن ماجہ .... ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی رحمہ اللہ تعالی
..............................رشیدیہ لائبریری، ڈھاکہ
سمیر المؤمنین ....
صور من حیاۃ الصحابۃ .... الدکتور عبدالرحمن رأفت الباشا
.... مکتب عاصمیہ غفوریہ
طبقات الشافعیہ....................للامام السبکی رحمہ اللہ تعالی
طبرانی ....
عاقبۃ عقوق الوالدین.................... ابراهیم بن عبداللہ الحازمی
..............................دارالشریف
فتاویٰ شامی ....محمد بن عابدین رحمہ اللہ تعالی

.... ایچ ایم سعید
فتح الباری ....للامام الحافظ احمد بن علی حجر العسقلانی رحمہ اللّٰہ تعالی
....دارالسلام
فضل برالوالدین.. ابراهیم بن عبداللّٰہ الحازمی
.... دارالشریف
فضائلِ اعمال .... شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نَوَّرَاللّٰہُ مَرْقَدَہٗ
.... کتب خانہ فیضی
فضائلِ صدقات .... شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ
.... کتب خانہ فیضی
قصص الحدیث.. مولانا محمد زکریا اقبال
....دارالاشاعت
قصص الاولیاء یعنی نزهۃ البساتین.......................... ابومحمد عبداللّٰہ بن اسعد یمنی
....دارالاشاعت
کنزالعمال.............................. شیخ علی بن حسام الدین بن عبدالملک رحمہ اللّٰہ تعالی
....دارالکتب العلمیہ
کتاب الدعاء..صاحب زادہ قاری عبدالباسط
....حلقہ دروس قرآن و حدیث کراچی
گناہوں کے پہاڑ اور بخشش کا سیلاب .... (مترجم) مولانا غلام مصطفی صاحب
.... مکتبہ ملک فهد
گمنام محسن..طالب ہاشمی
.... دعوۃ اکیڈمی
معارف القرآن..............................مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللّٰہ تعالی
....ادارۃ المعارف
معارف القرآن.............................. مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللّٰہ تعالی

.... فرید بک ڈپو

مسلم شریف .... امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری رحمه الله تعالیٰ

.... ایچ ایم سعید

مستدرک الحاکم.................. ابوعبدالله محمد بن عبدالله الحاکم رحمه الله تعالیٰ

مشکوة شریف................ شیخ ولی الدین ابوعبدالله محمد بن عبدالله رحمه الله تعالیٰ

.... قدیمی کتب خانه

مصنف عبدالرزاق................ الحافظ الکبیر ابوبکر عبدالرزاق بن همام رحمه الله تعالیٰ

.... ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه

مرقاة .... ملا علی قاری رحمه الله تعالیٰ

.... مکتبه امدادیه

مسند احمد .... الامام احمد بن حنبل ابی عبدالله الشیبانی رحمه الله تعالیٰ

.... دار احیاء التراث العربی

معجم الادباء........................

مختصر برالوالدین ....

مظاهر حق (جدید) .... علامه نواب محمد قطب الدین خان دهلوی رحمه الله تعالیٰ

.... دارالاشاعت

معارف الحدیث .... مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمه الله تعالیٰ

.... دارالاشاعت

منتخب احادیث .... حضرت مولانا محمد یوسف کاندهلوی رحمه الله تعالیٰ

.... زم زم پبلشرز

محسنه کائنات ماں هے .... خواجه محمد اسلام صاحب

.... مکتبه رحمانیه

مخزن اخلاق .... مولانا رحمت الله سبحانی صاحب

.... ناشران قرآن لمیٹڈ

مثالی استاد...محمد حنیف عبدالمجید
....بیت العلم ٹرسٹ، کراچی
میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاج مذاق ..... حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
....ادارۃ المعارف
نقشِ حیات .... حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ
....دارالاشاعت
نفحة العرب .... حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ
.... قدیمی کتب خانہ
نزهة النفس الادبية ....
نضرة النعيم................صالح بن عبدالله بن حميد، عبدالرحمن بن محمد
....دارالوسیلة
وفیات الاعیان ....دکتور احسان عباس
.... دار صادر بیروت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باسمہ تعالیٰ

السلام علیکم: حضرات اہل علم، اور قارئین سے گزارش ہے کہ......!

یہ کتاب بزرگوں اور اکابر علماء کرام کی نصائح اور ارشادات پر مشتمل یہ کتاب جو چند علماء، فضلاء واحباب اور ان کے معاونین ورفقاء کی عرق ریزیوں اور دل کی گہرائیوں سے کی گئی ہے دعاؤں کا ثمرہ آپ کے سامنے ہے...... یہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ہے جو تصحیح اور تحقیقِ عمیق کے بعد شائع ہوا ہے۔ اس سب کے باوجود بہتری کا پہلو تو بہت وسیع دامن رکھتا ہے جس میں آپ محترم قارئین کی قیمتی آراء کے لعل و جواہر کی اور نظر سے اوجھل رہ جانے والی کسی چوک اور کوتاہی پر تنبیہی پھول پتیوں کی بارش کی گنجائش بہرحال موجود ہے، امید ہے جس جذبہ سے یہ گزارش کی گئی ہے اسی جذبہ کے تحت اس گزارش کا عملی استقبال بھی کیا جائے گا آپ اپنی رائے سے ہمیں مطلع فرمائیں، ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اس کا آپ کو بہترین اجر عطا فرمائے۔

کتاب کا کاغذ کیسا ہے:......

طباعت کا معیار کیسا ہے:......

کتاب ہر لحاظ سے کیسی پائی:......

کتاب میں کوئی غلطی نظر سے گزری:......

آپ کے خیال میں کتاب میں مزید وہ کون سی خوبی ہوتی کہ جو کتاب کو مزید خوبصورت، منفرد اور جامع بنا دیتی:......

یہ کتاب آپ نے کتنے لوگوں تک پہنچائی:......

کتاب پڑھنے کے بعد کوئی خاص مشورہ جو آپ دینا چاہیں:......

اس خط کا جواب لکھ کر آپ بھی اس کار خیر میں شامل ہو سکتے ہیں۔

فقط والسلام

احباب دار الہدیٰ

اِسلامی آداب

مؤلف

محمد زُبیر عبدُالمجید

فاضِل جامِعۃُ العُلوم الاِسلامِیۃ
علامہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی

پسند فرمودہ

مُفتی عبدُالرّؤف غزنوی صاحب مُدّظلّہ
اُستاذ جامِعۃ العلوم الاسلامیّہ
علامہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی

دارُالھُدیٰ

"میں تمام مسلمانوں سے اس ترجمہ اور شرح کے مطالعہ کرنے اور مجلسوں میں
سنانے کی اپیل کرتا ہوں" (مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

شرح اربعین نووی

ہر گھر کے لیے ایک مفید اور بہترین کتاب — ائمہ حضرات کے لیے مساجد میں درس و وعظ کے لیے نادر تحفہ

اصلاح اخلاق اور اصلاح اعمال کی مختلف تدابیر — معاشرے کے بگڑتے ہوئے احوال کی نشاندہی اور اصلاح حال کے طریقے

تصنیف

حضرت امام ابو زکریا محی الدین نووی رحمہ اللہ

شارح صحیح مسلم

اردو ترجمہ و شرح

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی

تخریج و تحقیق

مولانا اختر علی و مولانا محمد عمیر

فاضلان جامعہ فاروقیہ کراچی

دار الہدیٰ